قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ

مؤلفہ

حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ ایل ایل بی

امیر جماعت احمدیہ، لاہور

مؤلف انگریزی ترجمۃ القرآن و تفسیر بیان القرآن اردو و دیگر متعدد کتب

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

باہتمام ماسٹر فقیر اللہ صاحب مہتمم تصنیفات

ضروری گزارش

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت برادران اہل اسلام کے سامنے پیش کرنے کیلئے کسی تمہید کی ضرورت نہیں۔ میری اصل غرض اس سیرت کے لکھنے میں صرف اس قدر نہیں کہ آنحضرت صلعم کے صحیح حالات پبلک کے سامنے مختصر پیرایہ میں پیش کئے جائیں بلکہ زیادہ تر مد نظر یہ ہے کہ ہم مسلمان جو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کہلاتے ہیں اپنی زندگیوں کو اس پاک زندگی کے نمونہ پر بسر کرنے کی کوشش کریں۔ اس زندگی کا کمال یہ ہے کہ اگر یہ ایک بادشاہ کے لئے نمونہ کا کام دے سکتی ہے تو ایک مزدور کے لئے بھی وہی کام دیتی ہے۔ اگر ایک امیر کے لئے اس میں ہدایت موجود ہے تو ایک غریب کے لئے بھی ہے اگر ایک فاتح قوم کے لئے یہ روشنی کا کام دے سکتی ہے تو ایک مظلوم اور مصیبت زدہ قوم کے لئے بھی یہ مشعل راہ ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں سے کسی شعبہ میں کوئی کام کرتا ہو۔ اور اس کی مختلف حیثیتوں میں سے کوئی حیثیت اسے حاصل ہو ادنیٰ سے اعلیٰ تک۔ اُمی سے لیکر اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ تک [illegible] سپاہی سے لیکر جرنیل تک۔ غرض ہر ایک حالت اور ہر ایک حیثیت کا انسان [illegible] میں اپنے لئے ایک [illegible]

جس مختصر پیرایہ میں یہ سیرت لکھی گئی ہے وہ اس بات کا متحمل [illegible] زندگی کے واقعات کو نہایت سادہ طرح پر بیان کیا گیا ہے اور ان واقعات میں جن اخلاق فاضلہ کا آپ سے ظہور ہوا اور جن کی ضرورت ہر انسان کو اپنی زندگی میں پیش آتی ہے ان کی طرف مختصراً توجہ [illegible] واقعات کے بیان میں ہی مخالفین کی نکتہ چینیوں کا جواب بھی آگیا ہے۔ یہ پاک زندگی [illegible] کو کسی دوست نالکھی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

عرب
بحر متوسط
بیروت
صحرائے شام
صحرائے نفود
نجد
خلیج فارس
خلیج عمان
عمان
صحرائے ربع خالی
یا
احقاف الدھناء
حضرموت
B.S.R.N.

فہرست مضامین سیرت خیر البشر

سیرت کے بڑے بڑے واقعات

قبل نبوّت ۴۰ سال

۵۷۱ء — **ولادت** | پیدائش کی تاریخ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۹ ربیع الاوّل ہے۔ دادا نے محمدؐ والدہ نے احمد نام رکھا۔

خانہ کعبہ پر یمن کے عیسائی گورنر ابرھہ کا حملہ | ۵۷۱ء آنحضرت صلعم کی ولادت کے دن یا اس سے ۵۲ دن پیشتر کا واقعہ ہے قریش نے مقابلہ نہیں کیا۔ مگر حملہ آور لشکر میں چیچک پھوٹ نکلی۔ خود ابرھہ کو بھی چیچک نکل آئی۔ کچھ مر گئے کچھ بدحواس ہو کر بھاگ گئے۔

رضاعت | دو تین دن آپ کی والدہ نے دودھ پلایا پھر ثویبہ ابولہب کی لونڈی نے۔ اس کے بعد قبیلہ ہوازن کی ایک بی بی حلیمہ سعدیہ کے سپرد ہوئے۔ دو سال کے بعد دودھ پلانیکی میعاد ختم ہو گئی۔ لیکن مکہ میں وبا کی وجہ سے پھر انہی کے سپرد کر دیا گیا اور چھٹے سال تک وہیں رہے۔

عمر ۶ سال — **مدینہ کا سفر اور والدہ کا انتقال** | چھ سال کی عمر میں آپ کی والدہ آپ کو مدینہ ساتھ لے گئیں۔ واپسی پر رستہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

عمر ۸ سال — **عبدالمطلب کی کفالت** | والدہ کی وفات کے بعد آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں رہے آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی جب دادا کا انتقال ہو گیا۔

ابوطالب کی کفالت | دادا کے بعد آپ ابوطالب کی کفالت میں رہے جو آپ کے والد کے بڑے بھائی تھے۔

عمر ۱۲ سال — **شام کا سفر اور بحیرا راہب کا قصہ** | آپ کی عمر بارہ برس کی تھی جب ابوطالب نے شام کا سفر کیا اور آپ کو ساتھ لے گئے۔ بحیرا راہب کی ملاقات کا واقعہ اسی سفر کا بیان کیا جاتا ہے مگر یہ روایت معتبر نہیں۔

شغل تجارت | آپ نے معاش کے لئے جو شغل اختیار کیا وہ تجارت تھا۔ تجارت کے لئے شام بُصریٰ یمن کے متعدد سفر بھی کئے آپ کی مشہور دیانت۔ امانت کی وجہ سے لوگ اپنا سرمایہ آپکے سپرد کر دیتے تھے اور آپ شراکت کر لیا کرتے تھے۔

عمر ۲۰ سال — **حرب فجار** | ۵۸۰ء اور ۵۹۰ء کے درمیان حرب فجار کا واقعہ پیش آیا یعنی قریش اور قیس کے قبیلوں میں جنگ شروع ہوئی جس کا نام حرب فجار ہوا اس لئے کہ حرمت کے مہینوں میں یہ لڑائی ہوئی اس لڑائی میں آنحضرت صلعم شریک ہوئے اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔

حلف الفضول | حرب فجار میں صلح ہو جانے کے بعد قریش کے تین قبیلوں میں ایک معاہدہ ہوا جو حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے اقرار یہ تھا کہ ہر ایک شخص جو اس میں شامل ہے مظلوم کی حمایت کریگا اس وقت تک کہ اس کا حق دلا دے۔ آنحضرت صلعم بھی اس میں شریک تھے۔

عمر ۲۵ سال — **حضرت خدیجہؓ سے نکاح** | پچیس سال کی عمر میں آپ نے حضرت خدیجہ سے جو چالیس سال عمر کی بیوہ تھیں نکاح کیا۔ اس شادی سے آپ کے دو لڑکے ہوئے جن میں سے بڑے کا نام قاسم تھا جس سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔ چار لڑکیاں ہوئیں۔ زینب۔ رقیہ۔ اُم کلثوم۔ فاطمہ۔ حضرت فاطمہ کی شادی حضرت علی سے ہوئی انہی سے خاندان سیادت چلتا ہے۔

عمر ۳۵ سال، ۶۰۵ء — **تعمیر کعبہ** | آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی جب قریش نے خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا۔ حجر اسود آنحضرت صلعم کے مبارک ہاتھ سے نصب ہوا۔

عمر ۴۰ سال — **غار حرا میں خلوت** | نبوت سے کچھ عرصہ پیشتر آپ غار حرا میں جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے خلوت کے لئے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں آپ کو کثرت سے سچے خواب آنے لگے۔ جو ساتھ کے ساتھ پورے ہوتے جاتے تھے۔

مکی زندگی - ۱۳ سال

سال بعثت اول ۶۰۹ء

نزول قرآن کی ابتدا | عمر کے چالیس سال پورے ہو چکے تھے۔ ۶۱۰ء تھا۔ ۲۵ رمضان لیلۃ القدر کی رات سب سے پہلا ٹکڑا قرآن کریم کا اقرأ باسم ربک الذی خلق۔ نازل ہوا۔ اور آپ کل عالم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے +

فترت وحی | پہلی وحی کے بعد کچھ دنوں تک جو چھ ماہ سے زیادہ نہیں تھی رکی رہی +

سال بعثت ا تا ۳ ۶۰۹-۱۲ء

پہلے مومن | بعثت کے پہلے ہی سال میں وحی کے نازل ہونے پر خدیجہ (بیوی) ابوبکر (سب سے بڑا دوست) علی (چچازاد بھائی) اور زید (آپ کا آزاد کردہ غلام) آپ پر ایمان لائے۔ اس کے بعد تین سال کے اندر اندر کوئی چالیس شخص ایمان لائے جن میں حضرت عثمان زبیر۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ طلحہ۔ بلال شامل ہیں +

سال بعثت ۔ ۴ ۶۱۳ء

کوہ صفا پر وعظ اور سب قریش کو بلانا | ابتدا میں کوئی تین سال تک آپ عام وعظ کرنے کی بجائے علیحدہ علیحدہ لوگوں کو بلا کر پیغام حق سناتے تھے۔ چوتھے سال میں حکم ہوا کہ وعظ کو عام کرو۔ کوہ صفا پر چڑھ کر آپ نے سب قریش کو بلایا اور پیغام حق سنایا مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی +

قریش کی دعوت | خاندان عبدالمطلب کی آپ نے اسی سال میں دعوت کی اور بتایا کہ دین و دنیا میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو میرا ساتھ دو۔ لوگ ہنس کر چلے گئے۔

قریش کے وفد ابوطالب کے پاس | قریش نے ابوطالب کو کہلا بھیجا کہ وہ آنحضرتؐ کو وعظ سے روک دے انہوں نے معمولی طور پر آنحضرت سے کہہ دیا۔ دوسرا وفد آیا اور مطالبہ کیا کہ یا ابوطالب آنحضرتؐ سے الگ ہو جائے یا قریش کے سب قبیلے بنی ہاشم سے جنگ کریں گے ابوطالب نے آنحضرتؐ سے کہا۔ آپ نے جواب دیا کہ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو بائیں لا کر رکھیں تو بھی اس کام کو نہ چھوڑوں گا۔ تیسرا وفد آیا کہ محمد صلعم کی جگہ عمارہ بن ولید (ایک خوبصورت نوجوان) کو لے لو۔ ابوطالب نے نامنظور کیا +

ارقم کا گھر | چونکہ قریش کی ایذا رسانی بڑھ گئی اس لئے ایک صحابی ارقمؓ کا گھر بعثت کے چوتھے سال میں نماز و اجتماع کیلئے مقرر ہوا +

سال بعثت ۔ ۵ ۶۱۵ء

حبش کی ہجرت | بعثت کے پانچویں سال ماہ رجب (۶۱۴ء) میں گیارہ صحابہ نے جن میں حضرت عثمان اور ان کی بیوی رقیہ (آنحضرت صلعم کی صاحبزادی) تھیں۔ حبش کی طرف ہجرت کی۔ قریش نے تعاقب کیا۔ مگر یہ جہاز پر روانہ ہو چکے تھے۔ پھر نجاشی شاہ حبش کے پاس وفد بھیجا کہ انہیں واپس کر دو۔ مگر اس نے بھی حالات اور اسلام کی تعلیم کو معلوم کر کے انکار کر دیا۔ تب اور صحابہ بھی ہجرت کر گئے۔ یہ حبش کی ہجرت ثانیہ کہلاتی ہے۔ کل ۱۰۱ مرد و عورت حبش میں جمع ہو گئے +

معراج نبوی | آنحضرت صلعم کا معراج اسی بعثت کے پانچویں سال کا واقعہ ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم کی ان دونوں سورتوں میں جو اسی سال نازل ہوئیں موجود ہے یعنی سورہ بنی اسرائیل اور سورہ النجم میں +

سال بعثت ۔ ۶ ۶۱۵-۱۶ء

حضرت حمزہ و عمر کا ایمان لانا | چھٹے سال بعثت میں پہلے حضرت حمزہ اور پھر حضرت عمر داخل اسلام ہوئے۔ ان سے اسلام کو بڑی قوت پہنچی۔ اور خانہ کعبہ میں نماز باجماعت ادا کی گئی +

قریش کی طرف سے عتبہ کا درخواست لانا | دکھوں اور تکلیفوں کے مقابلہ میں آنحضرت اور آپ کے ساتھیوں کی یہ ثابت قدمی دیکھ کر کفار نے آنحضرتؐ کو لالچ دینا چاہا۔ اور عتبہ کو پیغام دیکر بھیجا کہ ہماری سرداری قبول کر لو۔ مال دولت جس قدر چاہو جمع کر دیتے ہیں۔ حسین سے حسین عورت شادی کیلئے حاضر کر دیتے ہیں آپ نے قرآن شریف پڑھ کر سنایا کہ میں بشیر و نذیر ہوں ان چیزوں کی مجھے ضرورت نہیں +

سال بعثت ۔ ۷ ۶۱۶ء

شعب ابی طالب میں محصور ہونا | سب کوششوں میں ناکام ہو کر آخر قریش کے سب قبیلوں نے بنی ہاشم کے خلاف باہم عہد کر کے کعبہ میں آویزاں

کر دیا کہ نہ ان سے شادی اور نکاح کا معاملہ کریں گے نہ کھانے پینے کا سامان ان تک جانے دیں گے۔ یہاں تک کہ آنحضرت کو قتل کے لئے حوالہ کر دیں۔ ساتویں سال بعثت میں بنی ہاشم ایک درہ میں جو شعب ابی طالب کے نام سے موسوم ہے محصور ہو گئے۔ اور تین سال تک خطرناک دکھوں اور بھوک کا مقابلہ کیا۔ ان ایام میں آنحضرت صلعم صرف ایام حج میں تبلیغ کر سکتے تھے ✦

شعب ابی طالب سے نکلنا (بعثت سال ۱۰ - ۶۱۹ء) دسویں سال بعثت میں ایک طرف معاہدہ کو دیمک کھا گئی۔ دوسری طرف بعض لوگ برخلاف ہو گئے اور بنی ہاشم آزاد ہوئے

حضرت خدیجہ اور ابوطالب کی وفات (دسمبر ۶۱۹ء و جنوری ۶۲۰ء) محاصرہ سے نکلنے کے چند ہی روز بعد دسویں سال بعثت میں ابوطالب اور خدیجہ یکے بعد دیگرے وفات پا گئے اس لحاظ سے یہ سال عام الحزن کہلاتا ہے ✦

سفر طائف (جنوری ۶۲۰ء) اسی دسویں سال میں آنحضرت صلعم طائف تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ مگر وہاں بھی لوگ بڑی سختی سے پیش آئے۔ اور آپ زخمی ہو کر واپس ہوئے ✦

اہل مدینہ کے اسلام کی ابتدا (بعثت سال ۱۱ - ۶۲۰ء) موسم حج میں جب آنحضرت صلعم مختلف قبیلوں میں پھر کر اسلام کا پیغام پہنچا رہے تھے تو مدینہ کی قوم خزرج کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا ✦

بیعت عقبہ اولیٰ (بعثت سال ۱۲ - اپریل ۶۲۱ء) بارہویں سال بعثت میں موسم حج میں بارہ آدمی اہل مدینہ سے آئے اور مقام عقبہ پر آنحضرت صلعم سے بیعت کی تعلیم اسلام کیلئے آپ نے مصعب بن عمیر کو مدینہ بھیج دیا۔ اور اگلے سال تک مدینہ میں اسلام گھر گھر پھیل گیا یہ بیعت اس بات پر تھی کہ شرک چوری زنا قتل اولاد افترا کے مرتکب نہ ہونگے

بیعت عقبہ ثانیہ (بعثت سال ۱۳ - مارچ ۶۲۲ء) تیرھویں سال بعثت میں بہتر آدمی اہل مدینہ سے آئے جن میں دو عورتیں تھیں اور مقام عقبہ پر بیعت کی۔ یہ بیعت اس بات پر تھی کہ آنحضرت صلعم کی حفاظت اسی طرح کریں گے جس طرح اپنے اہل و عیال کی ✦

ہجرت صحابہ (بعثت سال ۱۴ - اپریل ۶۲۲ء) چودھویں سال بعثت کے پہلے ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر سب صحابہ ایک ایک دو دو کر کے مدینہ ہجرت کر گئے ✦

دار الندوہ میں آنحضرت کے قتل کا مشورہ جب قریش نے دیکھا کہ آپ کے ساتھی سب جا رہے ہیں تو دار الندوہ میں مشورہ کیا۔ آخر یہ قرار پایا کہ ہر قبیلہ قریش کا ایک ایک جوان نکلے اور سب رات کے وقت نبی کریم صلعم کے گھر کا محاصرہ کر لیں اور علی الصبح آپ نماز کیلئے نکلیں تو یکدم حملہ کر کے کام تمام کر دیں

ہجرت نبوی (۲۰ جون ۶۲۲ء) اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلعم کو ہجرت کی اجازت ملی۔ آپ محاصرین کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے اُن کے اندر سے نکل گئے اور حضرت ابوبکر کو ساتھ لیکر مکہ سے باہر غار ثور میں جو مکہ سے تین میل ہے چھپ گئے اور تین دن اس کے اندر رہے کفار تلاش کرتے یہاں تک پہنچے مگر آپ کو دیکھ نہ سکے۔ تین دن کے بعد آپ نے مدینہ کا رستہ لیا۔ یہ چودھویں سال بعثت ماہ صفر کے آخری ایام تھے ✦

مدنی زندگی دس سال

قبا میں نزول (۶۲۲ء) ۸۔ ربیع الاول دوشنبہ کے دن جون ۶۲۲ء کے آخری ایام میں آپ مدینہ پہنچے۔ اور مدینہ سے تین میل بیرونی آبادی جو قبا کہلاتی ہے وہاں فروکش ہوئے ✦

مسجد قبا کی تعمیر چودہ دن تک آپ یہاں رہے۔ اور انہی ایام میں مسجد قبا کی بنیاد رکھی گئی ✦

مسجد نبوی کی تعمیر مدینہ پہنچتے ہی آپ نے سب سے پہلے مسجد کیلئے جگہ حاصل کی اور مسجد نبوی بنائی گئی مسجد کے ساتھ ہی مسجد میں کھلتے ہوئے آنحضرت صلعم کی ازواج کے لئے حجرے بنائے گئے اور ایک سرے پر غربا کے لئے جو مکان نہ رکھتے تھے اور اصحاب صفہ کہلاتے تھے ایک مسقف چبوترہ بنایا گیا ✦

اذان اور جمعہ مدینہ پہنچکر ہی آپ نے پہلی نماز جمعہ ادا کی اور اذان کی ابتدا بھی یہیں آکر ہوئی ✦

مواخاۃ مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی دوسرا کام آپ نے یہ کیا کہ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ اور جب تک مہاجرین نے اپنے مکانات وغیرہ نہ بنوائے انہی کے ساتھ رہتے رہے ✦

یہود سے معاہدہ اسی سال مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ بھی آپ نے عہد کیا جس کے رو سے قرار پایا کہ فریقین ایک دوسرے کے مذہب سے تعرض نہ کریں۔ دشمن کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ مدینہ کے اندر ایک دوسرے کی خونریزی نہ ہو۔ سب تنازعات کا آخری فیصلہ آنحضرت صلعم کریں

رمضان سنہ ۲ھ
جنوری سنہ ۶۲۳ء

جنگ بدر یہ لڑائی ۱۷۔ رمضان سنہ ۲ ہجری میں بدر کے مقام پر ہوئی جو مدینہ سے تین منزل اور مکہ سے دس منزل ہے۔ قریش مدینہ پر چڑھ کر آئے تھے۔ آنحضرت صلعم نے بمشورہ مہاجرین و انصار باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا۔ قریش ایک ہزار تھے خوب مسلح اور جنگ آزمودہ تھے مسلمان ۳۱۳۔ ہتھیاروں کی کمی اکثر حصہ لڑائی سے ناتجربہ کار۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ قریش کے سات بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ کل ستر مقتول ہوئے۔ ستر قید ہوئے۔ مسلمان چودہ شہید ہوئے۔ قیدی فدیہ لے کر چھوڑ دیئے گئے ✦

شوال سنہ ۲ھ
فروری سنہ ۶۲۴ء

بنی قینقاع کی جلاوطنی اسی سال یہودیوں کے قبیلہ بنی قینقاع نے عہد شکنی کی۔ ان کا محاصرہ کیا گیا۔ اور اس بات پر فیصلہ ہوا کہ مدینہ چھوڑ جائیں۔ شام میں جا آباد ہوئے ✦

شوال سنہ ۳ھ
جنوری سنہ ۶۲۵ء

جنگ اُحد بدر کا بدلہ لینے کے لئے اگلے سال ابوسفیان تین ہزار کا لشکر لے کر پھر مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ اور اُحد کے نیچے مدینہ سے تین میل جانب شمال ۹ شوال جمعرات کے دن آ ڈیرے ڈالے۔ آنحضرت صلعم نے مشورہ کیا تو قرار پایا کہ باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ نکلا۔ مگر عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا۔ اپنے تین سو آدمیوں کے ساتھ رستے سے واپس ہو گیا۔ صرف سات سو مقابلہ میں رہ گئے۔ ہفتہ کے دن جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ مگر مسلمان تیراندازوں کے ایک گروہ نے جو ایک درہ پر متعین تھے نافرمانی کی اور دشمن کے تعاقب میں شامل ہو گئے۔ خالد نے دو سو سواروں کے ساتھ مسلمانوں پر عقب سے حملہ کیا۔ اور بھاگتا ہوا لشکر کفار سامنے سے مقابلہ پر آیا۔ مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے۔ آنحضرت صلعم نے آواز دیکر انہیں جمع کیا۔ کفار نے آنحضرت صلعم پر حملہ کا زور ڈالا آپ کو زخم آئے اور گر گئے مگر مسلمانوں نے جمع ہو کر آپ کے گرد دیوار بنا لی اور کفار اس دیوار کو توڑنے کی بے سود کوشش کر کے آخر پیچھے ہٹ گئے۔ اور میدان جنگ چھوڑ کر مکہ کی راہ لی۔ اگلے دن آنحضرت صلعم نے ان کا تعاقب کیا ✦

صفر سنہ ۴ھ
مئی سنہ ۶۲۵ء

بئر معونہ کا واقعہ صفر سنہ ۴ ہجری میں ایک شخص ابو براء نے آنحضرت صلعم سے استدعا کی کہ اپنے واعظ میرے ساتھ بھیجئے۔ میری قوم مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ آپ نے ستر قاری بھیجے جن کو دھوکہ دیکر بئر معونہ کے مقام پر قتل کر دیا گیا ✦

رجیع مقام رجیع پر اسی طرح دھوکہ دیکر آپ کے دس قاری قتل کر دیئے گئے ✦

ربیع الاول سنہ ۴ھ
جون سنہ ۶۲۵ء

بنی نضیر کی جلاوطنی اسی سال یہودیوں کی قوم بنی نضیر نے عہد شکنی کی اور دشمن کے ساتھ مل گئے آنحضرت صلعم نے ان کا محاصرہ کیا اور آخر وہ مدینہ چھوڑ کر سفر پر راضی ہو گئے کچھ خیبر میں اور کچھ شام میں جا آباد ہوئے ✦

شعبان سنہ ۵ھ
دسمبر سنہ ۶۲۶ء

غزوہ بنی المصطلق شعبان سنہ ۵ ہجری میں قوم بنی مصطلق کی مدینہ پر حملہ کی تیاری معلوم کر کے آپ نے ان پر فوج کشی کی چھ سو قیدی ہاتھ آئے جویریہ حارث کی بیٹی بھی اُن میں تھی وہ مسلمان ہو کر آنحضرت صلعم کے حرم محترم میں داخل ہوئی تو مسلمانوں نے سب قیدیوں کو آزاد کر دیا ✦

ذیقعدہ سنہ ۵ھ
فروری سنہ ۶۲۷ء

غزوہ احزاب احد کی ناکامی کو مٹانے کے لئے قریش نے ایک اور زبردست تیاری کی۔ اور تمام قبائل عرب کو اُکسا کر دس ہزار سے لیکر چوبیس ہزار تک فوج کے ساتھ ذیقعدہ سنہ ۵ ہجری میں مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ آپ نے حفاظت کے لئے خندق کھدوائی۔ کفار

جب حملہ کرتے پسپا ہوتے ایک ماہ تک اسی طرح پڑے رہے۔ مسلمانوں اور خود آنحضرت کو ان ایّام میں بڑی بڑی فاقہ کشی کرنی پڑی۔ آخر ایک رات سخت آندھی کے چلنے پر اُن کے اوسان خطا ہوگئے۔ اور راتوں رات بھاگ گئے ٭

ذوالحجہ ۵ھ
مارچ ۶۲۷ء

بنی قریظہ کی غداری اور سزا غزوہ احزاب کے خطرناک حملہ میں جب مسلمان سخت خطرہ کی حالت میں تھے۔ بنی قریظہ نے جو اب یہودیوں کی ایک ہی قوم مدینہ میں رہ گئی تھی غداری کی اور اگر کفار کے لشکر کو ذرا بھی غلبہ ہوتا تو یہ لوگ اندر سے مسلمانوں کے خلاف اُٹھنے کا اور ان کا کام تمام کر دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لئے غزوہ احزاب کے بعد ان کا محاصرہ کیا گیا۔ انہوں نے سعد بن معاذ کو جو پہلے ان کے حلیف تھے حَکَم مانا۔ سعد نے اس غدار قوم کے لئے توریت کی سزا تجویز کی کہ مرد جو تعداد میں قریبًا تین سو تھے قتل کئے جائیں عورتیں اور بچے قید ہوں ٭

ذیقعدہ ۶ھ
مارچ ۶۲۸ء

صلح حدیبیہ ذیقعد ۶ھ میں آنحضرت صلعم چودہ سو صحابہ کے ساتھ حج کے ارادہ سے نکلے۔ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر بمقام حدیبیہ قریش نے روک دیا اور لڑائی کے لئے تیار ہوگئے۔ آنحضرت صلعم نے یکے بعد دیگرے دو قاصد بھیجے۔ کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے مگر انہیں قید کر لیا گیا۔ دوسرے قاصد حضرت عثمان تھے۔ آخر آنحضرت صلعم نے صحابہ سے بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے کہ وہ اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ تب قریش نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر اس سال حج نہیں کرنے دیا اگلے سال حج کی اجازت دی اور یہ شرط ہوئی کہ اگر قریش میں سے کوئی مسلمان ہو کر مدینہ آئے تو آنحضرت اسے واپس کریں اور اگر کوئی مسلمان قریش سے جا ملے تو وہ اُسے واپس نہ کریں گے۔ واپسی کے وقت آنحضرت صلعم پر قرآن شریف کی سورۂ فتح نازل ہوئی۔ اور اس میں اس صلح کا نام فتح مبین رکھا گیا۔ اور بتایا گیا کہ یہ عظیم الشان کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے ٭

۶ھ
۶۲۸ء

بادشاہوں کے نام خطوط حدیبیہ سے واپسی پر آپ نے ذیل کے بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط لکھے قیصر روم۔ کسریٰ۔ عزیز مصر۔ نجاشی۔ عرب کی اطراف کے بعض رؤسا۔ عزیز مصر کے نام کا اصل خط مل گیا ہے اس نے جواب میں تحائف بھیجے۔ قیصر کے نام کا خط ہرقل کے پاس پہنچا تو اس نے ابوسفیان کو جو اس وقت تجارت کے لئے ملک شام میں تھا بلا کر آنحضرت صلعم کے حالات دریافت کئے اور ابوسفیان کے جواب سُن کر نتیجہ نکالا کہ آنحضرت حق پر ہیں مگر پادریوں نے مخالفت کی کسریٰ نے خط کو پھاڑ ڈالا اور آنحضرت صلعم کو گرفتار کرنے کے لئے سپاہی بھیجنے کا حکم دیا۔ یہ سپاہی مدینہ پہنچے تو آنحضرت نے انہیں اطلاع دی کہ تمہارا بادشاہ مارا گیا ہے اور اس خبر کی بعد میں تصدیق ہوئی۔ نجاشی مسلمان ہوا ٭

محرم ۷ھ
اگست ۶۲۸ء

غزوہ خیبر یہودی جو اب قریبًا سب کے سب خیبر میں آباد تھے جو مدینہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر ہے قریش کو ناکام دیکھ کر بہت جلتے تھے۔ آخر قبیلہ غطفان کے ساتھ سازش کی کہ مدینہ پر حملہ کریں۔ آنحضرت صلعم نے اس خبر کی تصدیق کی اور آخر ۱۶۰۰ صحابہ کے ساتھ محرم ۷ سنہ ہجری میں خیبر پر حملہ کیا یہودیوں کے یہاں بڑے مضبوط قلعے تھے مگر اسلامی بہادری کے سامنے سر نگوں ہوگئے۔ اور آخر نصف پیداوار دینے کی شرط پر اطاعت قبول کی۔ پھر بھی ایک یہودی عورت سے آنحضرت کو زہر دلوائی جنگ کے قیدیوں میں حضرت صفیہ تھیں انہیں آزاد کر کے آنحضرت نے ان سے شادی کی تاکہ اس قوم کی شرارت رک جائے لیکن احسان کا معاوضہ کفران کے رنگ میں دیا۔ آخر حضرت عمر کے عہد میں عرب سے سب یہودی جلاوطن کر دیئے گئے ٭

جمادی الاول ۸ھ
ستمبر ۶۲۹ء

غزوہ موتہ جو خطوط آنحضرت صلعم نے رؤسائے عرب کے نام لکھے ان میں سے ایک شرحبیل رئیس بصریٰ کے نام تھا اس نے قاصد کو قتل کر دیا اور یہ اعلان جنگ تھا۔ آنحضرت صلعم نے تین ہزار فوج پر زید بن حارثہ کو مقرر کر کے جمادی الاول ۸ سنہ ہجری میں حدود شام

کی طرف بھیجا۔ جہاں ایک لاکھ فوج مقابلہ کو موجود تھی۔ تین سپہ سالار یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ اور آخر کار خالدؓ کی دانشمندی سے فوج کو واپس نکال لائے۔

رمضان سنہ ۸ھ
جنوری سنہ ۶۳۰ء

فتح مکہ صلح حدیبیہ کی شرائط کو قریش نے توڑ دیا یعنی اہل اسلام کے حلیف خزاعہ کے خلاف اپنے حلیف بنو بکر کی مدد کی۔ اور حرم میں خزاعہ کو تہ تیغ کر دیا۔ خزاعہ نے آنحضرت صلعم سے شکایت کی۔ آپ نے قریش کو کہلا بھیجا کہ یا خون بہا دیں یا بنو بکر سے الگ ہو جائیں یا معاہدہ حدیبیہ کالعدم تصور ہوگا۔ قریش نے کہا تیسری بات منظور ہے۔ آخر آنحضرت صلعم دس ہزار صحابہ کے ساتھ ۱۰ رمضان سنہ ۸ھ کو روانہ ہوئے قریش نے اپنے آپ کو مقابلہ کے ناقابل پایا۔ ابوسفیان معافی کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے عام اعلان کر دیا کہ جو شخص کعبہ میں داخل ہو جائے یا اپنا دروازہ بند کرے یا ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے وہ امن میں ہوگا۔ یہ عظیم الشان فتح بغیر خونریزی کے ہوئی آپ نے اہل مکہ کو جمع کر کے کہہ دیا کہ آج میں تم کو تمہاری زیادتیوں پر ملامت بھی نہیں کرتا۔ یہ معافی اس وقت دی گئی جب وہ سب حالت کفر پر تھے۔ آپ کے اخلاق اور تعلیم اسلامی کو دیکھ کر بعد میں وہ مسلمان ہونا شروع ہوئے۔ ہاں خانہ کعبہ بتوں سے پاک کیا گیا۔

شوال سنہ ۸ھ
جنوری فروری سنہ ۶۳۰ء

غزوہ حنین حنین مکہ سے قریب ہے فتح مکہ کے ساتھ ہی ہوازن قوم کا وہاں اجتماع شروع ہوا۔ اس لئے آنحضرت صلعم بارہ ہزار فوج کے ساتھ بڑھے۔ مسلمانوں کی کثیر فوج ان کی تیراندازی کا مقابلہ نہ کر سکی فوج میں دو ہزار اہل مکہ بھی تھے۔ پہلے وہ بھاگے پھر ساری فوج بھاگ اُٹھی۔ آنحضرت صلعم اکیلے عباس کے ساتھ دشمن کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔ آپ کی وجہ سے فوج کا پھر اجتماع ہوا اور دشمن کو شکست ہوئی۔ چھ ہزار قیدی ہاتھ آئے جو بعد میں سب کے سب بطور احسان آزاد کر دیئے گئے۔ حنین کی فتح کے بعد دشمن طائف میں پناہ گزین ہوا۔ آنحضرت نے محاصرہ کیا مگر یہ دیکھ کر کہ وہ اسلامی فوج کو نقصان پہنچانے پر قادر نہیں محاصرہ اُٹھا لیا۔

رجب سنہ ۹ھ
ستمبر اکتوبر سنہ ۶۳۰ء

غزوہ تبوک آنحضرت کو خبر پہنچی کہ ملک شام میں عیسائیوں کی افواج کا اجتماع ہو رہا ہے آنحضرت نے بھی قبائل کو مقابلہ کے لئے بلایا۔ اور تیس ہزار فوج کے ساتھ رجب سنہ ۹ ہجری میں شام کی طرف روانہ ہوئے مگر دشمن کو موجود نہ پایا۔ اس لئے آپ نے دشمن کے ملک پر حملہ نہ کیا سرحد کے چند عیسائی رؤسا کے ساتھ معاہدات ہو گئے جن سے سرحد پر امن ہو گیا۔

ذوالحج سنہ ۹ھ
مارچ سنہ ۶۳۱ء

مسلمانوں کا حج کرنا سنہ ۹ ہجری میں اہل اسلام نے حضرت ابوبکرؓ کی سرکردگی میں حج کیا حضرت علیؓ کو بعد میں اس اعلان کے لئے بھیجا گیا۔ کہ آئندہ کوئی مشرک خانہ کعبہ کا حج نہ کرے گا۔ اگلے سال تک سارا عرب مسلمان ہو گیا اور کوئی مشرک حج کرنیوالا نہ رہا۔

وفود کا آنا فتح مکہ اور جنگ حنین کے بعد عرب کے اندر لڑائیوں کا خاتمہ ہوا۔ اور جب امن قائم ہو گیا تو مختلف قوموں اور قبیلوں کے وفد آنے لگے تاکہ اسلام کی تعلیم کو دیکھیں۔ بعض اسلام کو فوراً قبول کرتے بعض بحث و مباحثہ کے بعد۔ بعض مخالفت بھی کرتے۔ مگر فی الجملہ نویں اور دسویں سال ہجرت کے اندر عرب قریباً کل کا کل مسلمان ہو گیا۔

ذوالحج سنہ ۱۰ھ
مارچ سنہ ۶۳۲ء

حجۃ الوداع دسویں سال میں عرب مسلمان ہو چکا تھا۔ آنحضرت بھی حج کے لئے گئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انسان کا اجتماع تھا۔ سارا ملک عرب اب نہ صرف آپ کا مطیع تھا بلکہ تمام غلط عقائد اور بیہودہ رسوم کو چھوڑ کر عاشق توحید ہو چکا تھا۔ جبل عرفات پر آپ نے خطبہ پڑھا۔ وحی ہوئی کہ اب دین کامل ہو گیا اور یہ کہ جب لوگ گروہ در گروہ دین اسلام میں داخل ہو گئے تو اب آپ کا کام بھی پورا ہو چکا

ربیع الاول سنہ ۱۱ھ
جون سنہ ۶۳۲ء

سنہ ۱۱ ہجری ماہ صفر کے آخری ایام میں آپ بیمار ہوئے۔ بیماری کی حالت میں مسجد میں آتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے جب ضعف [illegible] ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ کو امام مقرر کیا۔ دوشنبہ کے دن یکم یا دو ربیع الاول کو وفات پائی اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

۱۔ عرب، حجاز، مکہ کعبہ

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (آل عمران)

پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے مقرر کیا گیا۔ یقیناً وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت دیا گیا اور سب قوموں کیلئے ہدایت

حدود و وسعت عرب

وہ ملک جس میں دنیا کے آخری پیغمبر اور مذہبی رہبر حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ عرب یا جزیرۃ العرب کے نام سے مشہور ہے۔ اور تین براعظموں یعنی ایشیا۔ یورپ اور افریقہ میں یہ گویا مرکز کے طور پر ہے۔ اس کے تین طرف سمندر ہے یعنی مشرق میں خلیج فارس جنوب میں بحر ہند مغرب میں بحر احمر۔ طول قریباً چودہ سو میل اور عرض مختلف جنوب میں زیادہ اور شمال میں کم ہوتا چلا گیا ہے۔ بارہ لاکھ مربع میل میں سے اڑھائی لاکھ مربع میل جنوب کی طرف خالص ریگستان ہے باقی بھی اکثر ریتلا یا خشک پہاڑیاں ہیں۔ مغرب کی طرف بحیرہ قلزم کے ساتھ ملتا ہوا ایک سلسلۂ کوہستان ہے جو مشرق کو تدریجاً بلند ہوتا چلا گیا ہے اور چھ ساڑھے چھ ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچکر مشرقی طرف کو ایک میدان مرتفع کی صورت میں چلا گیا ہے۔

عرب کے بڑے بڑے حصّے

عرب کا ملک ایران سے ملتا ہوا حصہ جو عراق عرب کے نام سے مشہور ہے اور جس میں بصرہ اور کوفہ کے مشہور اسلامی شہر واقع ہیں۔ اور شام سے ملتا ہوا حصہ جو عرب شام کہلاتا ہے اور حلب تک چلا گیا ہے۔ موجودہ تقسیم ملکی میں عرب سے الگ نظر آتے ہیں۔ دوسرے بڑے بڑے حصّے حسب ذیل ہیں۔ جنوب مغرب میں یمن جو پہاڑی نالوں وغیرہ کی وجہ سے سرسبز ہے۔ احقاف اسی کا حصّہ ہے۔

جہاں کبھی عاد کی زبردست قوم آباد تھی جس کی تباہی کا ذکر قرآن شریف میں آتا ہے۔ نجد جو سطح سمندر سے تین چار ہزار فٹ بلند سرسبز میدان ملک عرب کے وسط میں واقع ہے (یمامہ اس کے جنوب میں ہے) مشرق میں عمان جس کا پایہ تخت مسقط ہے۔ اور اس کے شمال میں خلیج فارس سے ملتا ہوا البحرین کا علاقہ ہے ؎

حجاز

مغرب میں بحیرہ احمر کے ساتھ ملتا ہوا مستطیل کی صورت میں حجاز کا مشہور پہاڑی علاقہ ہے جس میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ واقع ہیں۔ اور جو مشرق کی طرف کوہستان کی چوٹیوں تک پہنچ کر نجد سے مل گیا ہے۔ اس میں دو بڑے بندرگاہ واقع ہیں یعنی جدہ جہاں سے مکہ معظمہ کو جاتے ہیں اور ینبوع جہاں سے مدینہ منورہ کو جاتے ہیں۔ توریت میں اس علاقہ کو فاران کے نام سے پکارا گیا ہے ؎

چند مشہور مقام

دوسرے قابل ذکر مقامات میں سے حجر کا پہاڑی علاقہ ہے جہاں کسی زمانہ میں قوم ثمود آباد تھی۔ یہ مدینہ کے شمال میں ہے۔ تبوک کی مشہور مہم پر تشریف لے جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اس مقام سے ہوا۔ اب تبوک اور حجر دونوں حجاز ریلوے پر سٹیشن ہیں۔ حجر کے مغرب میں مدین ہے جو حضرت شعیب کا مقام ہے اور جہاں حضرت موسیٰ ہجرت کر کے تشریف لے گئے۔ اس کے شمال میں قدرے مغرب کی طرف سینا پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ پر نزول وحی ہوا۔ مدینہ منورہ کے شمال میں ایک مشہور مقام خیبر ہے جو عرب کے یہود کا مرکز تھا۔ نجران جہاں کا عیسائی وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا یمن کا حصہ ہے ؎

طائف

حجاز کے تین بڑے شہر مکہ۔ مدینہ اور طائف ہیں۔ طائف کی شہرت اس لئے ہے کہ وہ دامن کوہ میں ایک سرسبز اور ٹھنڈی جگہ ہے جہاں پانی کے چشموں اور پھلوں کی کثرت ہے۔ یہ مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف قدرے جنوب کو واقع ہے۔ امرائے حجاز عموماً گرمیاں طائف میں بسر کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت سے پیشتر یہاں وعظ و نصیحت کے لئے تشریف لے گئے تھے ؎

مدینہ

مدینہ منورہ کا پرانا نام یثرب ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے یہاں تشریف لے گئے تو اس کا نام مدینۃ النبی یا مدینہ ہو گیا۔ بعض قرائن تاریخی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر قبل مسیح سولہ سو سال سے پہلے کا بنا ہوا ہے اور اول اس میں عمالیق آباد ہوئے ان کے بعد اوس اور خزرج جو ایک ہی قحطانی قبیلہ کی دو شاخیں تھیں اور یہودی یہاں آباد ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت پر تیرہ سال گزرنے کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے یہاں آ گئے۔ اور آپ کی زندگی کے آخری دس سال یہیں گذرے۔ یہیں آپ نے وفات پائی اور اسی جگہ آپ کا روضہ

مبارک ہے۔ یہی اسلام کا سب سے پہلا دار الخلافہ بنا۔ مدینہ مکہ سے ۲۷۰ میل شمال کی جانب واقع ہے۔ اور مکہ کی طرح بالکل خشک نہیں۔ یہاں زراعت بھی ہوتی ہے۔ اور میوہ دار درخت بھی بہت ہیں۔ موسم سرما میں مکّہ معظمہ کی نسبت سردی بھی زیادہ ہوتی ہے۔

مکّہ معظمہ حجاز کا دار الخلافہ ہے۔ یہ ایک بے آب وگیاہ وادی میں واقع ہے۔ اور اس کے چاروں طرف خشک پہاڑیاں ہیں۔ اگر ملک عرب اپنے اندر فاتحین کے لئے کوئی خاص کشش نہیں رکھتا تو اس ملک میں شہر مکّہ خصوصیت سے تمام ظاہری کشش کے سامانوں سے خالی ہے۔ اس کی موجودہ آبادی کوئی پچاس ہزار کے قریب ہے۔ اس کے تین نام مکّہ۔ اُمّ القریٰ اور البلد قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اُمّ القریٰ یعنی بستیوں کی ماں اسے اس لحاظ سے کہا جاتا تھا کہ روحانی اور مذہبی رنگ میں یہ قدیم زمانہ سے کل ملک عرب کا مرجع چلا آتا ہے۔ جس کی وجہ اس میں خانہ کعبہ اور ارض حرم کا وقوع ہے اس کی آبادی کی ابتدا حضرت اسمٰعیل کے زمانہ سے ہے۔ لیکن اس سے بھی پیشتر یہ یمن اور شام کے درمیان سفر کرنے والے قافلوں کے لئے ٹھیرنے کی جگہ تھی۔ اسی شہر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

ارض حرم

مکہ کی خاص شہرت اور عزت اس میں ارض حرم اور خانہ کعبہ کی وجہ سے ہے۔ ارض حرم وہ پاک زمین ہے جو مکہ اور اس کے اردگرد کئی میلوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اسی میں منٰی اور عرفات کے مشہور مقام واقع ہیں۔ اس پاک سرزمین کے اندر لڑائی ممنوع ہے۔ کتنی خطرناک لڑائی دو قوموں کے درمیان ہو رہی ہو ان پاک حدود کے اندر وہ رک جاتی تھی۔ اور خطرناک سے خطرناک دشمن پر اس مقدس سرزمین میں تلوار نہ اٹھائی جاتی تھی۔ یہ تمام ملک عرب کے اندر ہی نہیں تمام دنیا میں ایک ہی مقام امن رہا ہے جہاں قومیں اور فرد خود بخود لڑائی سے رُک جاتے ہوں کسی عہدنامہ کے ذریعہ سے یہ مقصد حاصل نہ ہو سکتا تھا کیونکہ لڑائی کے جوش میں عہدنامے رکھے رہ جاتے ہیں۔ یہ خدائی طاقت کا جلوہ تھا کہ عرب جیسے ملک کی خطرناک جنگجو قوموں کو اس پاک زمین کے ادب کے لئے اس طرح روک رکھا تھا یہ ایک نشان تھا کہ اس مقدس پرامن زمین سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے بندوں کے اتحاد کا وہ پیغام بلند ہوگا جو دنیا میں حقیقی امن قائم کرنے کا موجب ہوگا۔

کعبہ

اس زمین کی یہ حرمت خانہ کعبہ کی وجہ سے ہے جو دنیا میں خدائے واحد کی عبادت کا سب سے پہلا گھر ہے۔ قرآن کریم نے اسے صاف الفاظ میں اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ قرار دیا ہے یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے مقرر کیا گیا اور اس کا نام بیت العتیق بھی رکھا ہے۔ یعنی قدیم اور

آزاد گھر اور البیت المحرم بھی اس کا نام ہے یعنی عزت والا گھر اور اس کا نام بیت اللہ یا البیت بھی ہے۔ یہ غلط ہے کہ اسے سب سے پہلے حضرت ابراہیم نے بنایا۔ بلکہ جب حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو یہاں چھوڑا تو اس وقت بھی یہ گھر موجود تھا[1] ہاں اس وقت یہ شکستہ ہو چکا تھا حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل نے اسے دوبارہ بنایا اور تیسری مرتبہ آنحضرت صلعم کی بعثت سے کچھ پہلے قریش نے اسے از سر نو تعمیر کیا۔ جب حجر اسود خود سرور عالم کے ہاتھ سے نصب کرایا گیا۔ نہ صرف روایات اور قرآن کریم سے ہی خانہ کعبہ کی قدامت ثابت ہوتی ہے بلکہ تاریخ بھی اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہے۔ چنانچہ سر ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں اس کا ذکر ذیل کے الفاظ میں کیا ہے ؛

"مکہ کے مذہب کی نمایاں خصوصیات کی ابتدا کے لئے ایک نہایت ہی قدیم زمانہ تجویز کرنا پڑتا ہے ڈائیڈورس سکولس سنہ عیسوی سے نصف صدی پیشتر لکھتا ہوا عرب کا ذکر کرتے ہوئے جو بحیرہ احمر پر واقع ہے لکھتا ہے کہ اس ملک میں ایک معبد ہے جس کی عرب لوگ بہت ہی عزت کرتے ہیں۔ ان الفاظ میں یقیناً خانہ کعبہ کا جو مکہ میں ہے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اور کسی معبد کا عرب میں نام بھی نہیں جس کی عزت عرب میں عام طور پر ہوتی ہو۔ زبانی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم ترین زمانہ سے خانہ کعبہ کا حج عرب کے ہر گوشہ کے لوگ کرتے رہے ہیں۔ یمن اور حضرموت سے خلیج فارس کے کنارہ سے شام کے صحرا سے حیرہ اور عراق عرب سے لوگ ہر سال مکہ میں جمع ہوتے ہوئے پائے جاتے ہیں[2]۔ اس قدر عام طور پر سارے ملک کے اندر اس عزت کا حاصل ہونا یقیناً ایک ایسے قدیم زمانہ سے ہونا چاہئے جس کے پرے کوئی اور قدیم زمانہ تجویز نہیں ہو سکتا۔"

---

[1] ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم (ابراہیم - ۳۷) اے ہمارے رب میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے اس عزت والے گھر کے پاس بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں ؛ [2] اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم ایام سے عراق عرب اور عرب شام ملک عرب کے ہی حصے رہے ہیں ؛
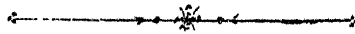
۲۔ آفتابِ رسالت کے طلوع سے پہلے کا زمانہ

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم۔۴۱)

برّ و بحر میں فساد ظاہر ہو گیا۔

توحید گم ہو چکی تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے تمام دنیا پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ نہ صرف دنیا کی علمی اور اخلاقی ترقی رک چکی تھی بلکہ ان دونوں کے لحاظ سے سارا عالم اسفل سافلین کی حالت تک پہنچا ہوا تھا۔ وہ چراغ جو مختلف ملکوں اور قوموں میں خدا کے فرستادوں نے اپنے اپنے وقت پر جلائے تھے سب کے سب بجھ چکے تھے اور کسی میں وہ نور باقی نہ رہا تھا جو مخلوق کے لئے موجب ہدایت ہوتا۔ ساری دنیا میں کوئی ملک یا مذہب ایسا نہ تھا جس میں توحید خالص کا عقیدہ باقی رہ گیا ہو۔ ہندو مذہب میں تینتیس کروڑ دیوتا بن چکے تھے۔ بدھ مذہب میں خدا کی ہستی کا ہی انکار ہو گیا تھا۔ زرتشت کے مذہب میں دو خداؤں کی حکومت تھی۔ عیسائیت خدائے واحد کے عقیدہ کو کھو کر تثلیث کے کامل تصرف میں تھی۔ یہودی مذہب جس نے اپنی ساری عملی کمزوریوں کے ساتھ توحید کے عقیدہ کو ایک مدت تک قائم رکھا تھا۔ عیسائیت کے قدم بقدم چل کر اب عزیر کو ابن اللہ کے مرتبہ تک پہنچانے لگا۔ باقی دنیا پر بھی بت پرستی تو ہم پرستی بلکہ ہر ایک من دون اللہ کی پرستش کا دور دورہ تھا خواہ پتھر ہو یا درخت یا جانور۔ زمین کا کوئی انسان ہو یا آسمان کا کوئی ستارہ۔ توحید کو دنیا بکلی کھو چکی تھی اور اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں دوبارہ توحید کی روشنی نہ لاتے تو دنیا ہمیشہ کے لئے اس اصول سے جو تمام نیکیوں کی جڑ ہے محروم رہ جاتی۔ اسی طرح پر وحدت قومی کا اصول بھی دنیا گم کر چکی تھی اور تمام ملکوں میں باہم فساد اور جنگ و جدل سے قومیں اپنے آپ کو کمزور کر رہی تھیں اور اس سے بلند تر اصول یعنی وحدت نسل انسانی کی طرف تو ابھی دنیا نے قدم ہی نہ اٹھایا تھا۔

ہندوستان کی حالت

علمی اور اخلاقی رنگ میں اگر دنیا کے مختلف ممالک کی حالت دیکھی جائے تو چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔ ہندوستان جو قدیم تہذیب کا گہوارہ تھا اس کی حالت اس درجہ گر چکی تھی کہ علوم مٹ چکے تھے۔ آزادی رائے کی جڑ کٹ چکی تھی۔ انسانوں کے فرزندوں سے وحشیوں سے بدتر سلوک ہوتا تھا۔ ذات پات کی تمیز نے انسان کے مرتبہ کو حد سے نیچے گرا دیا تھا۔ آج اسی

کا بقایا اچھوت اقوام کی حالت میں نظر آتا ہے۔ اخلاقی حالت یہاں تک گر چکی تھی کہ ہر قسم کے افعال شنیعہ جھوٹ زنا وغیرہ رشیوں اور بزرگوں بلکہ دیوتاؤں کی طرف منسوب ہونے لگے اور کتب مقدسہ میں تحریف ہو کر یہ ناپاک قصے ان میں بھی داخل ہو گئے۔ ایسی حالت میں نیکی کے لئے کوئی تحریص باقی نہ رہ گئی تھی۔ شاکت مت جیسے فرقے پیدا ہو گئے جن میں ماں بہن تک کی حرمت باقی نہ رہی چہ جائیکہ زنا کو کوئی عیب خیال کیا جاتا بلکہ نیوگ کے رنگ میں اسے شریعت کے اندر داخل کیا گیا۔ مرد اور عورت کے وہ مخصوص مقامات جنہیں وحشی سے وحشی قومیں پردہ میں رکھتی ہیں ان کی ننگی تصویریں مندروں میں رکھی جاتیں جہاں مرد اور عورتیں انہیں دیکھتے بلکہ ان کی عبادت کرتے۔ اعتقادات کے لحاظ سے یہ حالت تھی کہ روئے زمین کی ذلیل سے ذلیل چیز انسان کا معبود سمجھی جاتی تھی جس کے سامنے انسان جھکتا اور اس سے دعائیں کرتا اور اسے اپنے سے بڑھ کر طاقتوں کا مالک مانتا تھا۔ بھلا ایسی حالت میں علمی تحقیقات اور ترقی کا وجود کیونکر باقی رہ سکتا تھا علمی ترقی صرف اس حالت میں ہو سکتی ہے جب انسان کو اپنے بلند مرتبہ کا احساس ہو اور وہ اپنے اندر یہ قوت محسوس کرے کہ وہ روئے زمین کی تمام طاقتوں پر غالب آسکتا اور انہیں اپنے کام میں لگا سکتا ہے[1]۔

ایران کی حالت

چین اور ایران کی حالت اس سے بہتر نہ تھی۔ وہاں بھی کبھی خدا کا نور روشن ہوا تھا اور مخلوق کو اپنے مولیٰ سے ملنے اور نیکی اور اخلاق کا سبق دیا گیا تھا مگر مرور زمانہ سے حالت بدل چکی تھی۔ ایران میں مزدک کی تعلیم کا زور تھا جس نے عورتوں کو جائداد مشترکہ قرار دیکر بدکاری کا دروازہ چوپٹ کھول دیا تھا۔ پھر جہاں بدی کا خالق الگ مانا جاتا ہو وہاں بدی ترقی کیوں نہ کرے۔

یورپ اور عیسائیت کی حالت

یورپ کی اس زمانہ کی حالت تو ناگفتہ بہ ہے۔ اس کا اکثر حصہ وحشیانہ پن کی حالت میں تھا اور عیسائیت نے صدیوں تک کسی قسم کی اخلاقی یا علمی ترقی کی طرف ان قوموں کا قدم نہ بڑھایا ہاں ایک رومن امپائر میں کچھ تہذیب کی روشنی تھی مگر وہ بھی آہستہ آہستہ زوال پذیر ہوتی چلی گئی تین سو سال سے یہ سلطنت کامل طور پر عیسائیت کے اثر کے نیچے آچکی تھی مگر اخلاقی اور علمی لحاظ سے اپنے پہلے مقام سے گرتی چلی گئی۔ آزادی رائے کا حق روز بروز کم ہوتا چلا گیا اور علم صرف حضرت

---

[1] یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے صرف انسان کو مسجود ملائکہ قرار دیکر مخلوق الٰہی میں اسے بلند ترین مقام دیا بلکہ صاف الفاظ میں یہ بھی بتا دیا کہ جو کچھ تم کو زمین اور آسمان کے اندر نظر آتا ہے یہ سب تمہاری خدمتگزاری کے لئے پیدا کیا گیا ہے دنیا کی کوئی طاقت تم پر حکمران نہیں بلکہ تمام ان طاقتوں کو اپنا محکوم بنا سکتے ہو۔ وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منه (الجاثیه ۔ ۱۳)

عیسیٰ کی الوہیت اور بشریت کے تعلقات کے جھگڑوں تک محدود ہو گیا۔ کہلانے کو تو وہ کتابیں کہلاتی تھیں مگر ان کا نہ ہونا ان کے ہونے سے بہتر ہوتا۔ ان جھگڑوں نے نہ صرف انسانوں کے تعلقات محبت کو برباد کیا بلکہ قوائے انسانی کو ایک ایسی ذلیل حالت تک پہنچا دیا کہ ان میں نشوونما کی قوت بالکل دب گئی۔ رہبانیت نے مذہبی رہنماؤں کے اندر ایسی برائیاں پیدا کر دیں کہ عام لوگوں کو بری سے بچانے کی بجائے وہ بدی میں گرانے کے محرک ہو گئے۔ ظاہر طور پر تجرد کی حالت میں رہتے مگر اندرونی طور پر سیاہ ترین بدکاریوں کا ارتکاب کرتے۔ ایک عیسائی نے اس حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ کنواریاں پادریوں کے پاس اقرار گناہ کے لئے جاتیں مگر کنواریاں واپس نہ آتیں۔ انسانیت کمال درجہ کی ذلت کو پہنچ چکی تھی۔ ایک بشپ اس زمانہ کی عیسائیت کے متعلق لکھتا ہے کہ اندرونی فسادوں کے سبب سے آسمانی سلطنت پوری اتری بلکہ عین دوزخ کا نمونہ بن رہی تھی۔ سر ولیم میور لکھتا ہے۔ ساتویں صدی کی عیسائیت تو گری ہوئی اور بگڑی ہوئی تھی۔ اس کو باہم لڑنے جھگڑنے والے فرقوں نے نکما کر رکھا تھا اور ابتدائی زمانہ کے پاک اور فراخ ایمان کی جگہ توہم پرستی کی بیہودگیوں نے لے لی تھی؛

عرب کی اس حالت کا نام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے تھی قرآن کریم نے زمانہ جاہلیت رکھا ہے۔ اور فی الحقیقت جب ان ملکوں پر بھی جو اس سے پہلے تہذیب اور علم کے مرکز رہ چکے تھے جہالت کی تاریکی چھا گئی تھی تو عرب جو تمام دنیا سے منقطع الگ کا الگ پڑا تھا اور جہاں اگر کوئی نبی آئے بھی تو کناروں کی طرف آئے اس کی حالت کا قیاس کر لینا آسان ہے۔ صحیح اصول علم۔ اخلاق سب مر چکے تھے۔ برائیوں پر فخر کیا جاتا تھا اور علی الاعلان ان کا ذکر مجالس میں ہوتا تھا۔ ایک عیسائی مسلمانوں کو اس زمانہ کا نام ایام جاہلیت رکھنے پر غلط بیانی کا ملزم ٹھہراتا ہے اور کہتا ہے کہ عربوں کو فن تحریر کا علم حاصل تھا اور فن شاعری اپنے اوج پر تھا۔ اور کہ اسلام سے پہلے کے اشعار اعلیٰ درجہ کی قابلیت اور کمال شاعری ظاہر کرتے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ گو فن تحریر سے عرب ناواقف نہ تھے پھر بھی تحریر کا رواج ان کے اندر شاذونادر تھا حتیٰ کہ ان کے اشعار تک لکھے نہ جاتے تھے۔ اور جاہلیت کے کل اشعار سوائے معلقات کے جن کو لکھ کر خانہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا زبانی روایت سے ہی چلے آتے تھے۔ رہے اشعار۔ سو شعر گوئی کو کبھی کسی نے معیار تہذیب قرار نہیں دیا۔ بلکہ ہر سوسائٹی کی ابتدائی حالت میں شعر کے ساتھ لوگوں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس وقت دلچسپی کے وہ دوسرے

سامان موجود نہیں ہوتے جو تمدن و تہذیب سے پیدا ہوتے ہیں اشعار میں زبان کی خوبصورتی ہر زمانہ میں مل سکتی ہے مگر خیالات کی وسعت تہذیب سے پیدا ہوتی ہے۔ اور عرب کے اشعار خیالات کی وسعت کے زیور سے معرّا ہیں ÷

عرب کے اوصاف حمیدہ

اس میں بھی شک نہیں کہ عربوں میں بعض اوصاف حمیدہ بھی تھے۔ مہمان نوازی آزادی کی محبت۔ دلیری اور جوانمردی۔ قومی وفاداری۔ فیاضی وغیرہ کئی اوصاف میں وہ اس وقت اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ مگر چند اچھے اوصاف کا کسی قوم کے اندر پایا جانا جب کہ اس کے مقابلہ پر جاہلیت اور وحشیانہ حالت کمال کو پہنچی ہوئی ہو تہذیب نہیں کہلاتا۔ اگر کسی غریب مسافر کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی مہمان نوازی کا سلوک ہوتا تھا۔ تو دوسری طرف راہ چلتوں کو لوٹ لینا بھی ان کا عام شیوہ تھا۔ قومی وفاداری بیشک ان میں ایک بڑی خوبی تھی مگر اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر جہاں کسی قوم کے ایک فرد سے دوسری قوم کے کسی فرد کو کچھ خفیف سا نقصان پہنچ جاتا۔ یا وہ کسی معاملہ کو اپنی ہتک سمجھ لیتا۔ تو ایسی ایسی خونریز لڑائیاں چھڑ جاتیں جو قوموں کی قوموں کو نیست و نابود کر دیتیں اور قومی کینہ بیس بیس پچاس پچاس سال تک نہ جاتا۔ نیک اوصاف اس خطرناک اندھیری رات میں جو اسلام سے پہلے ملک پر چھائی ہوئی تھی کسی اس دھندلے سے ستارہ کی روشنی کی طرح تھے جو بادل پھٹ کر کہیں سے نظر آجاتا اور پھر آن کی آن میں غائب ہو جاتا ہے ÷

عرب کی مذہبی حالت

عرب کی اصل حالت کیا تھی۔ اوّل مذہب کو لو۔ وہ ایک اللہ کو ضرور مانتے تھے۔ مگر نہ عملی رنگ میں۔ خدا کی پرستش کی جگہ وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کی انجام دہی مختلف بتوں اور دیویوں دیوتاؤں کے سپرد کر رکھی ہے۔ اس لئے وہ ہر بات میں انہی بتوں اور دیوتاؤں کی طرف رجوع کرتے تھے۔ بس ان کا ایک خدا کی ہستی کا عقیدہ عام طور پر بالکل بے معنی اور بیجان عقیدہ تھا۔ پھر وہ نہ صرف بتوں کی پرستش کرتے تھے بلکہ ہوا سورج چاند اور ستاروں وغیرہ کی پرستش بھی ان میں ہوتی تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ پتھروں درختوں ٹھیروں کی پرستش بھی کی جاتی تھی۔ جہاں کہیں ان کو اچھا اور خوبصورت سا پتھر نظر آجاتا اس کو سجدہ کرتے اور اگر پتھر نہ ملتا تو ریت کے ایک ڈھیر پر اونٹنی کا دودھ دوہ کر اس کی پرستش کرتے۔ فرشتوں کو وہ دیویاں سمجھ کر ان کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ بڑے بڑے نامور اشخاص کے نام پر بت تراش کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ اور صرف گھڑے ہوئے پتھروں ہی کی نہیں بلکہ بن گھڑے پتھروں کی بھی پوجا کرتے تھے۔ جب سفر پر جاتے تو چار پتھر ساتھ لے جاتے کیونکہ ریگستانی علاقہ میں سیکڑوں میلوں تک

پتھر بھی نہ مل سکتا تھا۔ ان چار پتھروں میں سے تین چولھے کا کام دیتے اور چوتھا پوجا پاٹ کے کام آتا۔ بعض وقت تین ہی پتھر ساتھ رکھ لیتے اور روٹی پکا کر جب چولھا فارغ ہوتا تو اسی کے پتھروں میں سے ایک کو اُٹھا کر اس کی پوجا کر لیتے۔ خانہ کعبہ کے تین سو ساٹھ بتوں کے علاوہ قبیلے اپنے بت الگ بھی رکھتے تھے بلکہ ہر گھر میں الگ الگ بُت رہتا تھا۔ جہاں دودھ وغیرہ اشیا کے چڑھاوے چڑھتے تھے۔ اور وہاں پروہت کوئی نہ ہونے کی وجہ سے ان چیزوں کو کُتّے کھا جاتے تھے۔ غرض بُت پرستی ان لوگوں کے خون کے اندر ایسی رچی ہوئی تھی کہ ان کی روزمرّہ زندگی کے تمام کاروبار پر اس کا اثر تھا۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کاروبار عالم کو اور اپنی قدرتوں کو جیسے بیمار کو شفا دینا۔ اولاد دینا۔ قحط و وبا وغیرہ کا دُور کرنا دوسروں کے سپرد کر رکھا ہے۔ اور یہ بھی کہ بتوں کی پرستش سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ وہ بتوں کو سجدہ بھی کرتے تھے ان کے گرد طواف بھی کرتے تھے۔ ان پر قربانیاں کرتے تھے کھیتوں کی پیداوار میں سے اور مویشیوں کی نسل میں سے ان کے لئے نذریں مانتے اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ اس ذلیل کن بت پرستی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیس سال کے عرصہ میں سارے ملک عرب کو آزاد کر دیا اور نہ صرف ہمیشہ کے لئے بت پرستی ملک عرب سے رخصت ہوئی بلکہ توحید کی ایک ایسی آگ ان کے سینوں کے اندر لگا دی کہ وہ چاروں طرف دنیا میں پھیل گئے اور خدا کے نام کو ہر طرف بلند کیا۔ بت پرست بت شکن بن گئے۔ بارہ لاکھ مربع میل میں سے ایسی گہری اور دیرینہ بت پرستی کو بیس سال کے عرصہ میں ایسا نکالنا کہ پھر اس کا نام تک وہاں نہ آئے۔ انسان کی طاقت میں نہ تھا۔

گو بت پرستی ان کا عام شیوہ تھا مگر ان میں بعض لوگ ستاروں کی پرستش بھی کرتے تھے اور اسی وجہ سے عرب میں یہ بھی عام عقیدہ ہو گیا تھا کہ ستاروں کی گردش کا اثر انسانوں کی قسمت پر پڑتا ہے۔ مینہ برسنا وغیرہ یہ تمام باتیں جو انسان کی بُرائی بھلائی سے تعلق رکھتی ہیں ان کو وہ ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ان میں لامذہب اور دہریہ لوگ بھی تھے۔ جہاں ایک طرف ذلیل ترین بت پرستی نے عام طور پر لوگوں کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ وہاں دوسری طرف ان میں بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی ہستی روح کی بقا جزا و سزا کے منکر بھی تھے۔ اور مذہب کی کچھ بھی حیثیت نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ خود بت پرست بعض وقت بتوں کے ساتھ استہزا کر لیتے تھے۔ چنانچہ مشہور شاعر امرءُ القیس کا قصہ لکھا ہے کہ جب اس کا باپ مارا گیا تو اس نے عربوں کے دستور کے مطابق بت کے سامنے جا کر فال نکالی کہ وہ اپنے باپ کے خون کا قصاص لے یا نہیں۔ فال نکالنے کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی کوئی بڑا کام

کرنا ہوتا تھا۔ تو تین تیر لئے جاتے تھے جن میں سے ایک پر لا لکھا ہوا ہوتا تھا یعنی نہیں دوسرے پر نعم یعنی ہاں تیسرا خالی ہوتا تھا۔ اگر لا والا تیر نکلتا تو وہ کام نہ کیا جاتا نعم والا نکلتا تو کر لیا جاتا۔ خالی نکلتا تو پھر فال نکالی جاتی۔ جب امرءالقیس نے فال نکالی تو تین مرتبہ ہی لا والا تیر نکلا تب اس نے جھنجھلا کر تیر کو پھینک دیا اور بت کو مخاطب کر کے کہا کہ کمبخت اگر تیرا باپ مارا جاتا تو پھر تو قصاص کے لئے لا کا حکم نہ دیتا۔ ایک موقعہ پر یمن کے ایک بادشاہ نے عیسائی پادریوں کے عقیدہ کفارہ مسیح کو مخول میں اڑا کر ان کو شرمندہ کیا۔ چند پادری صاحبان بادشاہ کے دربار میں کفارہ کا عقیدہ بیان کر رہے تھے یعنی یہ کہ کیونکر مسیح جو خدا اور خدا کا بیٹا تھا صلیب کی لعنتی موت قبول کر کے انسانوں کے گناہوں کو لے گیا۔ کہ اتنے میں وزیر نے آہستہ سے بادشاہ کے کان میں کچھ بات کہی جس کو سن کر بادشاہ کی صورت پر بہت غم اور اداسی کی حالت چھا گئی۔ پادریوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ حضور نے کیا غم کی خبر سنی ہے جو اس قدر ملال کے آثار آپ کے چہرہ پر نمودار ہو گئے۔ تو بادشاہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا کہ مجھے ابھی خبر ملی ہے کہ میکائیل فرشتہ مر گیا۔ تب پادری صاحبان اپنی عقلمندی کا ثبوت دینے کے لئے فوراً بولے کہ حضور یہ خبر قابل اعتبار نہیں۔ آپ اس پر غمگین نہ ہوں۔ کیونکہ فرشتے انسانوں کی طرح فانی نہیں ہوتے۔ بادشاہ نے فوراً جواب دیا کہ تم تو ابھی مجھے کہہ رہے تھے کہ خدا مر گیا اگر فرشتہ نہیں مر سکتا تو خدا کس طرح مر سکتا ہے۔ پادری صاحبان کی منطق ختم ہو گئی اور شرمندہ ہو کر خاموش ہو رہے ۔

عرب اور تمدن

اگر مذہب میں اہل عرب کی یہ حالت تھی۔ اور نہایت ذلیل بت پرستی نے ان کو انسانیت کے مرتبہ سے گرا رکھا تھا تو باقی امور میں بھی ان کی حالت جاہلیت کے مرتبہ سے اوپر نہ تھی۔ تہذیب کا سب سے نمایاں اثر تمدن پر ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو تمدن کے وہ ابتدائی اصولوں تک سے ناواقف تھے۔ اور تمدن ان میں پیدا کیونکر ہو سکتا جہاں شب و روز ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے اور ایک لحہ کے لئے بھی یہ اطمینان نہ تھا کہ فلاں قوم سے فلاں وقت جنگ نہ چھڑ جائے گی۔ اول تو عرب کے لوگ اکثر بدوی تھے جو خانہ بدوشی کی حالت میں رہتے۔ جہاں مویشیوں کے لئے سبزی اور چارہ دیکھا۔ وہیں اونٹ کے چمڑے کا خیمہ لگایا اور کچھ دن بسر کر لئے وہاں سے چارہ ختم ہوا دوسری جگہ جا ڈیرا لگایا بہت تھوڑے لوگ دیہات کی صورت میں اور اس سے بھی تھوڑے شہروں میں آباد تھے۔ ایسی آبادی کے اندر تمدن کس طرح پیدا ہوتا پھر یہ نقص تھا کہ اتفاق کا نام تک نہیں۔ سارے ملک میں ایک حکومت تو ایک طرف رہی صوبوں کے اندر بھی جو حکومتیں تھیں وہاں بھی کوئی انتظام حق رسی کا نہ تھا۔ اپنا حق دوسرے سے

لینے کے لئے صرف ان کی قوت بازو کام آتی تھی۔ ہر ایک قوم یا قبیلہ کا الگ سردار تھا جو ان کو وقت پر کسی دوسری قوم یا قبیلہ سے حق لینے کے لئے لڑائی کے لئے لے جاتا۔ قوم میں افراد اور ملک میں قومیں عموماً کسی قانون کے جوئے کے نیچے اپنی گردن کو نہ سمجھتی تھیں۔ ایک متعصب عیسائی آنحضرت صلعم کی زندگی کے واقعات لکھتا ہوا صاف الفاظ میں اس کا اعتراف کرتا ہے۔

"سب سے پہلی خصوصیت جو ہماری توجہ کو کھینچتی ہے وہ عربوں کا بیشمار جتھوں میں تقسیم ہونا ہے۔ جو ایک ہی زبان کے بولنے والے اور اپنے حالات اور اطوار میں قریباً یکساں ہیں مگر ہر ایک بجائے خود خود مختار ہے۔ کبھی اپنی حالت پر قانع نہیں اور اکثر ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں مشغول ہیں۔ بلکہ جہاں رشتہ داری کی وجہ سے یا کسی فائدہ کی غرض سے ایک قوم کے دوسری کے ساتھ تعلقات بھی پیدا ہوئے ہیں وہاں بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تعلقات کے قطع کرنے اور جنگ کرنے کے لئے ہر وقت تیار بیٹھے ہیں۔ یہی حالت اسلام کے زمانہ تک چلی آئی ہے کہ کبھی کوئی سی دو قوموں میں اتفاق ہوا بھی ہے تو چند دنوں میں ہی وہ خطرناک جنگ میں مبتلا ہو گئی ہیں اور تمام کوششیں جو اسلام سے پہلے انکے ایک کرنے کیلئے کی گئیں وہ بے سود اور ناکام ثابت ہوئیں۔"

قرآن شریف نے چھ لفظوں میں کیسا نقشہ اس بربادی کا کھینچا ہے جسمیں ملک عرب پڑا ہوا تھا کُنتُم عَلیٰ شَفَا حُفرَۃٍ مِّنَ النَّارِ۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے گویا بھسم ہوا چاہتے تھے۔ جنگ شروع ہو جاتی تو پچاس پچاس سال تک چلی جاتی۔ اور ایک نسل تباہ ہو جاتی تو دوسری نسل انتقام کا جوش اپنے خون میں لئے ہوئے اُٹھتی۔ اور ایک ذرا کا کلمہ گھوڑ دوڑ میں ذرا سی شرارت ہزاروں انسانوں کی خونریزی کا باعث بن جاتی۔ اور پھر ان جنگوں میں جو کامل طور پر مغلوب ہو جاتے یا گرفتار ہو جاتے وہ فاتح قوم کے لونڈی غلام بن جاتے۔ پھر اس انسان کے احسان کو دیکھو جس نے پانچویں حصہ صدی میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک سب قوموں کو ایک ایسی وحدت کی لڑی میں پرو دیا کہ جسطرح عرب کی باہم خونریزیوں اور جنگوں کی نظیر نہیں ملتی اس وحدت کی بھی نظیر نہیں ملتی۔

عرب کی معاشرت اور عورت سے سلوک

تمدن سے اُتر کر معاشرت کا پہلو قوم کی تہذیب یا جہالت کا فیصلہ کرتا ہے سو اس پہلو سے عرب کی زندگی اسی جاہلیت کے فتویٰ کے نیچے آتی ہے جسکے نیچے وہ اپنے مذہب اور تمدن کی رو سے ہے۔ ملک عرب میں عورتوں کی حالت یہاں تک ذلیل تھی کہ سوائے اس کے کہ اغراض شہوانی کیلئے کوئی اپنی محبوبہ کی تعریف میں شعر لکھ دے عملی رنگ میں ان کے ساتھ حیوانوں کا سا سلوک ہوتا تھا۔ ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونے کا رواج جو نہایت ادنےٰ اقوام میں پایا جاتا ہے ان میں موجود تھا۔ ایک مرد جس قدر عورتوں سے چاہتا شادی کر سکتا تھا اور اس کے علاوہ جیسا یورپ میں رواج ہے اپنے لئے محبوبہ بھی رکھ سکتا تھا۔ زناکاری یورپ کے اکثر بلاد کی طرح بطور پیشہ ان میں مروج تھی اور لونڈیوں سے یعنی دوسری قوموں کی گرفتار کردہ عورتوں سے جہاں اور ذلیل کام لیتے تھے وہاں ان سے زناکاری کرا کر اس حرامکاری کی کمائی کو اپنا جائز مال سمجھتے تھے۔ نیوگ کی رسم جو ہندوستان میں پائی

جاتی ہے اور جس پر اس تعلیم اور روشنی کے زمانہ میں بھی آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند جی نے بہت زور دیا ہے۔ وہ بھی ان میں مروّج تھی۔ اور اس کیلئے وہ لفظ اِستِبضَاع استعمال کرتے تھے جس کی تشریح میں اہل لغت لکھتے ہیں کہ عورت صرف خواہش اولاد کیلئے اپنے خاوند کے سوائے دوسرے سے تعلق چاہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ مرد خود اپنی عورت یا لونڈی کو کہہ دیتا تھا اَرسِلِی اِلٰی فُلاَنٍ فَاستَبضِعِی مِنہُ فلاں کو بلا بھیجو اور اس سے اولاد حاصل کرنے کیلئے تعلق پیدا کرو۔ پھر عورت محض ایک جائداد کے طور پر سمجھی جاتی تھی اور نہ صرف اس کا اپنے متوفی خاوند یا اور رشتہ داروں کی وراثت میں کوئی حصّہ تسلیم نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ وہ خود جائداد موروثہ کا ایک حصّہ قرار پا کر ورثہ میں چلی جاتی اور وارث چاہتا تو خود اس سے نکاح کر لیتا اور چاہتا تو کسی دوسرے سے کرا دیتا یہاں تک کہ باپ کی عورتوں کو بیٹے ورثہ کا حصّہ سمجھ کر ان کے ساتھ شادی کر لیتے۔ اور انہیں انکار کا حق نہ تھا۔ طلاق دینے کا طریق بھی نہایت ظالمانہ تھا۔ ایک مرد اگر چاہتا تو ہزار مرتبہ بھی اپنی بیوی کو طلاق دے کر پھر عدت کے اندر رجوع کر لیتا۔ بعض وقت یوں ہی قسم کھا لیتا کہ میں اس کے قریب نہیں جاؤں گا۔ اور وہ عورت نہ مُطلّقہ کے حکم میں ہوتی نہ منکوحہ کے۔ بعض وقت عورت کو ماں کہہ دیا جاتا اور اس طرح اسے مُعلّقہ کی حالت میں چھوڑ دیا جاتا۔ ان تمام طریقوں کے اختیار کرنے سے عورت ایک ایسی مظلومانہ حالت میں ہو جاتی جس سے نکلنے کے لئے اس کے پاس کوئی علاج نہ ہوتا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس بات کو اپنی غیرت کے خلاف سمجھتے تھے کہ ان کی بیوی طلاق لے کر دوسرے خاوند کے پاس جائے با ایں مرد و عورت کے تعلقات میں نہایت درجہ کا فحش بھی تھا۔ عشق و محبت اور ناجائز تعلقات کے نہایت گندے قصّے کھُلے اشعار میں فخریہ بیان کئے جاتے۔ بڑے بڑے مشہور قصائد میں جو اپنی فصاحت میں لاثانی سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے فحش اور ننگے الفاظ میں ان تعلقات کا ذکر ہے کہ جن کی برداشت زبان اور کان نہیں کر سکتے۔ پھر بلند خاندان کی خواتین سے تشبیب کرنا یعنی ان کو مخاطب کر کے عشقیہ اشعار میں ان کا ذکر کرنا ان میں عام رواج تھا۔ اور ان سب سے بڑھکر وحشیانہ پن میں انتہا کو پہنچا ہؤا طریق لڑکی کو زندہ درگور کرنے کا تھا پانچ چھ سال کی لڑکی کو باپ جنگل کی طرف ساتھ لیجاتا اور ایک گڑھے کے کنارہ پر جو اس غرض کے لئے پہلے سے کھودا ہؤا ہوتا تھا اسے کھڑا کر کے دھکا دیکر اس میں گرا دیتا اور چیختی چلاتی ہوئی لخت جگر پر مٹی ڈال کر اس سنگدلی کا ثبوت دیتا جس کے سامنے پتھر بھی شرمندہ ہوں جب ہمارے نبی کریم صلعم کے سامنے ایک ایسے قصّہ کا ذکر ایک صحابی نے کیا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے یہ اس درد کی وجہ سے تھا جو آپ کے دل میں نوع انسان کی بھلائی کے لئے تھا بعض وقت نکاح کے وقت یہ معاہدہ کر لیا جاتا تھا کہ جو لڑکی پیدا ہوگی اسے مارا جائیگا۔ اس صورت میں غریب

ماں سے اس وحشیانہ فعل کا ارتکاب کرایا جاتا تھا۔ اور اس صورت میں کنبہ کی سب عورتوں کو اکٹھا کرکے اُن کے سامنے اس ظلم کا ارتکاب ہوتا صرف اس ایک پہلو کو ہی لو تو کس قدر احسان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا نسل انسانی پر ہے کہ نہ صرف اس خونخوار وحشیانہ پن کا خاتمہ ہی ملک عرب میں ایک ہی آواز سے کر دیا بلکہ عورت کی عزت کو کمال تک پہنچا دیا۔

عرب میں شراب خوری

عامہ حالت اہل عرب پر اگر نظر کی جائے تو وہی جہالت کا نقشہ نظر آتا ہے قمار بازی ان کا فخر تھا جس طرح آج مہذب یورپ کا یہ فخر ہے۔ جو جوا نہ کھیلے اسے بخیل قرار دیا جاتا تھا۔ شراب خوری کی بلا اس قدر عام اور وسیع تھی کہ کوئی گھر اس سے خالی نہ تھا اور دن میں کئی کئی مرتبہ شراب نوشی کی جاتی تھی۔ ہر گھر میں شراب کے مٹکے رہتے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب قرآن شریف میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو مدینہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہتی تھی جیسے بارش کا پانی۔ یہاں بھی وہی طاقت کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے جو انسان کے ادراک سے بالاتر ہے کہ کس طرح صدیوں کی شراب نوشی کے عادی ایک آن کی آن میں ایسے تارک شراب ہوئے کہ پرانے شراب کے برتن تک بھی گھروں میں نہ رہے۔

توہم پرستی

کمال درجہ کی جہالت کی وجہ سے عرب طرح طرح کی توہم پرستیوں میں مبتلا تھے۔ دیوتاؤں اور خبیث ارواح کو مانتے تھے۔ تنہائی کے مقامات پر جنوں اور خبیث روحوں کی شکلیں ان کو نظر آتی تھیں۔ بعض بیماریوں کو بھی خبیث ارواح کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان سے بچنے کے لئے طرح طرح کے تعویذ اور ٹوٹکے اور منتر استعمال کرتے تھے۔ روح انسانی کو ایک چھوٹا سا جانور سمجھتے تھے جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت اس کے جسم میں گھس جاتا ہے اور پھر بڑھتا رہتا ہے۔ مرنے کے وقت یہی جسم سے نکل کر قبر کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے۔ امساک باراں میں مینہ برسنے کا یہ ٹوٹکا سمجھا جاتا تھا۔ کہ ایک گائے کی دم میں سوکھی ہوئی گھاس اور جھاڑیاں وغیرہ باندھ کر انہیں آگ لگا دیتے اور ایسی گائے کو پہاڑوں پر چھوڑ دیتے وہ سمجھتے تھے کہ جلتی ہوئی آگ بجلی کی چمک سے مشابہ ہے اور اس طرح پر پانی برسے گا۔ کوئی مصیبت آجائے تو گھر میں دروازہ کی راہ سے داخل نہ ہوتے تھے۔ بلکہ پچھواڑہ سے داخل ہوتے تھے۔ جانور کے اڑنے سے اچھا بُرا شگون لیتے تھے۔ بائیں طرف سے دائیں طرف کو جانور رستہ کاٹ جائے تو اسے اچھا شگون سمجھتے تھے اگر دائیں سے بائیں طرف کو کاٹ جائے تو اسے بدفالی جانتے تھے۔ جو لوگ حیات بعد موت کے قائل تھے ان میں سے کوئی مر جاتا تو اس کی قبر پر ایک اونٹ باندھ دیتے اور اس کو بھوکا

پیاسا رکھ کر مارتے کہ تا قیامت کے دن مردہ اسی پر سوار ہو یہ بھی ان کا عقیدہ تھا کہ مردہ کی روح قبر پر اُلّو کی شکل میں اُڑتی ہوئی پھرتی رہتی ہے اور اگر مردہ مقتول ہو تو وہ اَسقُونِی اَسقُونِی پکارتا رہتا ہے جب تک کہ مقتول کا قصاص نہ لیا جائے۔ کاہنوں رمّالوں پر بڑا ایمان رکھتے تھے۔ یہ کاہن ان کے خدا بنے ہوئے تھے۔ وہ جو کہتے اس کو سچ مان لیتے تھے۔ اس قسم کی اور بہت سی توہم پرستیاں تھیں جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ کہانت۔ بیماری میں آسیب اور جنوں کے خیالات۔ خبیث ارواح کا جسم انسانی پر قبضہ۔ جادو وغیرہ ہزارہا قسم کی توہم پرستیوں کی چند سالوں میں ایسی صفائی محمد رسول اللہ صلعم نے کی کہ گویا اس جزیرہ نما میں یہ باتیں کبھی تھیں ہی نہیں۔ اور نوع انسانی کو توہم پرستی کی قید سے آزاد کر کے تہذیب و علم کے بلند ترین مینار پر پہنچایا۔ واقعات کے رنگ میں تاریخ کوئی دوسرا ایسا انسان پیش کرنے سے عاجز ہے جس نے ہزاروں قسم کی اعتقادی اور عملی بیماریوں کا ایسے وسیع ملک میں اس قدر قلیل مدت میں اس کمال کے ساتھ علاج کر دیا ہوا اور ان بیماریوں سے آزاد کر کے پھر ان لوگوں کو صحت اور قوت کے کمال تک پہنچا دیا ہو۔ اس لئے یہی انسان خیر البشر کہلانے کا مستحق ہے ؎

ہست او خیر الرسل خیر الانام

ہر نبوت را بر و شد اختتام

۳- آنحضرت سے پہلے ملک عرب کی اصلاح کی کوششیں

لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیهم البینة ـ رسول من الله یتلوا صحفا مطهرة (البینہ ۱ و ۲)

جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہیں اور مشرک آزاد ہونیوالے نہ تھے یہاں تک کہ انکے پاس کھلی دلیل آتی یعنی اللہ کی طرف سے رسول جو پاک صحیفے پڑھتا ہو

اطراف عرب میں پیغمبر

ملک عرب کی اطراف میں حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے پہلے اور پیچھے مختلف انبیاء آتے رہے جن میں سے بعض کا ذکر قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ ان میں سے دو یعنی حضرت ہودؑ جو قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے (جو احقاف علاقہ یمن میں آباد تھی) اور حضرت صالحؑ جو قوم ثمود یا عاد ثانی کی طرف مبعوث ہوئے (جو مدینہ کے شمال میں علاقہ حجر میں آباد تھی) حضرت ابراہیمؑ سے پہلے گزرے ہیں۔ اور دو یعنی حضرت اسمٰعیلؑ جن کا بعض روایات سے اہل یمن کی طرف مبعوث ہونا معلوم ہوتا ہے اور حضرت شعیبؑ جو مدین میں (جو حجر کے مغرب کی طرف ہے) مبعوث ہوئے حضرت ابراہیمؑ کے بعد آئے۔ درمیانی حصہ یا حجاز ہمیشہ خالی رہا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکہ میں تشریف لانے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑ جانے سے مذہب ابراہیمی کی یادگاریں یہاں مستقل طور پر قائم رہیں +

یہودیت کی تبلیغ

انبیائے بنی اسرائیل کے زمانہ میں عرب میں بت پرستی انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی تھی حضرت سلیمانؑ نے یمن کی ایک ملکہ کو توحید کی تعلیم پر قائم کیا۔ بعثت نبوی سے قریب کے زمانہ میں یہودی ملک عرب میں آکر آباد ہوئے۔ غالباً یہ وہ زمانہ تھا جب پانچویں صدی قبل مسیح میں بخت نصر یہودیوں کی بربادی کے درپے ہوا۔ اسی کے ظلم سے تنگ آکر اور کسی قدر اس لئے بھی کہ آخری نبی کے عرب سے ظہور کی پیشگوئیاں ان میں شائع اور عام تھیں۔ ان لوگوں نے عرب کو اپنا مسکن بنایا اور خیبر یہودیوں کی خالص آبادی ہوگیا۔ جب ان کی قوت یہاں مضبوط ہوگئی تو انہوں نے اپنا مذہب پھیلانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حضرت مسیحؑ سے کوئی ساڑھے تین سو سال پیشتر یمن کے بادشاہ ذونواس نے یہودیوں کا مذہب اختیار کیا۔ اور اس زمانہ میں کچھ بادشاہت کے رعب سے کچھ جبر و تشدد سے یہودی مذہب کا خاصہ غلبہ ملک عرب میں ہوگیا۔ مگر یہود و نصاریٰ کی کوششوں کے عرب کی آبادی ویسی کی ویسی ہی بت پرستی میں مبتلا رہی اور یہودی مذہب کا اثر چند دن زور پکڑ کر آخر پھر حالت تنزل کی طرف لوٹ گیا۔ اور عرب کا

قومی مذہب وہی رہا جو یہود کی آمد اور اُن کی تبلیغ سے پہلے تھا۔

دوسری بڑی کوشش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی زمانہ میں ملک عرب کی اصلاح کے لئے ہوئی عیسائیوں کی کوشش تھی۔ عیسائی عرب میں تیسری صدی میں آنا شروع ہوئے سب سے پہلے نجران میں انہوں نے سکونت اختیار کر کے تبلیغی جدوجہد شروع کی۔ عیسائیوں کی کوششوں کو دو طرف سے بڑی قوت پہنچتی تھی۔ ایک حبش کی طرف سے جہاں قومی اور شاہی مذہب عیسویت تھا۔ دوسرے شمال میں رومن امپائر کی طرف سے جس کا شاہی مذہب چوتھی صدی عیسوی کے ابتدا میں ہی عیسائی ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی کثرت سے لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہو گئے تھے۔ اس اثر اور خود عیسائی مبلغین کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ نجران کے اکثر باشندوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ دوسرے قبائل میں جیسے حمیر۔ غسان۔ ربیعہ۔ تغلب وغیرہ اور حیرہ میں جو عراق عرب سے ملتا ہے بعدود اشخاص نے عیسائی مذہب اختیار کیا مگر کوئی بڑی کامیابی عرب کے اندر عیسائی مذہب کو حاصل نہ ہوئی۔ پس عیسائی مذہب کی کوشش بھی ملک عرب میں اصلاح کرنیکے کام میں بکلی ناکام ثابت ہوئی۔

تیسری مذہبی تحریک جو عرب کی اصلاح کے لئے ہوئی وہ ایک اندرونی تحریک تھی۔ اسلام کے ظہور سے تھوڑا عرصہ پہلے ایک فرقہ پیدا ہوا جس کو حنیف کہتے ہیں۔ یہ لوگ نہ عرب کی بت پرستی پر قائم تھے۔ اور نہ ہی یہودیت یا نصرانیت کے پیرو تھے وہ صرف ایک خدا کے پرستار تھے۔ اور اس سے زیادہ رسوم ورواج کی اصلاح سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض لوگ جن کے دلوں میں اس وقت بت پرستی سے نفرت پیدا ہوئی عیسائی مذہب میں بھی داخل ہوئے جیسے ورقہ بن نوفل جو حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے۔ اور عبداللہ بن جحش جو حضرت حمزہ کے بھانجے تھے۔ مگر ان کے بڑے حصہ کو یہودیت اور نصرانیت مطمئن نہ کر سکی۔ ان لوگوں میں سے زید بن عمرو بن نفیل حضرت عمرؓ کے چچا ہیں اور اُمیہ بن ابی الصلت جو ایک مشہور شاعر اور طائف کا رئیس تھا۔ مگر اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی لوگ تھے اور گو یہ لوگ تبلیغ کے لئے کوئی خاص جوش نہ رکھتے تھے۔ مگر اس میں بھی کچھ شک معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بت پرستی کو علانیہ ناپسند کرتے اور توحید کو جسے وہ دین ابراہیمی قرار دیتے تھے علی الاعلان صحیح مذہب قرار دیتے تھے۔ دیگر رسوم ورواجات سے انہیں کوئی تعلق نہ تھا۔ اور صرف بت پرستی کی جگہ توحید الٰہی کا اقرار اس کی اصل غرض تھی۔ مگر عرب کے مذہب میں اس تحریک سے اتنا تغیر بھی پیدا نہ ہوا جس قدر عیسائیت

ان تحریکوں کی ناکامی اور اسلامی اصلاح کی فوقیت

سے بلکہ جس طرح عیسائیت کی تحریک یہودیت سے کمزور ثابت ہوئی اسی طرح یہ دین حنیفی کی تحریک عیسائیت سے بھی بہت کمزور ثابت ہوئی۔

نبی کریم صلعم کے ظہور سے پہلے تین متفرق تحریکات مذہبی کے لئے جن سب کی غرض ملک عرب کی اصلاح تھی اسباب کا پیدا ہونا اور پھر ان تینوں کا بعض حالتوں میں صدیوں تک کام کرکے اور ہر قسم کے سامان حتیٰ کہ سلطنت کے رعب تک موجود ہوتے ہوئے ناکام رہنا اور پھر ان تینوں کے بعد ایک فرد واحد کا تنہائی کی حالت میں اُٹھنا اور بیکسی کی حالت میں چھوڑے جانا اور آخر کار چند سال کے عرصہ میں ملک عرب کے نہ صرف مذہب کو بلکہ اس کے عادات و اطوار و اخلاق و حالات سب کو ایسا بدل دینا کہ گویا اس ملک کی کایا ہی پلٹ دی ایک ایسا حیرت انگیز امر ہے جس کی اور کوئی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہودیوں کا بنی اسمٰعیل یا عرب کے لوگوں کے ساتھ بھائی بھائی ہونے کا تعلق تھا۔ ان کی زبانیں ان کی عادات بہت کچھ باہم ملتی جلتی تھیں۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دونوں قومیں یکساں عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ یمن کے بادشاہ تک نے یہودیوں کے دین کو قبول کرلیا۔ ظاہری اسباب کافی سے زیادہ مہیا ہوچکے تھے کہ ملک عرب سارے کا سارا اس اثر کے نیچے یہودیوں کے دین کو قبول کرلیتا۔ مگر یہ تمام اسباب ملک عرب کی حالت عامہ میں کوئی تغیر پیدا نہ کرسکے۔ اس کے بعد عیسائیت آئی اور ایک نیا پیغام لے کر آئی۔ اس کی فرضی توحید کچھ کچھ عرب کی فرضی توحید سے ملتی تھی جس قسم کی بُت پرستی ان میں مروّج تھی اسی قسم کی یونانی بت پرستی کے اثر کے نیچے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث نے پرورش پائی تھی۔ اور موجودہ عیسائیت کے اصل بانی پولوس نے انبیائے بنی اسرائیل کی توحید پر بت پرستی کا ایسا رنگ چڑھایا تھا کہ بت پرست قومیں گروہ در گروہ اس دین میں داخل ہونا شروع ہوگئی تھیں۔ پھر عیسائیت میں شریعت کی پابندی کی کوئی قید نہ تھی۔ اور عرب کی طبائع بھی قیود شرعی کی پابند نہ ہونے کی وجہ سے اور ہر قسم کی عیاشی میں پڑ جانے سے عیسائیوں کی طرح ہی اباحت پسند ہوچکی تھیں۔ اور یوں عرب کے لوگوں کے لئے عیسائیت سہل ترین مذہب تھا۔ علاوہ ازیں اوپر سے ایک عظیم الشان عیسائی سلطنت رُوما کا اثر اور عرب قوموں کا جو عرب شام میں رہتی تھیں۔ اس دین کو قبول کرلینا یمن کی طرف سے عیسائی شاہان حبش کا اثر یمن کے ایک حصہ کا عیسائی ہو جانا بلکہ حیرہ اور غسان کی سلطنتوں پر بھی عیسائیت کا غالب آجانا یہ وہ نہایت ہی قوی اسباب تھے جو شاید ہی کبھی کسی مذہب کو میسّر آئے ہوں اور ان کے ماتحت عرب کا عیسائی ہو جانا چند دن کا کام معلوم ہوتا تھا۔ مگر سوائے عرب

کی شرابخوری، قمار بازی اور مرد و عورت کے معیوب تعلقات کو بڑھانے لگے اور کوئی اثر اس مذہب کا بحیثیت مجموعی ملک عرب پر نہیں ہوا۔ ان دونوں کے بعد تیسری تحریک جو حنیفیت کے نام سے موسوم ہے اندرونی تحریک تھی اور عرب کے رسوم و رواجات کے اندر کسی قسم کی تبدیلی پیدا کرنا اس کی غرض نہ تھی۔ بلکہ اہل عرب کو صرف بت پرستی سے نکال کر خالص توحید پر قائم کرنا اس کا مقصد تھا۔ مگر اس کے لئے عرب کی آب و ہوا اس قدر بھی موافق ثابت نہ ہوئی جس قدر یہودیت اور نصرانیت کے لئے ہوئی تھی۔ اور یہ تحریک سب سے کمزور ثابت ہوئی۔ شاید اس کی یہ وجہ ہو۔ کہ اس کی پشت پر کوئی ایسی دنیوی طاقت نہ تھی جیسی یہودیت اور نصرانیت کی پشت پر تھی۔ عرب کی اسی خطرناک گناہ کی غلامی کی حالت کی طرف وہ آیت قرآنی اشارہ کرتی ہے جو عنوان باب میں منقول ہے۔ یعنی اہل کتاب اور مشرک سب کے سب اس قدر گناہ کی غلامی میں پھنسے ہوئے تھے کہ وہ اس قابل نہ تھے کہ کسی دنیوی کوشش سے اس غلامی سے آزاد ہو سکیں۔ اس لئے ان کو اس غلامی سے نکالنے کے لئے ایک اللہ کے رسول کی ضرورت تھی جو پاک صحیفے ان پر پڑھ کر ان کو ان نجاستوں سے باہر نکالتا۔

ان سب حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک باریک بین نگاہ اور غور و فکر کا عادی دل حیرت میں رہ جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے بیکس۔ انسان کے پیچھے۔ اس کی تائید کرنے والی۔ وہ کونسی عظیم الشان طاقت تھی۔ کہ آپ نے بیس سال کے عرصہ میں ملک عرب کی زمین و آسمان کو بدل دیا اور ایک ایسے انقلاب کا نقشہ پیدا کر کے دکھایا جس کی نظیر کسی مصلح کی کوششوں میں نظر نہیں آتی۔ دشمن بھی معترف ہے۔ سر ولیم میور لکھتا ہے:۔

رسول اللہ صلعم کی کامیابی

"آنحضرت صلعم کی جوانی کے ایام میں جزیرہ نمائے عرب کی حالت کسی تبدیلی یا ترقی کے قبول کرنے کے لائق نہ تھی۔ شاید اس سے پہلے کسی زمانہ میں ان لوگوں کی اصلاح سے اس قدر ناامیدی پیدا نہیں ہوئی جیسے آپ کے وقت میں۔ بعض وقت جب ایک سبب کو ایک نتیجہ پیدا کرنے کے لئے ناکافی سمجھ لیا جاتا ہے تو اس کے لئے اور وجوہ اکٹھے کئے جاتے ہیں مثلاً حضرت محمد صلعم کے متعلق لکھا جاتا ہے کہ ان کا اٹھنا تھا کہ ساتھ ہی سارے کا سارا عرب ایک نئے اور روحانی ایمان کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عرب اس وقت ایک بڑی بھاری تبدیلی کے لئے جوش میں تھا۔ اور اس کے قبول کرنے کے لئے بالکل تیار تھا۔ ہمارے نزدیک جب ٹھنڈے دل کے ساتھ اسلام سے پہلے کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو تاریخ اس نتیجہ کو جھٹلاتی ہے۔ پانچ صدیوں تک عیسائیوں کی لگاتار کوششوں اور وعظ کا یہ نتیجہ ہوا تھا کہ چند آدمی بعض اقوام سے اس مذہب میں داخل ہو گئے اس طرح پر عرب

کی مذہبی سطح پر عیسائیت کی کمزور سی کوشش کی کبھی کبھی کوئی چھوٹی سی لہر نمودار ہوتی تھی بعض وقت زیادہ گہری موجوں میں یہودیت کا اثر نمودار ہوتا تھا۔ مگر اصلی بت پرستی اور اسمٰعیلی توہم پرستی کی موجیں نہایت بلند تھیں"
اور دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

"آنحضرت (صلعم) کی بعثت سے پہلے عرب کی حالت مذہبی تبدیلی کے قبول کرنے سے ایسی ہی دور پڑی ہوئی تھی۔ جیسے باہمی اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے سے دور تھی عربوں کے مذہب کی بنیاد ایسی سخت بت پرستی تھی جس کی جڑیں نہایت گہری لگ چکی تھیں جس نے صدیوں تک مصر اور شام کے عیسائیوں کی تمام کوششوں کا ایسا مقابلہ کیا تھا کہ گویا ان کا اس پر کچھ اثر ہی نہ تھا"

یوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کے انذار کے لئے مبعوث ہوئے جس نے پہلے کسی انذار کو قبول نہ کیا تھا۔ اور اس قوم کی حالت کو تبدیل کر کے آپ نے بتا دیا کہ آپ کی قوت قدسی اس کمال کو پہنچی ہوئی تھی جس کو نہ آپ سے پہلے اور نہ آپ سے پیچھے کسی انسان کی قوت قدسی پہنچی ہے پس آپ تمام راستبازوں کے سردار اور نسل انسانی کے سب سے بڑے رہبر ہیں ؂
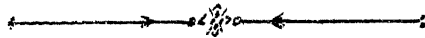
۴۔ آنحضرت صلعم کے ظہور کی بشارتیں

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (الاعراف۔ ۱۵۷)

وہ لوگ جو رسول نبی اُمی کی پیروی کرتے ہیں۔ جسے وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہُوا پاتے ہیں

آنحضرت کی بشارتیں

قبل اس کے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے متعلق کچھ لکھیں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ آپ کے آنے کی بشارتیں نہ صرف آپ سے پہلی کتب مقدسہ میں پائی جاتی تھیں۔ بلکہ ان قوموں میں اچھی طرح شہرت یافتہ تھیں۔ اور عجب نہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ملک عرب میں آکر آباد ہونے کی وجوہ میں سے ایک بڑی وجہ موعود نبی کی آمد کا انتظار بھی ہو کیونکہ پیشگوئیوں میں صاف صاف عرب کا نام بھی مذکور ہے یہاں نہایت اختصار کے ساتھ ان میں سے صرف چند پیشگوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

انبیائے عالم اور وعدہ ظہور نبوی

قرآن کریم نے یہ دعوےٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وعدہ جملہ انبیائے عالم کو دیا گیا تھا۔ اور ہر ایک نبی کے ذریعہ سے اس کی امت سے عہد لیا گیا تھا کہ اس وقت تم کو کتاب وحکمت دی جاتی ہے۔ پھر تمہارے پاس ایک ایسا رسول آئے گا جو تمام انبیائے عالم کی تصدیق کرے گا۔ اس پر تمہیں ایمان لانا ہوگا۔[1] اور پھر فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشگوئیاں پہلے انبیاء کے صحیفوں میں موجود ہیں۔[2] نئے عہد نامہ کی کتاب اعمال کے باب ۳ ورس ۲۱ سے بھی اس مضمون کی تصدیق ہوتی ہے۔ گویا پہلے اللہ تعالےٰ نے اس زمانہ میں جب کہ ایک قوم دوسری قوم سے الگ پڑی ہوئی تھی اور باہم میل جول کے ذرائع بہت محدود تھے۔ ہر ایک قوم اور ملک میں الگ الگ انبیاء ان کی ہدایت کے لئے بھیجے اور پھر اُن تمام مذاہب کو ایک کرنے کے لئے اور ساری نسل انسانی کو ایک عظیم الشان انسان کے جھنڈے تلے لا کر ان میں وحدت اور مساوات پیدا کرنے کے لئے ایک نبی کو کل عالم کی طرف بھیجا۔ اور اس کے ظہور کی بشارت ہر ایک نبی کو پہلے سے دے دی اور جس طرح ہر ایک نبی کو اس کی خبر دی اسی طرح اس کو تمام انبیائے عالم کی تصدیق کے لئے مامور کیا چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ایک ہی رسول اور نبی ہیں جنہوں نے جہاں اپنے اوپر ایمان لانا اصول دین میں داخل کیا وہاں

---

[1] وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیۃ (آل عمران۔ ۸۰) [2] وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ۔ (الشعراء۔ ۱۹۶)

تمام انبیائے عالم پر ایمان لانا بھی اسی طرح اصول دین میں داخل کیا[۵۱] اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ دنیا کی ہر قوم میں نبی آچکے ہیں[۵۲] اور یہ بھی تصریح کر دی کہ ان سب کے نام قرآن شریف میں نہیں۔ بعض رسولوں کا ذکر ہم نے قرآن میں کر دیا ہے اور بعض کا نہیں[۵۳]۔ پس جس طرح دنیا میں اور کوئی نبی نہیں جس کے متعلق جملہ انبیائے عالم نے پیشگوئیاں کی ہوں اور اس کے ظہور کی بشارت اپنی اپنی قوموں کو دی ہو اسی طرح سوائے محمد رسول اللہ صلعم کے اور کوئی نبی نہیں جس نے جملہ انبیائے عالم پر ایمان لانا ضروری ٹھہرایا ہو۔ وہ سب کی پیشگوئیوں کا مصداق بھی ہے اور سب کی صداقت کا گواہ بھی ہے اس لئے وہ افضل الرسل بھی ہوا اور آخری رسول بھی ہوا۔

تورات و انجیل کی خصوصیت

لیکن یہ ظاہر ہے کہ مذاہب قدیم کی کتابوں میں بہت کچھ تحریف اور کمی بیشی ہو چکی ہے۔ حتٰی کہ توریت و انجیل میں بھی۔ ہاں نسبتاً توریت و انجیل کا زمانہ بھی قریب ہے اور ان میں تحریف بھی اس قدر نہیں ہوئی۔ اور پیشگوئیاں بھی ان میں سب سے زیادہ ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے بھی توریت و انجیل کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور میں بھی بطور نمونہ چند بشارتوں کا ذکر انہی کتابوں سے کروں گا۔

وعدہ ابراہیمی

بنی اسرائیل یعنی یہودی اور بنی اسمٰعیل یعنی اہل عرب ہر دو کے مورث اعلےٰ حضرت ابراہیمؑ ہیں اور ان کو اپنی اولاد کے متعلق بڑی بڑی بشارتیں دی گئیں جن کا کسی قدر ذکر موجودہ مجموعہ توریت کی ایک کتاب یعنی کتاب پیدائش میں پایا جاتا ہے گو حضرت ابراہیم کے اصل صحیفے اب بالکل مفقود ہیں حضرت ابراہیمؑ کو اپنے دونوں بیٹوں اسمٰعیل اور اسحاق کے متعلق بشارتوں کا دیا جانا اس کتاب میں مذکور ہے۔ اور قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ بتایا گیا تھا کہ ان کی اولاد میں نبوت و امامت کا منصب رہے گا[۵۴]۔ ایسا ہی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی دعا میں بھی اسی طرف اشارہ ہے[۵۵]۔ اب کتاب پیدائش میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت اسمٰعیل و اسحاق دونوں کے پیدا ہونے سے پیشتر یہ وعدہ ہے۔ "میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا" (پیدائش ۱۲: ۲ و ۳) غور کیا جائے تو بنی اسمٰعیل ہی اس پیشگوئی کے اصل مصداق ٹھہرتے ہیں کیونکہ سوائے مسلمانوں کے کوئی قوم ابراہیم کو حقیقی طور پر برکت دینے والی نہیں۔ مسلمان پانچ وقت اپنی نمازوں میں یہ پڑھتے ہیں اے اللہ محمدؐ اور آل محمدؐ کو برکت دے جیسے کہ تو نے ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کو برکت دی پھر اسی کتاب میں حضرت اسمٰعیلؑ کا نام لے کر فرمایا[۱] اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سُنی

---

۵۱ والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک (البقرۃ - ۴) ۵۲ وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر (فاطر - ۲۴) ۵۳ ورسلا قد قصصنٰہم علیک من قبل ورسلا لم نقصصہم علیک (النساء - ۱۶۴) ۵۴ ومن ذریتی (البقرۃ - ۱۲۴) ۵۵ ربنا وابعث فیہم رسولا منہم (البقرۃ - ۱۲۹)

دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے۔ اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا،، (پیدائش ۱۷: ۲۰) یہاں حضرت اسمٰعیل اور ان کی اولاد کے حق میں بعینہٖ وہی وعدہ ہے جو حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کے حق میں تھا۔ پھر اس وعدہ میں ایک اور بھی صراحت ہے۔ یعنی کتاب پیدائش میں اس عہد کے دو پہلو بیان کئے گئے ہیں۔ اولؔ میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے جسے تم یاد رکھو سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے۔۔۔۔ اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے،، اب یہ ختنہ اگر ایک مدت تک بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل میں مشترک علامت چلی آئی ہے تو اب محمد رسول اللہ صلعم کی روحانی اولاد کے سامنے جن کی تعداد چالیس کروڑ تک پہنچی ہوئی ہے۔ بنی اسرائیل کسی شمار میں بھی نہیں پس جو قوم اس ظاہری علامت کو پورا کرتی ہے وہی وعدہ کی اصل وارث ہے۔ دوسرا پہلو اس وعدہ کا یوں بیان فرمایا "اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کی پشت در پشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہو کرتا ہوں کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں کہ ہمیشہ کے لئے ملک ہو،، (پیدائش ۱۷: ۷ و ۸) اب ظاہر ہے کہ جب سے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا دنیا میں ظہور ہوا یہ وعدہ کی سرزمین بنی اسرائیل یا انبیائے اسرائیل کے پیرووں سے لے کر محمد رسول اللہ صلعم کے خدام کو دے دی گئی۔ اور تیرہ سو سال سے ان کے پاس چلی آتی ہے۔ صلیبی جنگوں کی بڑی غرض یہی تھی کہ اس وعدہ کی سرزمین کو مسلمانوں کے ہاتھ سے لے لیا جائے لیکن گو عارضی طور پر وہ زمین نکل گئی مگر پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ قدیم کے مطابق وہ مسلمانوں کو دلا دی پھر بھی اگر کبھی اس طرح نکل جائے تو وہ محض عارضی بات ہوگی۔ اور اس کے مالک مسلمان ہی ہوں گے۔ خواہ یوں ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے یہ مسلمانوں کو دلا دے اور خواہ یوں کہ اس کے لینے والوں کو وہ مسلمان کر دے۔ بہر حال اس وعدہ کے دونوں پہلو نبی کریم صلعم کی صداقت پر ایک ایسی دوہری شہادت کا کام دیتے ہیں۔ جس کے خلاف کوئی یہودی یا عیسائی ایک کلمہ منہ سے نہیں نکال سکتا۔ اور یہ پیشگوئی ان پر کامل طور سے اتمام حجت کرنے کے لئے اکیلی ہی کافی ہے +

مثیل موسیٰ کی پیشگوئی

دوسری پیشگوئی جو اپنی عظمت اور شان صفائی میں اسی طرح کمال کو پہنچی ہوئی ہے وہ ہے جو حضرت موسیٰ کی زبان سے بنی اسرائیل کو پہنچائی گئی "میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ

سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔" (استثناء ۱۸: ۱۸) اب بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ کے زمانہ تک جب نبوت کا سلسلہ ان میں بند ہو گیا کسی نبی نے ایسا نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جیسا کہ اس بشارت میں مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کے خلفاء میں سے موسیٰ جیسا کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور علاوہ اس پیشگوئی کے الہامی کتابوں میں موجود ہونے کے اس کی عام شہرت بھی تھی اور یہودی برابر موسیٰ جیسے ایک نبی کی آمد کے منتظر چلے آتے تھے چنانچہ یوحنا ۱: ۱۹-۲۲ میں ہے کہ لوگوں نے یوحنا بپتسمہ دینے والے سے دریافت کیا۔ کہ کیا تو مسیح ہے تو اس نے کہا نہیں پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا تو الیاس ہے تو اس نے کہا نہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا تو وہ نبی ہے تو اس نے کہا نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو ایک تو مسیح کا انتظار تھا اور ایک الیاس کی دوبارہ آمد کا۔ اور تیسرے کسی "وہ نبی" کا جس کی اس قدر شہرت تھی کہ وہاں نام لینے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اب ظاہر ہے کہ مسیح اور الیاس کی دوبارہ آمد کے سوائے جو پیشگوئی ان کے ہاں تھی وہ صرف مثیل موسیٰ نبی کی تھی جو استثناء میں مذکور ہے۔ اور یہ صرف قیاس ہی نہیں بلکہ یہ ایک امر واقع ہے جس کی شہادت خود اناجیل سے ملتی ہے جہاں "وہ نبی" کے سوال پر استثناء ۱۸: ۱۸ کا حوالہ تمام بائبلوں کے حاشیہ پر موجود ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت مسیح کے ظہور سے پہلے یہودی تین نبیوں کے منتظر تھے اور اس وقت تک ان تینوں پیشگوئیوں کا کوئی مصداق ظاہر نہیں ہوا تھا۔ ایک مسیح کا ایک الیاس کی دوبارہ آمد کا۔ ایک مثیل موسیٰ نبی کا۔ اب حضرت عیسیٰ نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا حضرت یحییٰ الیاس کی دوبارہ آمد کے مصداق قرار پائے مگر وہ موعود نبی مثل موسیٰ ہونے کا دعویٰ نہ حضرت مسیح نے کیا نہ حضرت یحییٰ نے۔ نہ ان کو کسی نے وہ موعود نبی استثناء والا قرار دیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل میں سلسلہ نبوت منقطع ہو جاتا ہے۔ پس کوئی نبی مثل موسیٰ والی پیشگوئی کا مصداق بنی اسرائیل میں سے ظاہر نہیں ہوا۔ ساری دنیا کے انبیاء کے حالات کو پڑھ لو اور سب کتب مقدسہ کی ورق گردانی کر لو۔ اس پیشگوئی کے مصداق ہونے کا دعویٰ حضرت محمد صلعم کے سوائے اور کسی نے نہیں کیا۔ نہ قرآن کے سوائے کسی کتاب نے کسی نبی کو اس پیشگوئی کا مصداق قرار دیا۔ پس یہ دوسری کھلی کھلی بشارت آنحضرت صلعم کے ظہور کی ہے جس کا مصداق دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن کریم نے بار بار یہ دعویٰ پیش کیا ہے کہ آنحضرت مثیل موسیٰ ہیں۔[1]

---

[1] انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا (المزمل - ۱۵) یعنی ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جیسا فرعون کی طرف بھیجا تھا۔ وشھد شاھد من بنی اسرآءیل علی مثلہ (الاحقاف - ۱۰) بنی اسرائیل کے ایک عظیم الشان گواہ نے اپنے مثل کی گواہی دی تھی نقل

بقیہ برصفحہ ۳۶

دس ہزار قدوسیوں والی پیشگوئی

تیسری نہایت کھلی بشارت استثناء ۳۳: ۲ میں مذکور ہے "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی" سینا سے آنا حضرت موسیٰ کا ظہور ہے جو سینا پر ہوا۔ اور شعیر سے طلوع ہونا حضرت عیسےٰ کا ظہور ہے جس پر سلسلہ بنی اسرائیل ختم ہوا۔ اور فاران حجاز کا نام ہے۔ پرانے ناموں میں بہت کچھ گڑبڑ واقع ہوگئی ہے۔ مگر دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آنے والا ایک ہی انسان دنیا میں ہے یعنی محمد رسول اللہ صلعم جو دس ہزار برگزیدہ صحابہؓ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور وہی آتشی شریعت والا نبی ہے جس کی شریعت شریعت بیضاء کے نام سے آج بھی موسوم ہے کیونکہ اس نے تمام امور پر روشنی ڈالی۔

یسعیاہ کی پیشگوئی اور ہجرت

چوتھی بشارت صاف طور پر عرب کے متعلق ہے۔ دیکھو یسعیاہ ۲۱: ۱۳-۱۵

"عرب کی بابت الہامی کلام عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے اے ددانیوں کے قافلو پانی لے کے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ اے تیما کی سرزمین کے باشندو روٹی لے کے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو کیونکہ دے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں"

اول لفظ عرب پھر بھاگنے والے کا ذکر تاریخ عالم میں ایک ہی وہ بھاگنے والا ہے۔ جس کا بھاگنا دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم الشان واقعہ ہوگیا یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلعم آپ کی ہجرت یعنی مکہ سے بھاگنا ایک ایسا عظیم الشان واقعہ ہے کہ اسی سے سنہ اسلامی شروع ہوتا ہے یہ وقعت تاریخ عالم میں کسی دوسرے کے بھاگنے کو نہیں ملی۔ پھر وہی ننگی تلوار کے سامنے سے بھاگنے والا ہے کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلعم اس وقت اپنے گھر سے نکلے جب دشمن ننگی تلواریں لے کر آپ کے گھر کا محاصرہ کر چکے تھے اور سب کے سب یکمرتبہ آپ پر ٹوٹ پڑنے کو تیار تھے۔

حضرت مسیح کی پیشگوئیاں

حضرت داؤد حضرت سلیمان۔ حبقوق نبی۔ یحیٰ نبی۔ وغیرہ کی کتابوں میں بھی آنحضرت صلعم کے ظہور کی کھلی کھلی پیشگوئیاں ہیں لیکن اس مضمون کو مختصر کرنے کے لئے میں یہاں صرف بنی اسرائیل

(بقیہ صفحہ ۳۵) ان الھدی ھدی اللہ ان یؤتیٰ احد مثل ما اوتیتم (آل عمران - ۷۳ -) کہو اللہ کی ہدایت یہ ہے کہ کسی کو اسکے مثل دیا جائے جو تم (بنی اسرائیل) کو دیا گیا۔

کے آخری نبی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کا ذکر کرتا ہوں جس کی طرف قرآن شریف نے بھی اشارہ کیا ہے[۱]

"اگر تم مجھے پیار کرتے ہو۔ تو میرے حکموں پر عمل کرو۔ اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا تسلی دینے والا بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق" (یوحنا ۱۴: ۱۵۔ ۱۷)

"لیکن وہ تسلی دینے والا جو رُوح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھلاوے گا" (یوحنا ۱۴: ۲۶)

"لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تم پاس نہ آوے گا پر اگر میں جاؤں تو میں اسے تم پاس بھیج دوں گا" (یوحنا ۱۶: ۷)

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر اب تم اس کی برداشت نہیں کرسکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتاوے گی" (یوحنا ۱۶: ۱۲، ۱۳)

گو یہ پیشگوئی بھی نہایت صراحت سے حضرت عیسٰی کے بعد ایک اور نبی کے آنے کی خبر دیتی ہے۔ مگر عیسائیوں نے اس کو توڑ مروڑ کر روح القدس پر لگانا چاہا ہے۔ حالانکہ پیشگوئی کے الفاظ اس نتیجہ کی صاف تردید کرتے ہیں "اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تم پاس نہ آئے گا" حالانکہ روح القدس پہلے انبیاء پر نازل ہوتا رہا۔ حضرت یحییٰ ماں کے پیٹ سے ہی روح القدس سے بھرے ہوئے پیدا ہوئے جیسا کہ انجیل میں لکھا ہے۔ خود حضرت عیسٰی پر روح القدس کے کبوتر کی شکل میں نازل ہونے کا ذکر انجیل میں موجود ہے۔ بلکہ اگر کسی شخص کے دل میں حضرت عیسٰی کی عزت ہو تو وہ اس بات پر ایمان لائے گا کہ حضرت عیسٰی نے حواریوں کا تزکیہ نفس کر کے ان کو بھی اپنی زندگی میں ہی روح القدس کے نزول کا اہل بنا دیا تھا۔ قرآن شریف میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر روح القدس کے آنے کا صاف ذکر ہے[۲] پس یہ کہنا کہ حضرت عیسٰی نے روح القدس کے آنے کی پیشگوئی کی تھی بے معنی بات ہے۔ ہاں روح حق کی جگہ لفظ روح القدس بھی پیشگوئی میں آگیا ہے جو اگر غلطی نہیں تو محض اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ اس آنے والے پیغمبر کے ساتھ روح القدس کا ایسا شدید تعلق ہوگا کہ اس کا آنا گویا خود روح القدس کا آجانا ہے اور مجاز کے طور پر یوں کہا جا سکتا ہے۔ پیشگوئی کے الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ وہ دوسرا تسلی دینے والا نبی کریم صلعم

---

[۱] ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد (الصف۔ ۶) میں ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اسکا نام احمد ہے [۲] وایدهم بروح منه (المجادلة۔ ۲۲)

ہی ہیں اس کی صفت میں ہے کہ وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا یعنی اس کے بعد کوئی دوسرا نبی نہ آئے گا کیونکہ دوسرے نبی کے آنے سے پہلے نبی کی نبوت کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے۔ پھر لکھا ہے وہ سب چیزیں سکھلائے گا اور قرآن شریف نے دعویٰ کیا ہے جو کسی کتاب نے اس سے پہلے نہیں کیا کہ آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا[۱] حالانکہ حضرت عیسٰی اپنے متعلق صاف اقرار کرتے ہیں کہ میں سب باتیں نہیں کہہ سکتا گویا اس وقت تک دین ابھی اپنے کمال کو نہیں پہنچا تھا۔ پھر اس کو روح حق کہا گیا ہے۔ اور قرآن شریف میں اسی طرف اشارہ ہے جو فرمایا کہ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔[۲] اور بھی نشانات اس پیشگوئی میں ہیں جیسا یہ کہ وہ میری بڑائی کرے گا۔ کیونکہ حضرت عیسٰی کی تطہیر الزامات سے حضرت محمد مصطفٰے صلعم نے ہی کی ہے ٭

---

[۱] الیوم اکملت لکم دینکم (المائدۃ ۔ ۳) [۲] قل جاء الحق وزھق الباطل (بنی اسرائیل ۔ ۸۱)

۵۔ سلسلہ نسب و پیدائش

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ (ابراہیم ۳۷)

اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کا ایک حصہ تیرے عزت والے گھر کے پاس اس وادی میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں

بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل

حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے دو عظیم الشان قومیں ہوئی ہیں ایک بنی اسمٰعیل دوسرے بنی اسرائیل۔ آپ کا سب سے بڑا بیٹا اسمٰعیل تھا جو آپ کی بی بی حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھا۔ اور اس سے چھوٹا اسحاق تھا۔ مگر اسحاق کے نام کو اس قدر شہرت حاصل نہیں ہوئی جس قدر اسحاق کے بیٹے یعقوب کو یعقوب کا ہی دوسرا نام اسرائیل ہے اور بنی اسرائیل اسی کے نام پر مشہور ہوئے اس طرح پر بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل دو بھائی بھائی قومیں ہیں اور اسی کی طرف اس پیشگوئی کا اشارہ تھا جو حضرت موسٰی نے اپنی مثل ایک نبی کی بعثت کے متعلق کی تھی جس میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تیرے بھائیوں میں سے وہ نبی ہوگا یعنی بنی اسمٰعیل سے۔ مگر بعد میں ان دونوں قوموں میں کچھ ایسا رقابت کا خیال پیدا ہو گیا کہ یہودیوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کر کے جہاں اور بہت سی غلط باتیں درج کر دیں اور بعض انبیاء کے متعلق طرح طرح کے ناپاک قصے ان میں درج کر دیئے مثلاً یہ کہ حضرت نوح شراب پی کر بدمست ہو گئے۔ حضرت لوط نے اپنی بیٹیوں سے بدفعلی کا ارتکاب کیا۔ حضرت سلیمان نے بتوں کو سجدہ کیا۔ حضرت داؤد نے اوریا کی جورو سے زنا کیا حضرت ہارون نے شرک کیا وغیرہ[1] وہاں بنی اسمٰعیل کی عداوت سے حضرت ہاجرہ کو جو مصر کی ایک شاہزادی اور حضرت ابراہیم کی بیوی تھیں لونڈی قرار دیا اور حضرت اسمٰعیل کے متعلق بعض بُرے الفاظ لکھ دیئے۔ لیکن حضرت ہاجرہ کے متعلق موجودہ محرف بائبل میں بھی ایسے لفظ باقی ہیں جن سے خدا کی نگاہ میں ان کی قدر و منزلت حضرت سارہ سے کسی طرح کم نظر نہیں آتی بلکہ کچھ بڑھ کر ہے۔ خدا کے فرشتے اس کے سامنے آتے اور خدا کلام اس کو پہنچاتے کیا یہ مرتبہ کسی لونڈی کو حاصل ہو سکتا تھا پھر اللہ تعالیٰ اس کے درد و غم کو سنتا ہے اور اپنا فرشتہ اسے تسلی دینے کے لئے بھیجتا ہے یہی وہ بلند سے بلند مقام ہے جو کسی مقدس عورت کو حاصل ہوا۔ اگر وہ لونڈی ہی تھیں تو خدا کی نگاہ میں انہیں وہ مقام حاصل تھا

---

[1] ان تمام الزامات سے قرآن کریم نے ان انبیاء کو پاک کیا ہے۔ [2] پیدائش ۲۱: ۱۷، ۱۰۷

جو بی بی کو بھی نہ تھا۔ غرض حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم کی مقدس بی بی تھیں اور اسی پاک بی بی کے بطن سے حضرت ابراہیم کا پہلا بیٹا اسمٰعیل پیدا ہوا۔

بنی اسمٰعیل کی اولاد خدا کے حکم سے عرب میں آباد کیا گیا

ایسا ہی بائبل کا یہ بیان بھی غلط ہے کہ حضرت ابراہیم نے حضرت سارہ کے کہنے پر ہاجرہ اور اسمٰعیل کو گھر سے نکال کر کسی جنگل میں چھوڑ دیا تھا۔ ابراہیم جیسے مسلم راستباز انسان پر یہ جھوٹا الزام ہے اور قرآن شریف نے اُن کو آیت مذکورہ صدر میں اس الزام سے پاک ٹھیرایا ہے اور اصل راز پر اطلاع دی ہے یعنی یہ منشائے الٰہی تھا کہ حضرت ابراہیم کے گھرانے کی بڑی شاخ سب سے بڑھ کر نعمتوں کی وارث ہو اور اسی خاندان سے سرورِ دوعالم پیدا ہوں اس لئے مصلحت الٰہی نے یہ چاہا کہ اس خاندان کو اس پاک گھر کے پاس آباد کیا جائے جہاں سے توحید کا آخری اور ہمیشہ تک جاری رہنے والا چشمہ پھوٹنا تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ اسمٰعیل اور ہاجرہ کو اس پاک گھر کے پاس آباد کردو۔ جہاں گو کھیتی نہیں مگر اللہ تعالیٰ وہاں ہر قسم کے پھل پہنچائے گا[1]۔ اور اس مقام کا انتخاب اس لئے کیا کہ دنیا داروں کے لئے جو امور موجب کشش ہوتے ہیں وہ وہاں نہ ہوں وہ دنیا کا مرجع تو بنے مگر نہ اپنی خوبصورتی سرسبزی یا دنیوی منافع کی وجہ سے بلکہ محض اخلاق اور روحانیت کے لئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسمٰعیل اور ہاجرہ کے مکہ میں آنے کا ذکر کرتے ہوئے صاف فرمایا ہے کہ جب حضرت ہاجرہ نے حضرت ابراہیم سے دریافت کیا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمیں یہاں چھوڑتے ہیں تو آپ نے کہا ہاں تو حضرت ہاجرہ نے کہا پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کریگا اور غالباً حضرت اسمٰعیل کے ذبح کرنے میں ان کی اسی ہجرت کی طرف ہی اشارہ تھا۔ اور یہاں بھی اہل کتاب نے غلطی سے حضرت اسحاق کو ذبیح قرار دیا ہے حالانکہ بائبل میں جہاں یہ حکم آتا ہے وہاں صاف لفظ ہیں کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرو[2]۔ اب اسحاق کسی صورت میں اکلوتا بیٹا نہیں کہلا سکتا کیونکہ وہ اسمٰعیل کے بعد پیدا ہوا۔ اکلوتا بیٹا اسمٰعیل تھا جب تک کہ اسحاق پیدا نہ ہوا تھا اور اس کا جواب اہل کتاب کے پاس کوئی نہیں اور نہ اس بات کا کوئی جواب ہے کہ بیٹے کے ذبح کی وہ یادگار عظیم یعنی دنبہ کا قربان کرنا یہ اسمٰعیل کی اولاد میں کیوں چلا آیا اور مکہ میں اس کی کیوں یادگار قائم رہی اور اسحاق کی اولاد میں اس کی کیوں کوئی ادنےٰ سے ادنےٰ یادگار بھی نہیں پائی جاتی۔ غرض اس بے آب و گیاہ جنگل میں مگر خدا کے پاک گھر کے پاس حضرت اسمٰعیل کو رکھنے میں وہی اشارہ تھا جس کا ذکر خود بائبل کی پیشگوئیوں میں پایا جاتا ہے کہ اس کی اولاد یہاں الگ رہ کر پرورش پائے اور بظاہر رد کئے گئے خاندان سے وہ عظیم الشان انسان پیدا ہو جو دنیا کا آخری ہادی قرار پانا تھا۔ وہ پتھر جسے معماروں

[1] وارزق اهله من الثمرات (البقرة۔ ۱۲۶) [2] پیدائش (۲۲-۲)

نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا[1]۔ یہ خدا کی باتیں تھیں اور اپنے وقت پر پوری ہوئیں جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر دنیا کو آگاہ کیا کہ آپ ہی قصر نبوت کے کونے کا پتھر ہیں[2]۔ اور خدا کے حکم سے یہ تقسیم ہوئی۔ کہ اسرائیل کی اولاد فلسطین کے ملک میں آباد ہو اور اسمٰعیل کی اولاد عرب میں۔ اور اس بڑے خاندان کو یہ سب سے بڑی اور آخری برکت ملے کہ ان میں آخری نبی پیدا ہو۔

آپ کا خاندان

حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے جس پر توریت کی شہادت ہے ان میں ایک قیدار تھے جن کی نسل حجاز میں پھیلی۔ قیدار کا تعلق عرب سے یا عربوں کا قیدار کی اولاد ہونا توریت میں ایک امر مسلّم ہے۔ اور عدنان کا جو غالباً حضرت اسمٰعیل سے کوئی چالیسویں پشت میں ہیں۔ حضرت اسمٰعیل کی اولاد ہونا اہل عرب کے نزدیک ایک امر مسلّم ہے۔ اور عدنان تک حضرت محمد مصطفٰے صلعم کا نسب نامہ نام بنام یقینی طور پر پہنچا ہوا موجود ہے۔ جس میں آج تک کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

عدنان سے نویں پشت میں نضر بن کنانہ ہیں جن کے ساتھ خاندان قریش کی بنا پڑی اور اس گھرانے کا اعزاز پہلے سے بھی دوچند ہو گیا۔ ان کی اولاد میں نویں پشت میں قصیّ ہوئے جن کے سپرد کعبہ کی تولیت کا کام ہوا جو عرب میں سب سے زیادہ عزت کا مقام سمجھا جاتا تھا۔ یہ عبدالمطّلب کے پردادا تھے۔ یوں عرب میں شرافت اور عزت کے لحاظ سے آنحضرت صلعم کا خاندان اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر تھا۔ یہاں تک کہ اس سے بلند تر اور کوئی خاندان نہیں۔

عبدالمطلب اور اس کی اولاد

آپ کے پردادا ہاشم نے مدینہ میں بنی نجار کے خاندان میں شادی کی اس لئے یہ آپ کے ننھیال ہوئے ان کے بطن سے ہاشم کے ہاں عبدالمطّلب پیدا ہوئے ان کے دس بیٹے تھے۔ جن میں سے ذیل کے مشہور ہیں۔ ابولہب جو آنحضرت کی مخالفت میں حد سے گزر گیا۔ ابو طالب جنہوں نے آنحضرت صلعم کی پرورش کی۔ حضرت حمزہ جو ابتدائے اسلام میں ہی آپ پر ایمان لائے۔ اور سید الشہدا کے نام سے مشہور ہیں جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔ حضرت عباس جو گو بظاہر ایک مدت تک کفر پر رہے مگر آنحضرت صلعم کے ساتھ شروع سے ہی محبت رکھتے تھے۔ اور آخر اسلام لائے اور عبداللہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ہیں۔ عبداللہ کی شادی قبیلہ زُہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی سے ہوئی جن کا اسم مبارک آمنہ تھا۔ نہ صرف یہ جوڑا خاندانی عزت و شرف کے لحاظ سے ہی کمال پر تھا بلکہ اس زمانہ میں جب کفر و ضلالت کی تاریکی چاروں طرف چھائی ہوئی تھی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک پاکیزہ فطرت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ

---

[1] متی ۲۱: ۴۲ ۔ [2] انا ھذہ اللبنۃ وانا خاتم النبیین ۔ میں وہ پتھر ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

قرآن کریم میں آپ کے آباؤ اجداد کو ساجدین کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے[1]۔ پس آپ کا خاندان نہ صرف شرافت کے لحاظ سے ہی بلند مرتبہ پر ہے بلکہ پاکیزگی کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے +

والد کا انتقال

شادی کے چند ہی روز بعد عبداللہ نے تجارت کے لئے شام کا سفر کیا۔ واپسی پر راستہ میں بیمار ہوئے اور آخر مدینہ پہنچ کر انتقال فرمایا۔ آنحضرت صلعم ابھی بطن مادر میں ہی تھے۔ گویا پیدا ہونے سے پیشتر ہی آپ کے والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ یہ دو فخر آپ سے خاص کئے گئے کہ باوجود یتیم ہونے کے آپ صاحب خلق عظیم ہوئے انتہا درجہ کی بیکسی میں پیدا ہو کر اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر پہنچے۔ اور باوجود اُمّی یعنی ان پڑھ ہونے کے حکمت اور معرفت کے وہ دریا دنیا میں بہا دیئے کہ جن کے سامنے آج تیرہ سو سال بعد بھی دنیا کی گردنیں جھکتی ہیں +

ولادت مبارک اور نام

آنحضرت کی ولادت کی مشہور تاریخ بارہ ربیع الاوّل ہے مگر چونکہ یہ قطعی ہے کہ آپ دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے اور دوشنبہ ۹۔ ربیع الاوّل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے۔ آپ کی پیدائش سے پیشتر آپ کی والدہ کو رویا میں سردار دو جہان کی آمد کا نظارہ دکھایا گیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دادا نے آپ کا نام محمد صلعم اور والدہ نے احمد نام رکھا۔ یہ دونوں نام رویا کی بنا پر تھے۔ دونوں کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے۔ دونوں نام آپ کے صحیح احادیث میں آپکی زبان مبارک سے ثابت ہیں اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ آپ کے دونوں نام اشعار میں بھی آئے ہیں گو زیادہ مشہور نام محمد صلعم ہی تھا۔ آپ اسم بامسمےٰ تھے۔ دنیا میں وہ انسان جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی آپ ہی ہیں۔ آپ کے اخلاق نے آپ کے کمالات نے دشمنوں سے بھی خراج تحسین وصول کیا ہے۔ پس آپ محمد کہلائے۔ اور سب سے زیادہ حمد کرنیوالے بھی آپ ہی تھے۔ جس قدر حمد الٰہی آپ نے کی دنیا میں اور کسی انسان نے نہیں کی۔ یہاں تک کہ آپ کے ہر پیرو کے منہ سے اللہ تعالیٰ کی حمد کم از کم چالیس مرتبہ روز نکلتی ہے۔ پس آپ احمد کہلائے +

عجیب نشانات کا ظہور

آپ کی پیدائش کے ساتھ کیا کیا عجیب نشان دنیا میں ظہور پذیر ہوئے یہ تفصیل کا موقعہ نہیں آپ کی دنیا میں تشریف آوری کے صرف ایک عظیم الشان نشان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی سال جب آپ پیدا ہوئے یمن کے عیسائی حاکم نے اپنے دار الخلافہ صنعا نام میں ایک عظیم الشان گرجا بنوا کر یہ پختہ فیصلہ کر لیا کہ خانہ کعبہ کو برباد کر کے ملک عرب کا جسمانی اور رُوحانی مرجع اس گرجا کو بنائے۔ یہ درحقیقت تثلیث اور توحید میں ایک جنگ تھی۔ ابرہہ ایک عظیم الشان لشکر لے کر جس میں چند

---

[1] وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (الشعراء۔ ۲۱۹)

ہاتھی بھی تھے۔ خانہ کعبہ کو گرانے کی نیت سے روانہ ہوُا۔ جب مکہ سے صرف تین منزل کے فاصلہ پر رہ گیا تو وہاں ڈیرہ کیا۔ اور کہلا بھیجا کہ میری نیت صرف کعبہ ڈھانے کی ہے۔ اسی اثناء میں عبدُالمطّلب کے کچھ اونٹ پکڑے گئے۔ عبدُالمطّلب خود ابرہہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ان کی شکل و شباہت اور وجاہت کا ابرہہ پر بہت اثر ہوُا۔ پھر اس نے پوچھا تم کیا درخواست لے کر آئے ہو۔ انھوں نے کہا تمہاری فوج نے میرے کچھ اونٹ پکڑ لئے ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے ابرہہ متحیّر ہو کر کہنے لگا تم کو اپنے اونٹوں کی فکر پڑی ہے اور تم نے یہ درخواست مجھ سے نہ کی کہ میں کعبہ کو نہ گراؤں۔ انھوں نے جواب دیا۔ میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے مجھے ان کی فکر پڑی۔ کعبہ کا مالک کعبہ کی فکر آپ کرے گا۔ اس کے بعد قریش نے اپنے آپ کو ابرہہ کی افواج سے جنگ کے قابل نہ پا کر مکہ کو خالی کر دیا اور قریب کی پہاڑیوں پر ڈیرے لگا دیئے۔ چلتے وقت عبدُالمطّلب نے استار کعبہ کو پکڑ کر یہ دعا کی کہ اے خدا یہ تیرا گھر ہے ہم اس کی حفاظت کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتے۔ اب تو ہی اس کی حفاظت فرما۔ اہل تاریخ کہتے ہیں کہ اسی اثناء میں ابرہہ کے لشکر میں چیچک کی خطرناک وبا پھوٹی جس سے اس کی فوجوں کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا۔ اور باقی بدحواس ہو کر بھاگ گئے۔ قرآن شریف نے اس واقعہ کا ذکر سورۂ فیل میں کیا ہے۔ یہ نشان آپ کی پیدائش کے ساتھ ہی دکھا دیا گیا تا معلوم ہو جائے کہ اس مقدس گھر کو کوئی تباہ نہیں کر سکتا۔ اگر آپ کی پیدائش کے ساتھ عیسائیت کو ایسی فاش زک ملتی ہے تو فارس کے آتشکدہ کا بجھ جانا اگر بطور نشان واقع ہوُا ہو تو کونسی بعید بات ہے۔ کیونکہ فی الواقع یوں ہی مقدر تھا کہ آپ کے ظہور کے ساتھ ہر ایک باطل دور ہو جائے۔

۶۔ حالات قبل از بعثت

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس ۱۶-۲)

میں تم میں اس سے پہلے ایک عمر بسر کر چکا ہوں تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے

ایام رضاعت

اہل عرب میں یہ دستور تھا کہ رؤسا اور شرفاء اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی پیدائش پر آپ کی والدہ نے دو تین یوم آپ کو دودھ پلایا اس کے بعد دو تین دن ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے اس کے بعد آپ کو رضاعت کے لئے قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت حلیمہ کے سپرد کر دیا گیا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دو سال تک دودھ پلایا اس کے بعد وہ حضرت آمنہ کے پاس بچے کو لائیں مگر بوجہ مکہ میں وبا کے آپ نے اسے پھر حضرت حلیمہ ہی کے سپرد کر دیا۔ چھ برس تک آپ انہی کے پاس رہے۔ اس کے بعد جلد ہی آپ کی والدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ گئیں۔ آپ کے جانے کی وجہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت تھی جو مدینہ میں مدفون ہوئے تھے۔ واپسی کے وقت راستہ میں اُبوا کے مقام پر آمنہ کا انتقال ہوگیا۔ اور وہیں ان کی قبر بنی۔ اور اس طرح پر چھ سال کی عمر میں آپ کے سر سے ماں کا سایہ بھی اُٹھ گیا۔ اور گو آنحضرت صلعم کو اپنے ماں باپ کی خدمت کا موقعہ نہیں ملا مگر آپ نے اپنی رضاعی ماں اور رضاعی بہنوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو خون کے تعلقات میں ہوتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت حلیمہ سعدیہ زمانہ نبوت میں آپ کے پاس تشریف لائیں تو آپ کھڑے ہوگئے اور اپنی چادر ان کے بیٹھنے کے لئے بچھا دی اور اسی طرح اپنی دودھ بہنوں اور دودھ بھائیوں بلکہ اس ساری قوم کے ساتھ جس میں سے حضرت حلیمہ سعدیہ تھیں نہایت درجہ احسان کا سلوک کیا۔

والدہ کا انتقال

ابوطالب کی کفالت

والدہ کی وفات کے بعد آپ کی پرورش اور نگرانی آپ کے دادا عبدالمطلب نے اپنے ذمہ لی۔ مگر دو ہی سال گزرے تھے کہ ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور آٹھ برس کی عمر میں آپ اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں آ گئے۔ بچپن سے ہی اس قدر خوبیاں آپ میں پائی جاتی تھیں کہ ابوطالب کو آپ کے ساتھ نہایت درجہ کی محبت ہوگئی۔ بلکہ جس شخص کا آپ کے ساتھ تعلق پڑتا تھا وہی آپ سے محبت کرنے لگتا تھا۔ چنانچہ ابوطالب آپ کو اپنے پاس ہی سلاتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے جاتے۔ آپ کی عمر کوئی بارہ برس کی تھی جب ابوطالب نے اغراض

تجارت کے لئے شام کا سفر کیا۔ اور چونکہ رسول اللہ صلعم آپ کی جدائی کو گوارا نہ کرتے تھے اس لئے ساتھ ہی گئے۔ بحیرا راہب کی ملاقات کا واقعہ اسی سفر کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ مگر یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ علاوہ ان سفروں کے جو بچپن میں آپ نے ابو طالب کے ساتھ کئے اپنے طور پر بھی تجارتی اغراض کے لئے سفر کرتے رہے اور چونکہ آپ کی دیانت امانت اور راستبازی کے علاوہ آپ کی معاملہ فہمی کی بھی شہرت تھی۔ اس لئے لوگ تجارت کے لئے اپنا سرمایہ آپ کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔ اور آپ نے انہی تجارتی اغراض کے لئے شام و بصری کے علاوہ یمن کا بھی سفر کیا۔ تجارت کے شغل سے پیشتر آپ نے کچھ دنوں کے لئے بکریاں چرانے کا کام بھی کیا۔ یہ کام عرب کے بڑے بڑے شرفا بھی کر لیتے تھے۔ کیونکہ بھیڑ بکری اونٹ ہی ان کی دولت تھی۔ گلہ بانی بھیڑوں کی ہو یا انسانوں کی ذلیل کام نہیں۔ حضرت مریم کے شوہر یوسف بڑھئی کا کام کرتے تھے اگر حضرت عیسےٰ نے بھی بچپن میں یہ کام کیا ہو تو ان کی ذلت نہیں عزت کا موجب ہے۔

حرب فجار

۵۸۰ء اور ۵۹۰ء کے درمیان قریش اور قیس کے قبیلوں میں وہ مشہور لڑائی ہوئی جو حرب فجار کے نام سے موسوم ہے۔ اس لئے کہ وہ حرمت کے مہینوں میں ہوئی۔ اس جنگ میں رسول اللہ صلعم بھی شریک ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف اپنے چچوں کو تیر وغیرہ پکڑاتے تھے اور سپاہی کے طور پر لڑائی نہیں کی۔ اس کے بعد ہی آپ اس معاہدہ میں بھی شامل ہوئے جو حِلفُ الفُضُول کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ کے افراد یہ اقرار کیا کرتے تھے کہ مسافروں کی حفاظت اور غریبوں کی امداد اور مظلوم کی حمایت کریں گے اور جب تک ظلم کا بدلہ نہ لے لیا جائے خواہ کوئی بھی ظلم کرنے والا ہو اس وقت تک آرام نہیں کریں گے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں ظلم کے دفعیہ کا کوئی بھی علاج نہ تھا۔ یہ معاہدہ بہت ہی بابرکت تھا۔ اور آنحضرت صلعم کی شرکت بلکہ آپ کے خاندان بنی ہاشم کا اصل محرک ہونا بتاتا ہے۔ کہ آپ کا میلان طبیعت شروع سے کس طرح ظلم کے خلاف اور بیکسوں کی حمایت کی طرف تھا۔

حلف الفضول

الامین

اسی زمانہ میں آپ کی دیانت امانت اور آپ کی راستبازی مکہ میں زبان زد خلائق ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ آپ عام طور پر امین کے نام سے مشہور ہو چکے تھے۔ امین سے مراد صرف یہ نہ تھی کہ آپ روپے کی امانت کو ٹھیک ادا کرتے ہیں بلکہ یہ کہ ہر قسم کی نیکیاں اور خوبیاں

آپ کے اندر جمع ہیں۔ جن لوگوں نے اس زمانہ میں آپ سے کسی قسم کا معاملہ کیا وہ آپ کے حسن معاملہ کے ساری عمر مداح رہے۔ چنانچہ اس قسم کے بعض واقعات کا احادیث میں ذکر ہے۔ اسی زمانہ میں خانہ کعبہ کی عمارت کے از سرِ نو بنانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کے لئے ہر قسم کا سامان بہم پہنچایا گیا۔ اور تمام قریش نے مل کر تعمیر کا کام شروع کیا۔ اور مختلف قبیلوں نے مختلف حصّے لے لئے تاکہ ہر ایک اس برکت سے حصّہ لے۔ حجرِ اسود کے نصب کرنے کا موقعہ آیا تو خطرناک تنازع پیدا ہو گیا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ یہ خدمت وہی سر انجام دے اور اس کا فیصلہ سوائے خطرناک جنگ کے جو بعض قبیلوں کا صفایا کر دیتی نہ ہوتا۔ آخر ایک معمر آدمی نے سب قبائل کو اس بات پر راضی کیا کہ اگلے دن صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے وہی ثالث قرار دیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے آنے والا وہ شخص تھا جس کو دیکھتے ہی قبائل کے معززین جو وہاں جمع تھے ایک زبان پکار اُٹھے ھٰذَا الْاَمِیْنُ۔ یہ الامین آگیا۔ آپ چاہتے تو خود ہی اس کام کو سر انجام دیتے مگر آپ نے اس کی بجائے یہ تجویز کی کہ ایک مضبوط چادر لے کر اس میں حجرِ اسوَد کو اُٹھا کر اپنے ہاتھ سے رکھ دیا اور قبائل کے معززین نے چاروں طرف سے چادر کے کناروں کو پکڑ کر اُٹھایا اور اس طرح حجر اسود کو اس کے مقام پر لگایا گیا۔ اور اس حسن تدبیر سے ایک خطرناک جنگ رُک گئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی ؛

خانہ کعبہ کی تعمیر اور نصب حجر اسود

آپ کی نیکی اور راستبازی کی شہرت کی وجہ سے ایک معزز خاتون خدیجہؓ نام نے جو بیوہ تھیں اور جن کی نیکی کی وجہ سے جاہلیت میں ان کا لقب طاہرہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان کے مال سے تجارت کریں۔ اس تجارت میں حضرت خدیجہؓ نے بڑا فائدہ اُٹھایا۔ ساتھ ہی آپ کے اخلاق حمیدہ کی اس قدر گرویدہ ہوئیں کہ آپ کو شادی کا پیغام خود بھیجا اس وقت آنحضرت صلعم کی عمر پچیس سال کی تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال۔ وہ نہایت دولتمند عورت تھیں۔ اس نکاح سے آپ کی چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے ہوئے۔ آپ کا سب سے بڑا بچہ قاسم تھا جس سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی مگر وہ دو سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی زینبؓ تھیں جن کی شادی ابوالعاص سے ہوئی۔ اس سے چھوٹی رُقیہؓ جن کی شادی حضرت عثمان سے ہوئی اور جنگ بدر کی فتح کے دن وہ فوت ہوئیں انہی کی بیماری کی وجہ سے آنحضرت صلعم نے حضرت عثمان کو مدینہ میں چھوڑا تھا۔ ان سے چھوٹی اُمّ کلثومؓ تھیں جو رُقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں

حضرت خدیجہ سے نکاح

آپ کی اولاد

ان دونوں صاحبزادیوں کی شادی پہلے ابولہب کے بیٹوں سے ہوئی تھی۔ سب سے چھوٹی حضرت فاطمۃ الزہرا تھیں جن کی اولاد سے خاندان سیادت چلا۔ حضرت فاطمہ کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی حضرت خدیجہ کی اولاد میں سب سے چھوٹا ایک اور فرزند تھا۔ وہ بھی صغرسنی میں فوت ہوگیا۔ اور سوائے سیدہؓ کے جو آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد فوت ہوئیں۔ آپ کی سب اولاد آپ کی زندگی ہی میں فوت ہوئی۔ اس کے بعد آپ کے ہاں سوائے ابراہیم کے جو وہ بھی صغرسنی میں فوت ہوگئے۔ اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت خدیجہ کو آپ سے اور آپ کو حضرت خدیجہ سے نہایت درجہ کی محبت تھی۔ بعد کے زمانہ میں آپ ہمیشہ اس کا ذکر محبت سے کرتے۔ مگر کیوں؟ حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ کے اس دلی راز کو ہم تک پہنچایا ہے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایسے ہی ذکر پر عرض کیا کہ یارسول اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُس سے بہتر بیوی نہیں دی؟ وہ بوڑھی تھیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ اُس نے اُس وقت مجھے قبول کیا جب لوگ مجھے رد کر رہے تھے پس آپ خدیجہؓ کے حسن اخلاق پر فریفتہ تھے۔ خدیجہ کا مال آپ نے دل کھول کر خدا کی راہ میں خرچ کیا۔ اور کبھی خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کی سفارش کو انہوں نے رد نہیں کیا۔ حضرت زید کو حضرت خدیجہ نے ہی خرید کر آنحضرت صلعم کو دیا تھا۔ جب آپ کو منصب نبوت پر مامور کیا گیا۔ اور آپ اس بارِ عظیم کے متعلق متفکر تھے کہ میں اس کی ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہوں گا تو حضرت خدیجہ نے آپ کے قلب حزین کو جن الفاظ میں تسکین دی وہ بتاتے ہیں کہ آپ کے حسن اخلاق اور آپ کی ہمدردی بنی نوع انسان نے کس قدر گہرا نقش حضرت خدیجہ کے دل پر کر رکھا تھا۔ فرمایا خدا کی قسم اللہ آپ کو ہرگز ناکام رکھ کر رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں ناتوان کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ جو چیزیں معدوم ہیں ان کو کماتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور حادثات میں حق کی مدد کرتے ہیں حضرت خدیجہ کا آنحضرت صلعم پر سب کچھ فدا کر دینا اور آپ کے اخلاق کا اس قدر گرویدہ ہونا اور پھر سب سے پہلے آپ پر ایمان لانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک ایسا منظر ہے جس کے سامنے دشمن کو بھی اقرار کرنا پڑا ہے کہ آنحضرت صلعم کا دعوےٰ افترا پر مبنی نہ تھا۔ کیونکہ مفتری کذّاب کے خیالات اندرونی حالات کے واقفوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے اور بیوی سے بڑھ کر میاں کا رازدار کوئی نہیں ہو سکتا۔

ایک اس پاک بی بی پر کیا انحصار ہے۔ جس کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہُوا وہی

حضرت خدیجہ سے محبت کا راز

آپ کے اخلاق پر زید سے غلام گرویدہ

آپ کے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے اس زمانہ میں آپ کا عاشق جان نثار ہو گیا۔ زید ایک غلام تھے جن کو آپ نے آزاد کیا۔ زید کا باپ پتہ لگاتا ہؤا مکہ پہنچا اور آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ اس کے بیٹے کو گھر جانے کی اجازت دی جائے۔ رحمۃ للعالمین کا قلب شفیق کہاں برداشت کرتا تھا کہ بیٹے کو باپ سے چھین کر اپنے پاس رکھیں۔ مگر محبت اور رحمت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ اس کو زبردستی اپنے سے الگ نہ کیا جائے آپ نے جس کے ساتھ دوستی کی اس کو اسی طرح آخر تک نباہا۔ غرض زید کے باپ کو کہا اگر زید تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اس کو نہیں روکتا۔ باپ خوش ہؤا کہ اور کیا چاہیئے۔ مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ خیر البشر کی شفقت مہر پدری سے بڑھ کر ہے اور زید کو غلامی سے آزاد کیا گیا ہے مگر آپ کے اخلاق حمیدہ کا غلام ہو چکا ہے۔ جب زید سے اس نے چلنے کو کہا تو اس نے جواب دیا کہ میں محمد رسول اللہ صلعم کے پاس ہی رہوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی دوستی تو آپ سے مشہور ہے۔ ابو طالب نے جس قدر دکھوں اور مصیبتوں کے اندر آپ کا ساتھ دیا وہ محض آپ کے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے ہی تھا۔ ابو طالب نے باوجود اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنے کے سارے قریش کی دشمنی کو آسان سمجھا مگر ایسے بلند مرتبہ پاک اخلاق انسان کا ساتھ چھوڑنے کو حد درجہ کی رذالت خیال کیا۔ چنانچہ اس کے چند اشعار اس دلی کیفیت کو بتاتے ہیں کہ وہ کیوں آپ سے اس قدر محبت کرتے تھے +

وَمَا تَرَكَ قَوْمٌ لَا اَبَالَكَ سَيِّدًا　　يَحُوطُ الذِّمَارَ غَيْرَ ذَرْبٍ مُوَاكِلِ

وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ　　ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

تجھ پر افسوس ہے کسی قوم نے اپنے سردار کو نہیں چھوڑا (گویا اس سوال کا جواب دیا ہے کہ تم ہمیں کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلعم کا ساتھ چھوڑ دیں) اور سردار بھی وہ جو تمام حفاظت کرنے والی چیزوں کی خوب حفاظت کرتا ہے۔ اور وہ زبان دراز نہیں نہ عاجز ہے کہ کام دوسروں کے سپرد کر دے وہ کریم ہے جس کے منہ کے وسیلہ سے مینہ مانگا جاتا ہے وہ یتیموں کا ملجا اور بیوہ عورتوں کی پناہ ہے +

آپ کے احباب بلند اخلاق

اور نہ صرف یہ کہ آپ کے حسن اخلاق پر آپ کے سب احباب اس زمانہ میں شیدا تھے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر لوگوں کا آپ سے تعلق تھا وہ سب کے سب بلند اخلاق اور عالی مرتبہ لوگ تھے۔ حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے اور فتح مکہ کے بعد ایمان لائے آپ کے خاص احباب میں سے تھے ایسا ہی ضماد بن ثعلبہ۔ غرض نبوت سے پہلے آپ

کے اخلاق ایسے بلند مقام پر پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جس نے آپ سے تعلق پیدا کیا۔ وہ بھی ایک بلند مقام پر پہنچ گیا۔

ایک نہایت ہی روشن پہلو آپ کے اخلاق فاضلہ کا غریبوں یتیموں بیکسوں بیواؤں کی ہمدردی اور خبرگیری تھی جس کے متعلق وہ تمام لوگ یک زبان ہیں جن کو نبی کریم صلعم سے واسطہ پڑا۔ ابھی حضرت خدیجہ کی شہادت نقل ہو چکی ہے جو فرماتی ہیں کہ آپ کو خدا ضائع نہیں کرے گا اس لئے کہ آپ بیکسوں اور غریبوں کے حامی۔ مفلسوں اور محتاجوں کے خبرگیر۔ اپنے اور بیگانے سے ہمدردی کرنے والے ہیں۔ ابو طالب نے بھی یہی شہادت دی ہے کہ آپ یتیموں کے محافظ اور بیوہ عورتوں کی جائے پناہ ہیں حلف الفضول میں آپ کی شرکت اسی مظلوموں کی حمایت کی وجہ سے تھی۔ غرض یہ ایک جوہر تھا جو فطرتاً آپ کے اندر ودیعت کیا گیا تھا کہ غریبوں بیکسوں اور یتیموں بیواؤں کے آپ حامی ہوں۔ قرآن کریم کی تعلیم پر غور کرو تو دین قرار ہی اس کو دیا ہے کہ یتیم و مسکین کی خبرگیری کی جائے۔ جو شخص یتیم کو دھتکارتا ہے اور مسکین کے کھانے پر ترغیب نہیں دیتا اسے دین کی تکذیب کرنے والا بتایا ہے[1]۔ سب سے بلند گھاٹی جس پر چڑھ کر انسان انسانیت کے اصل شرف کو حاصل کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ یتیم کی اور خاک آلود مسکین کی خبرگیری کی جائے[2]۔ جو یتیم کی عزت نہیں کرتے انہیں ذلت کی خبر سنائی۔ قوم کی ذلت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اکرام یتیم اور امداد مسکین کو ترک کر دے[3]۔ قرآن کریم اس قسم کی تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔ اور اس کا لفظ لفظ بتاتا ہے کہ بیکسوں اور مظلوموں کے لئے وہ کیا درد تھا جو آپ کے دل میں نہاں تھا۔

آپ کی بعثت سے پہلے کی زندگی کے واقعات سے یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بچپن میں اعلیٰ درجہ کے باحیا اور بردبار تھے۔ زیادہ کھیل کود آپ کی عادت نہ تھی۔ ابو طالب نے آپ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عباس سے کہا کہ میں نے کبھی آپ سے جھوٹ ہنسی مخول جہالت بچوں کے ساتھ رہنا نہیں دیکھا۔ ملک عرب کا عام شغل اس زمانہ میں جنگ تھا۔ مگر آپ کو اس سے کچھ مناسبت نہ تھی۔ حرب فجار میں آپ شامل بھی ہوئے تو اپنے چچوں کو تیر وغیرہ پکڑانے کا کام کرتے تھے۔ ملک کی توہم پرستیوں کو آپ کے سینۂ صاف میں کوئی دخل نہ تھا اور یہ بالکل سچ ہے کہ آپ کا سینہ بچپن ہی سے ہر قسم کی آلائش سے صاف کر دیا گیا۔ اور وہ کیفیتی

[1] الماعون [2] البلد ۱۲ تا ۱۶ [3] الفجر ۱۷، ۱۸۔

غرباء پروری اور ہمدردی

بچپن میں اعلیٰ اخلاق

بچپن ہی سے شرک سے نفرت

نظارہ جس میں فرشتے آپ کے سینہ کو دھوتے ہوئے دکھائے گئے اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ کہ آپ کا قلب ہر قسم کی آلایشوں سے پاک ہے بت پرستی سے آپ کو بچپن سے نفرت تھی۔ ایک دفعہ کسی مجلس میں لات و عزیٰ کے ذکر پر آپ نے فرمایا کہ مجھے جیسی ان سے نفرت ہے اور کسی چیز سے ایسی نفرت نہیں۔ بلکہ شرک کی رسومات میں بھی آپ کبھی شریک نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ نے وہ کھانا بھی کھانے سے انکار کیا جو بتوں کے نام پر چڑھایا گیا تھا۔

مخلوق خدا کی ہدایت کا جوش

نسل انسانی کی ضلالت اور گمراہی کو دیکھ کر آپ کا دل کڑھتا تھا۔ اور آپ کے اندر ایک جوش تھا کہ کسی طرح مخلوق ہدایت کی راہ پر آئے آپ غار حرا میں تنہائی میں جا کر خلق خدا کے لئے روتے اور اپنے درد دل کا اظہار کرتے تھے حضرت مجدد صد چہاردہم نے اس کا نقشہ ان اشعار میں کھینچا ہے۔

اندر آں وقتیکہ دنیا پر ز شرک و کفر بود — ہیچکس را غم نشد دل جز دلِ آں شہریار
ہیچکس از خبثِ شرک و رجس بت آگہ نشد — این خبر شد جانِ احمد را کہ بود از عشق زار
کس چہ میداند کزاں نالہ ہا باشد خبر — کاں شفیعے کرد از بہرِ جہاں در کنج غار
من نمی دانم چہ دردے بود و اندوہ و غمے — کاندراں غارے درآورد حزین و دلفگار
نے ز تاریکی توحش نے ز تنہائی ہراس — نے ز مردن غم نہ خوف کژدم و نے بیم مار
کشتۂ قوم و فدائے خلق و قربانِ جہاں — نے بجسم خویش میلش نے بہ نفس خویش کار
نعرہ ہا پر درد میزد از پئے خلقِ خدا — شد تضرع کار او پیشِ خدا لیل و نہار
سخت شورے بر فلک افتاد زاں عجز و دعا — قدسیاں را نیز شد چشم از غم آں اشکبار
آخر از عجز و مناجات و تضرع کردنش — شد نگاہِ لطفِ حق بر عالمِ تاریک و تار

منصب نبوت پر کھڑا کیا جانا

۷۔ بعثت

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر عزت والا ہے جس نے

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (العلق ۹۶: ۱-۵)

قلم کے ذریعہ سے علم دیا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلعم چالیس سال کی عمر کو پہنچنے سے کچھ پیشتر خلوت کی طرف زیادہ مائل اور کئی کئی دن غار حرا کے اندر تنہائی اور عبادت میں گزارنے لگے۔ ان ایام میں آپ کو سچے خواب کثرت سے آتے۔ اور جو خواب آتا بہت جلد پورا ہو جاتا اور نہایت صفائی سے پورا ہوتا اسی اثنا میں رمضان کے مہینہ آپ غار حرا میں مصروف عبادت تھے کہ ایک مبارک رات[1] کو حضرت جبرئیل آپ کے سامنے آئے اور فرمایا اِقْرَاْ یعنی پڑھ۔ آپ نے فرمایا میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ تب حضرت جبرئیل نے سینہ سے لگا کر آپ کو خوب زور سے دبایا پھر وہی الفاظ دہرائے اور وہی جواب پایا پھر اسی طرح دبایا اور وہی جواب پایا غرض تیسری بار کے بعد جبرئیل نے وہ پانچ آیات پڑھیں جو عنوان میں درج ہیں۔ جن میں اگر ایک طرف یہ بتایا کہ بے شک آپ پڑھنا تو نہیں جانتے مگر اپنے رب کے نام کی استعانت سے پڑھئے۔ جو کام آپ نہیں کر سکتے اس کو خدا کی مدد آسان کر دے گی تو دوسری طرف آپ کی علوِ شان اور آپ کے ذریعہ سے جو علوم پھیلنے والے تھے ان کا ذکر کیا۔ یہ پہلا دن تھا جو نبوت کا بار گراں آپ پر ڈالا گیا اور بتا دیا گیا کہ وہ رستہ جس کی آپ تلاش میں تھے اور جس کی وجہ سے حیران و سرگردان تھے۔ آخر آپ پر کھول دیا گیا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ یہ سب بوجھ آپ کو اٹھانا پڑے گا۔ اور آپ ہی مخلوق کے لئے ہدایت کا موجب ہوں گے۔ انسان بڑا ہی کمزور ہے۔ ایک چھوٹی سی ذمہ داری کا کام اس پر ڈالا جائے اور سامان بھی موجود ہوں تو بھی وہ کانپ اٹھتا ہے۔ اصلاح عالم کا بوجھ بہت ہی بڑا بوجھ تھا۔ حضرت موسیٰ پر جب صرف ایک قوم

---

[1] یہ رمضان کی پچیسویں رات تھی اور آپ کی عمر کا اکتالیسواں سال شروع ہو چکا تھا۔ اور سنہ ۶۱۰ء تھا۔ یہی رات لیلۃ القدر کہلاتی ہے اور رمضان کی پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں رات ہوتی ہے۔

کی ہدایت کا بوجھ ڈالا گیا۔ تو آپؐ آپ کو تنہا اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل نہ پا کر پکار اٹھے۔ کہ کوئی بوجھ بٹانے والا میرے ساتھ مقرر کیجئے[1] میں اکیلا اس سارے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ساری دنیا کی ہدایت کا بوجھ ڈالا جاتا ہے اور خطرناک سے خطرناک تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کا کام آپ کے سپرد کیا جاتا ہے۔ تاہم آپ کے قلب میں اس قدر قوت ہے کہ کوئی ساتھی نہیں مانگتے۔ اور اکیلے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر شدت وحی ایک ایسی چیز ہے جو عام انسانوں کے تجربہ سے باہر ہے بعد میں جب آپ اس وحی کو پانے کے عادی بھی ہو گئے تب بھی شدت وحی سے آپ کی یہ کیفیت ہو جاتی تھی کہ سخت سردی کے دنوں میں آپ کو پسینہ آجاتا اور جسم اس قدر بوجھل ہو جاتا۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں جب اتفاق سے اس وقت آپ کی ران میرے زانو پر تھی تو مجھے خوف ہوا کہ میں بوجھ سے پس نہ جاؤں۔ وحی کے پانے کے لئے اس عالم سے انقطاع کلی ضروری ہے اور وہ انقطاع حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ شدت کے ساتھ انسان نہیں پکڑا جاتا۔ پس اس شدت وحی کے سب سے پہلے تجربہ میں آپ کانپ اٹھے۔ دوسری طرف یہ بھی خوف تھا کہ اتنی عظیم الشان ذمہ داری کے کام سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکوں گا۔ ایک طرف انسانی عجز و ضعف دوسری طرف کام کی وہ عظمت کہ اتنا بڑا کام کسی انسان کے سپرد نہیں ہوا۔ کانپتے کانپتے گھر پہنچے۔ آپ کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔ اس لئے پہنچتے ہی حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ تھوڑی دیر میں وہ دل کا خوف اور کانپنا جاتا رہا تو آپ نے حضرت خدیجہؓ سے اس سارے واقعہ کا ذکر کیا۔ اس مقدس بی بی نے جس کے دل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا گہرا اثر تھا۔ اس وقت آپ کو نہایت ہی سچے الفاظ میں تسکین دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ایسا رسوا نہ کرے گا کہ آپ اس کام میں جو اس نے آپ کے سپرد کیا ہے ناکامی کا منہ دیکھیں اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ آپ عزیزوں اور رشتہ داروں سے اعلیٰ درجہ کا حسن سلوک کرتے ہیں بیکسوں اور غریبوں کے مددگار مہمان نواز۔ مصائب میں حق کے مددگار ہیں۔ جو شخص اس قدر خوبیاں اپنے اندر رکھتا [illegible] ضائع نہیں ہو سکتا۔

ورقہ بن نوفل جن کا ذکر اوپر ہو چکا حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ بتوں کی پرستش

---

[1] وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا (طٰہٰ۔ ۲۹)

ورقہ بن نوفل

سے متنفر ہوکر دین حق کی تلاش میں نکلے اور آخر عیسائی مذہب کو قبول کرلیا کیونکہ اس وقت ان کو اور کوئی ایسا مذہب نظر نہ آیا جس میں اس قدر بھی سچائی پائی جاتی ہو جس قدر عیسائیت میں پائی جاتی تھی حضرت خدیجہؓ اپنے اس عزیز کی دلی تڑپ سے آگاہ تھیں اور وہ جانتی تھیں کہ وہ دل سے سچے مذہب کی تلاش میں ہیں۔ اور ممکن ہے کبھی ورقہ نے باتوں باتوں میں نبی آخر الزمان کی آمد کا ذکر بھی کیا ہو کیونکہ حضرت عیسٰی نے اپنے بعد دوسرے تسلی دہندہ کے آنے کی خبر دی تھی۔ اس لئے جب حضرت خدیجہؓ کو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم کو اس بلند مقام پر کھڑا کیا گیا ہے تو آپ فوراً آنحضرت کو ورقہ کے پاس لے گئیں۔ کیونکہ ورقہ خود اس وقت بہت بڈھے ہو کر نابینا ہونے کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ ورقہ نے جب آنحضرت صلعم سے یہ سنا کہ کس طرح آپ پر وحی نازل ہوئی ہے اور کیا پیغام آپ کے سپرد ہوا ہے تو وہ فوراً پکار اٹھے کہ یہ وہ صاحب راز فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسےٰ پر اتارا تھا۔ اس میں مثیل موسےٰ والی پیشگوئی کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ پھر انہوں نے آرزو کی کہ کاش میں بھی اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی تو نبی کریم صلعم نے متعجب ہو کر پوچھا کہ کیا مجھے نکال دیں گے انہوں نے کہا ہاں ہر نبی کے ساتھ اسی طرح ہوتا رہا ہے۔ اس کے بعد جلد ہی ورقہ وفات پاگئے۔ اسی ملاقات اور اس اظہار ایمان کی بنا پر ورقہ کو صحابہؓ میں شامل کیا گیا ہے[لہ]۔

زمانہ فترت

پہلے پیغام کے بعد کچھ مدت تک وحی کا آنا رک گیا۔ بعض لوگوں نے اس زمانہ کو بہت لمبا کہا ہے اور تین یا اڑھائی سال کی مدت بتائی ہے۔ مگر واقعات جیسا کہ آگے مذکور ہوں گے اس کے مخالف ہیں اور وہ زمانہ جو فترت الوحی کے نام سے موسوم ہے۔ تھوڑا زمانہ تھا حضرت ابن عباس کی روایت میں ایّاماً کا لفظ آتا ہے یعنی وحی چند دن ہی رکی تھی۔ واقعات تاریخی بھی اسی کے مؤید ہیں۔ اور یہ جو ایک روایت میں آتا ہے کہ اس زمانہ فترت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جاتے تھے تاکہ اپنے آپ کو گرا دیں۔ تو یہ روایت صحیح نہیں۔ اس کو بیان کرنے والے زہری ہیں جو تابعین میں سے تھے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا اور نہ وہ کسی دیکھنے والے کا نام بتاتے ہیں۔ اور

لہ جن لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ ورقہ کے پاس آپ اسلئے گئے تھے کہ اس سے دریافت کریں کہ یہ پیغام کیسا ہے انہوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ انبیاء کو پہلے دن سے اپنی وحی کے منجانب اللہ ہونے پر یقین کامل ہوتا ہے اور آپکو ایک لمحہ کے لئے بھی شک نہیں ہوا کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں۔

اگر بالفرض کسی نے یہ دیکھا بھی ہو کہ آپ پہاڑوں پر جاتے ہیں تو یہ ایک معمولی واقعہ ہے۔ آپ غار حرا میں جایا ہی کرتے تھے۔ اور اس کی غرض یکسوئی اور تنہائی تھی۔ آپ کو پہاڑ پر جاتا دیکھ کر یہ خیال کر لینا کہ آپ کا یہ ارادہ تھا کہ اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دیں سراسر باطل خیال ہے اور وحی کا رُک جانا بھی حکمت الٰہی سے تھا۔ وحی کی شدت ایسی تھی کہ فوراً دوبارہ اس کے آنے سے جسمانی قوت اس شدت کا مقابلہ نہ کر سکتی۔ پس مصلحت الٰہی سے یہ وقفہ ڈال دیا گیا۔ جب کچھ زمانہ گزرنے کے بعد جو چھ ماہ سے زاید نہیں ہو سکتا۔ دوبارہ آپ پر وحی کی تجلی جلوہ نما ہوئی۔ تو پھر آپ کی وہی حالت تھی۔ گو پہلے کے برابر خوف نہ تھا مگر پھر بھی اسی طرح مرعوب گھر آئے۔ اور حضرت خدیجہ سے کہا کپڑا اوڑھا دو۔ پہلی مرتبہ اگر خود پڑھنے کا حکم تھا تو اب دوسروں کو پڑھانے کا حکم بھی آ گیا یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ اے لباس نبوت کے اوڑھنے والے اُٹھ اور لوگوں کو ڈرا۔ تنہائی میں بیٹھنے کا زمانہ گزر گیا۔ خلوت سے جلوت میں انتقال ہوا پیغام حق بلند ہوا۔ اور ایک راستباز جماعت آپ کے گرد جمع ہونا شروع ہوئی۔

۸۔ پہلے ایمان لانیوالے

وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (الواقعہ ۱)

اور پہلے (ایمان لانیوالے) سب سے آگے ہی ہیں وہی مقرب ہیں

حضرت خدیجہؓ

آنحضرت صلعم پر سب سے پہلے ایمان لانیوالی آپ کی حرم محترم حضرت خدیجہؓ تھیں آپ کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ شک نہیں گزرا کہ آپ اپنے دعوےٰ میں صادق نہیں بلکہ غموں کی گھڑیوں میں وہ ہمیشہ آپ کے لئے موجب تسکین ہوئیں۔ اس پاک بی بی سے بڑھ کر کوئی شخص نبی کریم صلعم کا نہ رازدار تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ پندرہ برس گزر چکے تھے کہ وہ نبی کریم صلعم کی زوجیت میں آئیں اور اگر شادی سے پہلے آپ کے اوصاف حمیدہ نے جن کو انہوں نے ایک اجنبی انسان کی نظر سے دیکھا آپ کے دل میں گھر کر لیا تھا تو شادی کے بعد جس قدر زیادہ واسطہ آپ سے ان کو پڑا اسی قدر وہ نقش گہرا ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ جب آنحضرت صلعم پر پہلی مرتبہ نزول وحی ہؤا اور آپ خائف تھے کہ اس عظیم الشان ذمہ داری کے کام سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ تو اس وقت یہ مقدس خاتون اپنے قلب کی شہادت پیش کرتی ہے۔ کہ محمد رسول اللہ جیسا نیک اور بنی نوع کا ہمدرد انسان کبھی ضائع نہیں ہو سکتا کبھی ناکام نہیں رہ سکتا۔ وہ آپ کے اندرونی حالات سے واقف ہے اور بیوی سے بڑھ کر خاوند کے اندرونی حالات سے کون واقف ہو سکتا ہے۔ مگر باایں ہمہ وہ اس قدر آپ کی راستبازی پر ایمان رکھتی ہے کہ صاف کہہ اٹھتی ہے کہ ایسا راستباز ہمدرد مخلوق انسان ناکام نہیں ہو سکتا+

اس کے بعد وہ آپ کو وَرَقہ کے پاس لے جاتی ہیں وَرَقہ اس وقت موت کے قریب ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایام فترت کے گزرنے سے پہلے ان کا انتقال ہو جاتا ہے۔ لیکن گو آنحضرت صلعم کو ابھی انذار کا حکم نہیں ہؤا۔ تاہم وَرَقہ آپ پر ایمان لائے یعنی آپ کے رسول برحق ہونے کی شہادت ادا کی اور گو ان کو موقعہ نہ ملا۔ گروہ اول ایمان لانے والوں میں ہی شامل ہیں+

حضرت ابوبکرؓ

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ آپ مکہ کے مشہور اشخاص میں سے تھے دولتمند تاجر ہونے کے ساتھ آپ حد درجہ کے فیاض تھے۔ اور بڑے صاحب الرائے تھے۔ ہر دلعزیز بھی بہت

تھے۔ بعثت سے پہلے آنحضرت صلعم سے بہت دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ آنحضرت صلعم کے قبول کرنے میں آپ کو ذرا بھی تامّل نہیں ہوا۔ بلکہ سُنا اور فوراً ایمان لے آئے۔ اور مردوں میں اوّل المومنین ہوئے اور آپ کا نام صدیق ہوا۔

حضرت علی رض

حضرت علیؓ۔ ابوطالب کے فرزند تھے جن کی نگرانی میں آٹھ سال کی عمر سے آنحضرت صلعم نے پرورش پائی تھی۔ حضرت علیؓ بچپن سے آنحضرتؐ کے ساتھ رہے تھے۔ وہ بھی سب سے پہلے ایمان لانیوالوں میں سے ہیں۔ عمر کے لحاظ سے وہ ابھی لڑکے ہی تھے۔

زید بن حارثہ

زید بن حارثہ آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور جو تعلق محبت کا ان کو آپ سے تھا اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ وطن جانا قبول نہ کیا۔ اور آنحضرت صلعم کے پاس رہنے کو ترجیح دی۔ یہ بھی سابقین میں سے ہوئے۔

حضرت خدیجہ۔ ابوبکر۔ علی اور زید چاروں آپ کے سب سے پرانے رازدار اور سب سے قریبی تھے۔ اور اس قدر آپ کی خوبی اور راستبازی کے قائل تھے کہ نبوت کے عظیم الشان دعوے پر ان میں سے کسی کو یہ وہم نہ گزرا کہ آپ نے خدا پر جھوٹ بولا ہے اس لئے کہ وہ آپ کی صداقت آپ کی راستبازی اور آپ کی امانت کو اس سے بہت بلند جانتے تھے دعوے سنتے ہی ان کے قلب نے یہ شہادت دی کہ جس شخص نے ساری عمر انسان پر جھوٹ نہیں بولا وہ خدا پر جھوٹ کیونکر بول سکتا ہے۔ وہ آپ کے اخلاق کے تمام درنہاں پہلوؤں سے واقف تھے اور جس قدر زیادہ کسی کو آپ سے قرب حاصل تھا۔ اسی قدر زیادہ وہ آپ کے اخلاق کا شیدا ہوا اور اسی قدر مسابقت اس نے آپ پر ایمان لانے میں دکھائی یہ شان آپ کی زندگی کی ایسی ہے کہ میور اور سپرنگر تک کو یہ اعتراف کرنا پڑا ہے۔ کہ آپ کا دعویٰ اخلاص کی بنا پر تھا۔ منافقت کا رنگ اگر آپ کے اخلاق یا حالات میں ہوتا تو سب سے زیادہ بدظن آپ سے وہی لوگ ہوتے جو سب سے زیادہ آپ کے قریبی تھے۔ مگر سب سے بڑھ کر آپ کی صداقت کے وہی شیدا ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ خود مشرف باسلام ہوتے ہی دوسروں کو اس نعمت سے متمتع کرنیکی کوشش میں لگ گئے۔ اور ابتدا ہی میں آپ کی بدولت ایسے ایسے لوگوں نے دین اسلام کو قبول کیا جن کا نام آج مسلمانوں ہی کی نہیں دنیا کی تاریخ میں روشن ہے۔ ان میں سے حضرت عثمان بن عفان حضرت زبیر بن العوام حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت طلحہ

بہن فاطمہ سے ہوئی تھی۔ وہ بھی مسلمان ہو چکی تھیں۔ حضرت عمرؓ میں تشدد بہت تھا اور ابتدا میں یہ تشدد مخالفت کے رنگ میں ظہور پذیر ہوا۔ یہاں تک کہ مصمم ارادہ کر لیا کہ آنحضرت صلعم کو قتل کر کے اس ساری تحریک کو جڑ سے کاٹا جائے تلوار لگا کر چلے کہ فیصلہ ہی کر کے آئیں گے ابھی تک اُن کو بہن اور بہنوئی کے اسلام لے آنے کی اطلاع نہ ہوئی تھی راستہ میں ایک مسلمان سے ملے انہوں نے حضرت عمرؓ کو غضب کی حالت میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا ارادہ ہے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ تمہارے بہن اور بہنوئی تو مسلمان ہو چکے ہیں پہلے اپنے گھرانے کی تو خبر لو۔ محمد صلعم کا قتل آسان امر نہیں۔ چنانچہ یہ بہن کے گھر پہنچے۔ اس وقت خبّاب ان کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کی آواز سُن کر خوف کے مارے قرآن کریم کے اوراق چھپا دیئے۔ مگر وہ سن چکے تھے اور داخل ہوتے ہی کہا کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تم دونوں مسلمان ہو گئے ہو یہ کہہ کر سعید کو پکڑا اور مارنا شروع کیا بہن اپنے خاوند کے بچانے کو آگے بڑھیں مگر حضرت عمرؓ اس قدر غصہ سے بیتاب تھے کہ بہن کے بھی سخت چوٹ لگی یہاں تک کہ وہ لہولہان ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ جو تمہارا جی چاہتا ہے کرو۔ ہم اسلام لا چکے ہیں۔ ثبات و استقلال کے ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے غصہ کی آگ پر پانی ڈالا۔ اور مارنے سے رُک کر کہنے لگے کہ اچھا مجھے وہ دو جو تم پڑھ رہے تھے۔ پہلے وہ ڈریں کہ اوراق قرآن کی بے ادبی نہ کریں۔ آخر عہد لے کر وہ اوراق ان کو دیئے۔ یہ حصہ سورہ طٰہٰ کا تھا۔ اسے سن کر حضرت عمرؓ کے دل پر بڑا اثر ہوا اور وہ سوچ میں پڑ گئے کہ کس بات کی مخالفت کے درپے ہیں۔ خبّاب بھی جو ان کے خوف سے چھپ گئے تھے باہر نکلے اور موقعہ دیکھ کر تبلیغ شروع کی۔ آخر وہیں حضرت عمرؓ صداقت اسلام کا شکار ہو گئے۔ اور خبّاب سے آنحضرت صلعم کا پتہ پوچھ کر ارقم کے گھر پہنچے جہاں اس وقت نبی کریم صلعم کوئی چالیس زن و مرد کے ساتھ تھے۔ ان میں حضرت حمزہؓ بھی تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی۔ حضرت عمرؓ نے دروازہ پر دستک دی۔ ایک شخص نے جھانکا اور عمر کو تلوار لگائے ہوئے دیکھ کر گھبرایا کہ یہ کسی بد ارادہ سے آئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ کھول دو اور آنے دو۔ جب اندر آئے تو ابھی آنحضرت صلعم نے ایک ہی کلمہ کہا تھا کہ حضرت عمرؓ بولے کہ یا رسول اللہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہوں۔ مسلمانوں کو اس سے اس قدر خوشی ہوئی کہ تکبیر کی آواز سے پہاڑ گونج اٹھا۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے واقعات بعثت نبوی کے چھٹے سال یا ۶۱۵ء کے ہیں۔

حضرت ابوبکر اور ضعفاء

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے ساتھ مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی ان کی شجاعت کے سامنے مخالفین دم نہ مار سکتے تھے۔ یہاں تک کہ پہلی مرتبہ خانہ کعبہ میں نماز با جماعت انہی کے بعد ادا ہوئی۔ اسی اثناء میں بہت سے ضعفاء بھی اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ غلام بھی تھے۔ اور لوگ تو اپنے خاندانی تعلقات کی وجہ سے کفار کی ایذا رسانی سے کسی وقت بچ بھی جاتے تھے۔ مگر بیچارے غلاموں کی تو کوئی حیثیت نہ تھی۔ ان کو بہت دکھ دیئے جاتے تھے حضرت ابوبکر صدیق کے فضائل میں جو ان کو سب صحابہؓ پر ممتاز کرتے ہیں یہ بھی ہے کہ آپ نے ان میں سے بہتوں کو کفار کے ظلم سے چھڑایا یعنی ایسے لوگوں کو خرید کر آزاد کر دیا حضرت بلالؓ۔ عامر بن فُہَیرَہ۔ لُبَینَہ۔ زُنَیرَہ۔ نَہدِیہ۔ اُمِّ عُبَیس نے حضرت ابوبکرؓ کی بدولت کفار کی خطرناک اذیتوں سے نجات پائی۔

ابن ام مکتوم

یہ امر ضرور قابل توجہ ہے کہ مکہ میں بڑے بڑے سرداران قریش ایمان سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور زیادہ تر ضعفاء ہی دین اسلام کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اس نکتہ کو ابن اُمِّ مکتوم کا واقعہ خوب واضح کرتا ہے۔ ابن اُمِّ مکتوم ایک نابینا شخص تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اشراف قریش کو جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے دین اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ عین اس وقت کہ آپ ان باتوں میں مشغول تھے۔ ابن اُمِّ مکتوم مجلس میں پہنچے۔ اور نابینائی کی وجہ سے نہ جان کر کہ آنحضرت صلعم کس سے اور کیا کلام کر رہے ہیں۔ پہنچتے ہی کچھ سوال کر کے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ آنحضرت صلعم نے ان کو کچھ کہا نہیں جھڑکا نہیں مگر بتقاضائے بشریت آپ کی پیشانی پر شکن آیا۔ ابن ام مکتوم پر تو اس بات کا کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا مگر وہ خدا جو آپ کو صاحب خلق عظیم بنانا چاہتا تھا اس کی جناب میں یہ پیشانی کا شکن بھی پسند نہ آیا۔ اور آپ پر وحی نازل ہوئی عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى۔ پیشانی پر شکن ڈالا اور منہ پھیر لیا اس بات پر کہ اندھا آپ کے پاس آیا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ تم کو کیا علم ہے کہ یہی شخص اس سے فائدہ اٹھائے۔ کیونکہ

کمزوروں کو طاقت دینا

قرآن ایک تذکرہ ہے جس کے ساتھ کمزور اور عاجز انسان اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات پر پہنچائے جائیں گے۔ پس بڑے آدمیوں کا زیادہ خیال مت کرو کہ ان کے اسلام قبول کرنے نہ کرنے پر اسلام کا غلبہ مقدر ہے نہیں بلکہ انہیں چھوٹے چھوٹے انسانوں کو اٹھا کر اسلام اس بلند مقام

پہنچائے گا کہ جہاں ان کا وہم و گمان بھی نہیں جاتا اور فی الحقیقت اسلام کے اندر پہلے ضعفاء کو داخل کر کے یہی بتانا مقصود تھا کہ چونکہ اس کی تائید میں خدا کا طاقتور ہاتھ ہے اس لئے عاجز انسان دنیا میں وہ کام کر کے دکھائیں گے جو بڑے بڑے طاقتوروں سے نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے ضعفاء کو اٹھا کر نہ صرف دنیا کے فاتح اور بادشاہ بنا دیا۔ بلکہ اخلاق میں۔ علوم میں حکمت اور فلسفہ میں۔ سائنس میں۔ دنیا کیلئے معلم اور رہبر بنایا اور یوں بتا دیا کہ قرآن کے اندر یہ طاقت ہے کہ یہ اپنے اس پیرو کو جو اس پر عامل ہو کس بلند مقام تک پہنچا سکتا ہے +

وحی کا سرچشمہ

سورت عَبَسَ وَتَوَلّٰی اب بھی قرآن کریم کا حصہ ہے اور چالیس کروڑ انسان اس کو دن رات پڑھتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا اپنا قلب ہی وہ سرچشمہ نہ تھا جس سے پھوٹ کر وحی الٰہی نکلتی ہو۔ کیونکہ گو اس میں تو شک نہیں کہ انسان بعض وقت دوسرے سے بدسلوکی کر کے خود پچھتاتا ہے۔ مگر اول تو یہاں کوئی بدسلوکی نہیں۔ دوسرے جو انسان اپنے کسی فعل پر پچھتائے وہ اس فعل کو ایسا مٹانا چاہتا ہے کہ اس کا ذکر بھی باقی نہ رہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام کو جس میں آپ کی کسی بشری کمزوری کا ذکر ہے۔ تمام دنیا میں ہمیشہ کے لئے پھیلاتے ہیں اور ان خدام کے منہ سے شب و روز یہ لفظ کہلواتے ہیں جن کے دل آپ کی غایت درجہ کی عزت و محبت سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہاں جس قلب صافی پر یہ خارجی وحی نازل ہوتی ہے اس کی بے انتہا وسعت کا بھی اس واقعہ سے پتہ لگتا ہے کہ جس بات کو دوسرے لوگ مخفی کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ خود شرح صدر سے دنیا میں اس کا اعلان کرتا ہے +

۹۔ کفار کی ایذا رسانی

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت ۲)

کیا لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ یہ کہکر چھوٹ جائینگے کہ وہ ایمان لائے اور وہ مصائب میں ڈالے نہ جائینگے

مومنین کو طرح طرح ایذائیں دینے کی حکمت

جب اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی جماعت اعلیٰ اخلاق کی پیدا ہو جو دوسرے انسانوں کے لئے ہادیٔ راہ بنے تو ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک گروہ ان کے مقابلہ پر کھڑا ہو جاتا ہے جو طرح طرح کے مظالم اور ایذا رسانیوں سے اہل حق کو حق سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اول تو ان لوگوں کے اخلاص پر مہر لگ جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ دنیوی لالچ سے یہ لوگ جمع نہیں ہوئے دوسرے ان میں عزم و استقلال اور ثبات کے اعلیٰ اخلاق ظہور پذیر ہو کر ان کو کمال انسانی تک پہنچائیں کیونکہ جب تک انسان مصائب میں نہیں پڑتا اس وقت تک اس کے اخلاق کی تکمیل نہیں ہوتی اور نہ ان میں پختگی آتی ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر اخلاق کے معلم ہوئے ہیں ان کو سب سے بڑھ کر مصائب و مشکلات میں ڈالا گیا۔ اور تیسرے اللہ تعالیٰ دکھانا چاہتا ہے کہ انسانی طاقتیں اس پودہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں جسے خدا کا ہاتھ لگاتا ہے۔ اسی سنت مستمرہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو کفار کے ہاتھ سے بہت کچھ تکلیفیں اُٹھانی پڑیں۔ جن کو قرآن کریم نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے انہی میں سے آیت مندرجہ عنوان ہے جس میں درحقیقت بتایا ہے کہ ایمان کے دعوے پر صداقت کی مہر دشمنوں کی ایذا رسانی ہی سے لگتی ہے۔

آنحضرتؐ کو ایذا پہنچانے والے بڑے دشمن

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی الاسلام کا کام شروع کیا۔ تو ابتدا میں آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دی گئی پہلے پہلے زیادہ تر استہزا سے کام لیا گیا۔ اور آپ کی دعوت کو تحقیر کی نظر سے دیکھا گیا کبھی آپ کو شاعر بتا کر یہ امید ظاہر کی گئی کہ خود حوادث زمانہ ہی آپ کا فیصلہ کر دیں گے۔ کبھی کاہن بتایا گیا۔ کبھی مجنون کہہ کر چھوڑ دیا گیا۔ مگر جب بڑے بڑے فہمیدہ اور اخلاق میں اعلےٰ پایہ کے لوگ آپ کے گرد جمع ہونا شروع ہوئے تو کفار کو فکر ہوا اور انہوں نے آہستہ آہستہ ایذا رسانی شروع کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں جاکر نماز پڑھا کرتے تھے وہاں ابو جہل اور دیگر دشمنان دین اسلام کبھی آپ پر تمسخر کرتے کبھی ایذا پہنچاتے۔ انہی ایذاؤں

کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک اونٹنی کا غلیظ بچہ دان حالت سجدہ میں آپ کی گردن پر رکھ دیا۔ پھر چونکہ آپ بہت سویرے تاریکی میں نماز کے لئے نکلا کرتے تھے اس لئے ایک یہ بھی آپ کی ایذارسانی کا طریق اختیار کیا گیا کہ آپ کے راستہ میں کانٹے بچھا دیئے جاتے کبھی راہ چلتے ہوئے آپ پر مٹی پھینک دی جاتی کبھی پتھر مارے جاتے۔ ایک دفعہ بہت سے لوگوں نے جو اشراف قریش میں سے تھے آپ پر حملہ کیا اور عُقبہ بن ابی مُعیط نے چادر آپ کے گلے میں ڈال کر اس کو مروڑا یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ کا دم رُک جائے استنے میں حضرت ابوبکرؓ یہ کہتے ہوئے آپ کو چھڑایا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ ط تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے اللہ میرا رب ہے ؂

ایذارسانی کا سب سے زیادہ زور ان لوگوں پر تھا۔ جو قریش کے کسی بڑے قبیلہ میں سے نہ تھے۔ بالخصوص غلاموں اور لونڈیوں کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچائی جاتی تھی حضرت بلال اُمیّہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب اسلام لائے تو اُمیّہ نے نہایت ظالمانہ تکلیف رسانی سے ان کو دین حق سے پھیرنا چاہا۔ مگر اسلام کی یہ خوبی تھی کہ جس دل میں ایک دفعہ گھر کر گیا پھر اس کے ٹکڑے کیوں نہ اڑا دو وہ اسلام کو نہ چھوڑتا تھا۔ حضرت بلال کو جب عرب کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں عین دوپہر کے وقت پتھریلے تپتے ہوئے میدان میں لٹا کر سینہ پر گرم پتھر رکھے جاتے اور پھر ان سے کہا جاتا کہ اسلام کو چھوڑ دو تو ان کی زبان سے بیہوشی کی حالت میں بھی اَحَدٌ اَحَدٌ کا لفظ ہی نکلتا یعنی خدا ایک ہے۔ حضرت عمّارؓ کے والد یاسر اور اُن کی والدہ سُمیّہ دونوں خطرناک اذیّت پہنچا کر شہید کئے گئے۔ ان کی تکلیفوں کا حال سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عموماً عذاب کا یہ طریق تھا کہ دوپہر کے وقت جلتے ہوئے سنگریزوں پر لٹا دیتے اور مارتے۔ عمّارؓ کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا رہا مگر ان کی والدہ سُمیّہ کو ابوجہل نے شرمگاہ میں برچھی مار کر مار دیا۔ لُبینہ حضرت عمرؓ کی لونڈی تھیں۔ اور اس وقت ایمان لائیں جب حضرت عمرؓ ابھی اسلام نہ لائے تھے وہ اس بیچاری کو مارتے مارتے تھک جاتے تو رُک جاتے اور کہتے کہ میں نے تجھ پر رحم کر کے تجھے نہیں چھوڑا بلکہ اس لئے کہ میں تھک گیا ہوں بعض کو بھوک اور پیاس کے ذریعے سے عذاب دیا جاتا ؂

جو لوگ بڑے بڑے قبیلوں میں سے تھے وہ بھی محفوظ نہ تھے۔ بلکہ ہر ایک قبیلہ نے یہ ٹھیکہ لے رکھا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کو جو اسلام لائیں۔ دُکھ اور تکلیف دے۔ حضرت عثمان

ایذارسانی غرباء و ضعفاء

[illegible]

کو جو معزز قبیلہ میں سے ہونے کے علاوہ خود بھی صاحب عزت تھے۔ ان کے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا۔ حضرت عمر کا اپنے چچازاد بھائی اور اپنی بہن کو مار مار کر لہولہان کرنا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ حضرت زُبیر کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیا گیا کہ اسلام کو ترک کریں۔ حضرت ابوبکر بھی ایذا رسانی سے محفوظ نہ تھے اور سچ تو یہ ہے کہ جب خود سرورِ عالم کے ساتھ اس قدر زیادتیاں ہوتی تھیں تو اور کون محفوظ رہ سکتا تھا۔ جو دکھ ممکن تھا دیا گیا۔ مگر اسلام کو جو ان کے دلوں میں جگہ لے چکا تھا کوئی اذیت نہ نکال سکی۔ جان جائے تو جائے مگر اسلام نہیں جا سکتا تھا۔ خود کفار کو بھی اس پر حیرت تھی۔ چنانچہ مدت بعد جب ابوسفیان سے ہرقل نے دریافت کیا کہ کیا ان میں سے کوئی شخص دین اسلام سے بیزار ہو کر مرتد بھی ہو جاتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ لیکن جس قدر ان لوگوں کی وہ زیادہ ثابت قدمی دیکھتے تھے اسی قدر ان کے غضب کی آگ زیادہ بھڑکتی تھی۔ اور پہلے سے بھی بڑھ کر دُکھ دیئے جاتے تھے۔

۱۔ ہجرت حبش

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّھُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً (النحل - ۴۱)

اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا ہم انہیں دنیا میں اچھی جگہ دیں گے

حبش میں ہجرت کا ارشاد

بعثت کا پانچواں سال اور ۶۱۴ء تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد پچاس سے اوپر کی جمعیت فراہم ہو چکی تھی۔ اور ایک خاصہ جتھہ بن گیا تھا۔ جن کے اتحاد کو مخالفین کے ظالمانہ سلوک نے اور بھی قوی کر دیا تھا۔ یہ جتھہ روز بروز اضافہ پر تھا۔ اور آپ کو اور آپ کے کام کو اس جتھے سے تقویت پہنچتی تھی مگر اس رؤف و رحیم انسان کا دل دشمن کی تکلیف پر بھی پگھلتا تھا دوستوں کے ساتھ یہ بیرحمی دیکھ کر آپ سے نہ رہا گیا آپ تو تنہا بھی دشمنوں کے اندر رہنے سے نہ گھبراتے تھے مگر اپنے صحابہ کی تکلیفوں اور ایذاؤں کو آپ نے یومًا فیومًا ترقی پر دیکھا تو ان کو ہجرت کا مشورہ دیا۔ اور فرمایا بہتر ہے کہ تم زمین حبش کی طرف نکل جاؤ کیونکہ وہاں ایک بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ اور وہ صدق یعنی عدل کی سرزمین ہے۔ تم وہاں ٹھہرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان مصائب سے تم کو نجات دے جن میں تم مبتلا ہو۔ اس وقت حبش کا بادشاہ نجاشی کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا اصل نام اَصْحَمہ تھا اور وہ عیسائی تھا اور حبش کے لوگ بھی عیسائی تھے۔

پہلے مہاجرین

چنانچہ سب سے اول گیارہ صحابہؓ نے ہجرت اختیار کی جن میں سے چار کے ساتھ انکی بیویاں بھی تھیں۔ حضرت عثمان مع اپنی بیوی رُقیّہ کے جو آنحضرت صلعم کی صاحبزادی تھیں۔ ابوحُذیفہ مع اپنی زوجہ کے۔ حضرت زُبیر۔ حضرت مصعب۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف۔ ابوسلمہ مع اپنی زوجہ اُمّ سلمہ کے جو بعد میں آنحضرت صلعم کے نکاح میں آئیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان مہاجرین میں سے تھے۔ بعثت نبوی کے پانچویں سال کے ماہ رجب میں ان لوگوں نے مکّہ معظمہ کو چھوڑا۔ کچھ سوار اور کچھ پیدل۔ بندرگاہ پر پہنچتے ہی ان کو دو جہاز حبش کو جاتے ہوئے مل گئے اور یہ فورًا سوار ہو گئے۔

ان کا تعاقب اور نجاشی کو اکسانا

قریش کو ان کی ہجرت کی خبر ملی تو فورًا تعاقب کیا۔ کیونکہ وہ نہ چاہتے تھے کہ اسلام کا قدم کہیں جمے۔ لیکن جب بندرگاہ پر پہنچے تو جہاز وہاں سے روانہ ہو چکے تھے اور یہ مایوس ہو کر واپس آئے۔ مشورہ کر کے یہ رائے قرار پائی کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے کہ وہ ان لوگوں کو پناہ نہ دے اور قریش کے سفیروں کے سپرد کر دے چنانچہ اس غرض کے لئے عبداللہ

بن ربیعہ اور عمرو بن العاص نکلے اور بڑے قیمتی تحفے ساتھ لئے۔ حبش پہنچکر یہ پہلے پادریوں سے ملے اور ان کو تحفے تحائف دے کر اپنی تائید کے لئے آمادہ کیا پھر ان کو یوں اکسایا کہ ان لوگوں نے ایک نیا مذہب نکالا ہے جو عیسائیت کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ یہ سفیر دربار میں پہنچے اور درخواست کی کہ یہ مہاجرین ہمارے مجرم ہیں ان کو ہمیں واپس دیا جائے۔ بادشاہ کو بھی یہ کہہ کر اکسایا کہ انہوں نے عیسائیت اور اپنے مذہب کے خلاف نیا مذہب نکال لیا ہے نجاشی نے مسلمانوں کو جواب کے لئے طلب کیا۔ اس وقت تک حضرت جعفر بن ابیطالب بھی پہنچ چکے تھے۔ وہی جواب کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے یوں عرض کیا:-

اے بادشاہ ہم ایک جاہل قوم تھے جو بتوں کو پوجتے مردار کھاتے بیحیائی کے کام کرتے قریبیوں کے حقوق ادا کرتے ہمسایوں سے برا سلوک کرتے۔ اور ہم میں سے مضبوط کمزور کو کھا جاتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول مبعوث کیا جس کے نسب صدق امانت اور پرہیزگاری کو ہم خوب پہچانتے ہیں۔ اس نے ہم کو بلایا کہ خدا کو ایک مانو اسی کی عبادت کرو پتھروں اور بتوں کی پرستش کو چھوڑ دو۔ اور اس نے ہم کو حکم دیا کہ بات سچ کہو امانت کو ادا کرو صلہ رحمی کرو ہمسایوں سے اچھا سلوک کرو حرام باتوں اور خونریزیوں سے بچو۔ اس نے ہم کو بیحیائی کے کاموں سے جھوٹ بولنے اور یتیم کا مال کھانے سے عورتوں پر جھوٹے الزام لگانے سے روکا۔ پس ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کی اور اسکی باتوں کو مانا۔ اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم شروع کیا اور ہم کو دکھ دیا کہ ہم اپنے دین کو ترک کر دیں اور بت پرستی کی طرف لوٹ آئیں۔ پس جب ان کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے۔ اور ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔

حضرت جعفرؓ کی تقریر

پھر حضرت جعفر نے کچھ حصہ قرآن کریم کا سنایا تو نجاشی نے قریش کے ایلچیوں کو کہا کہ میں کبھی ان لوگوں کو تمہیں واپس نہیں دے سکتا۔ اگلے دن ان سفیروں نے ایک اور تدبیر سوچی کہ نجاشی کو یوں اکسایا جائے کہ حضرت عیسیٰ کو نہیں مانتے مگر یہ حیلہ بھی کارگر نہ ہوا۔ نجاشی نے جب مسلمانوں سے یہ سنا کہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا برگزیدہ رسول جانتے ہیں خدا نہیں مانتے تو اس نے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ عیسیٰ اس سے جو مسلمانوں نے بیان کیا اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں۔ اس پر کسی قدر پادری بھی برہم ہوئے مگر قریش کے سفیر بالکل ناکام واپس آئے یہ ہجرت حبش کی ہجرت اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔

نجاشی کا فیصلہ

مسلمانوں کے حبش کی جانب ہجرت کرنے سے قریش کو اس قدر فکر کیوں ہوئی کہ انہوں

قریش کا فکر

نے اوّل ان کا تعاقب کیا اور پھر نجاشی تک پہنچے۔ کہ وہاں سے ان مہاجرین کو نکلوا کر اپنے قبضہ میں لیں؟ بات یہ ہے کہ قریش کو صرف مسلمانوں کے ساتھ اس قدر دشمنی نہ تھی کہ وہ مکہ میں رہ کر ان کے بتوں کو نہیں مانتے یا ان کو بُرا کہتے ہیں۔ بلکہ وہ اب ان کی جان کے دشمن ہو گئے تھے اور ان کو یہ گوارا نہ تھا کہ مسلمان کہیں بھی دنیا میں رہ کر اپنا گزارہ کریں یا اسلام سرسبز ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جب چند سال بعد آنحضرت صلعم نے مع اپنے صحابہؓ کے مدینہ کو ہجرت کی تو کفار نے وہاں بھی آپ کو آرام سے زندگی بسر نہ کرنے دی بلکہ اس دفعہ چونکہ صحابہؓ کسی غیر کی حفاظت میں نہ تھے اس لئے تلوار سے ان کو نیست و نابود کرنا چاہا اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے نبی کریم صلعم کو لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اسلامی لڑائیوں پر حبش کی ہجرت اُولیٰ کے واقعات کافی سے زیادہ روشنی ڈالتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بعض معترض واقعات پر غور کئے بغیر اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور جنگ کی ابتدا کو واقعات کے خلاف آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کرتے ہیں +

حبش کی ہجرت ثانیہ

جب قریش کے سفیر حبش سے ناکام واپس آئے تو ان کے غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ شدّت کے ساتھ مسلمانوں کو ایذا دینا شروع کیا۔ اب تک وہ مسلمانوں کے ایذا برداشت کرنے کو تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مگر حبش کی ہجرت نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ یہ لوگ دین اسلام کی خاطر ہر ایک دکھ اور تکلیف اُٹھانے کو تیار ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں نے جب نجاشی سے اس قدر نیک سلوک دیکھا تو ان میں سے بعض نے یہ خبر مکہ میں اپنے دوسرے بھائیوں کو پہنچائی۔ تا کہ جو لوگ طاقت رکھتے ہیں وہ ہجرت کر کے حبش پہنچ جائیں۔ جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی تو اگلے سال بہت سے مسلمان قریش سے چھپ کر ہجرت کر کے چلے گئے۔ یہ حبش کی ہجرت ثانیہ کہلاتی ہے۔ قریش کا جہاں تک بس چلتا ان کو روکتے اور دکھ دیتے مگر یہ زبردست تحریک ان سے نہ رُک سکی اور بچّوں کے علاوہ ۱۰۱ مرد و عورت حبش میں جمع ہو گئے۔ ان میں سے بعض لوگ جن میں سے حضرت عثمانؓ اور آپ کی بیوی تھیں چند روز بعد مکہ میں واپس آ گئے مگر بیشتر حصہ حبش ہی میں رہا اور ۷ سنہ ہجری میں یہ لوگ مدینہ میں واپس آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ کیونکہ ۶ سنہ ہجری میں صلح حدیبیہ کی رو سے دس سال تک کفار کی جنگ رک گئی تھی۔ اور اب عرب میں مسلمانوں کے لئے کچھ اطمینان کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ اس سے

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ہجری تک مسلمان مدینہ میں بھی حالت خطر ہی میں تھے اور صلح حدیبیہ کے بعد ہی کفار کی ایذا رسانی سے پورا اطمینان ہوا۔

حبش میں مسلمانوں کا طرز عمل

جس طرح حبش کے بادشاہ نے مسلمانوں کے ساتھ نیک سلوک کیا اسی طرح جو مسلمان ہجرت کرکے ملک حبش میں آباد ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی شاہ حبش کی ہر طرح سے اعانت کی چنانچہ مسلمانوں کے وہاں قیام کے زمانہ میں جب نجاشی کو ایک دشمن کے ساتھ جنگ پیش آئی تو اس میں مسلمانوں نے بھی مدد دی اور علاوہ مدد کے نجاشی کی فتح کے لئے دعائیں بھی کرتے رہے آخر اللہ تعالیٰ نے نجاشی کو فتح دی۔ جب ایک حکومت سے ان کو فائدہ پہنچا تو انہوں نے بھی اپنی طاقت کے مطابق اس کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی۔ اور احسان کا بدلہ احسان سے دیا۔ ساری اسلامی تاریخ کو پڑھ لیا جائے۔ مسلمانوں میں غداری کی کوئی مثال نہ ملے گی اور دنیا میں یہی ایک قوم ہے جو اعلیٰ درجہ کی وفادار ثابت ہوئی ہے۔

والنجم کا سجدہ اور ہجرت حبش سے تعلق

ہجرت حبش کے متعلق ایک خاص واقعہ قابل ذکر ہے۔ کہ پہلی ہجرت کے بعد آنحضرت صلعم پر سورہ والنجم نازل ہوئی جس کے آخر میں سجدہ آتا ہے۔ اور یہ پہلی سورت ہے جس میں سجدہ تلاوت نازل ہوا۔ چنانچہ جب اس سورت کی تلاوت فرماتے ہوئے آپ آخر سورت پر پہنچے فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا تو آپ نے سجدہ کیا اور صحیح حدیث میں ہے کہ مشرکین نے بھی ساتھ ہی سجدہ کیا کیونکہ وہ باوجود اپنی بت پرستی کے خدا کے قائل تھے۔ اس واقعہ پر مخالفین اسلام بہت کچھ رنگ آمیزی کرکے یوں بیان کرتے ہیں کہ گویا آنحضرت صلعم نے اس سورت میں بت پرستی کو بھی جائز قرار دیا تھا اسی لئے مشرکوں نے سجدہ کیا۔ جو روایت اس کے متعلق بیان کی جاتی ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اور صحیح روایت صرف اسی قدر ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ ہاں بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ کفار کے اس طرح سجدہ میں شامل ہو جانے پر بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ وہ اسلام لے آئے ہیں اور یہ خبر حبش میں بھی پہنچی جہاں سے کچھ مہاجرین واپس آگئے لیکن صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ صرف ملک حبش میں آزادی اور امن کی خبر لائے تھے تاکہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی وہاں لے جائیں۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور اگر اہل مکہ کے اسلام کی خبر وہاں پہنچنا بھی صحیح ہو تو بھی اس کی بنیاد صرف کفار کا سجدہ میں شامل ہو جانا تھا نہ کچھ اور۔

۱۱- دعوت الی الاسلام سے روکنے کی کوششیں

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل ۰۰ - ۴۲)

اور اگر ہم نے تجھے ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو تو تھوڑا سا ضرور ان کی طرف جھک جاتا۔

دعوت عام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت سے روکنے کی کوششیں صرف انہی ایذاؤں تک محدود نہ تھیں جو آپ کو یا آپ کے صحابہ کو پہنچائی جاتی تھیں۔ ابتدا میں جب آنحضرت صلعم نے دعوت کا کام شروع کیا تو زیادہ تر عام وعظ کے طور پر نہ تھا بلکہ تنہائی میں جن لوگوں کو تیار پاتے ان سے ذکر کرتے۔ اور جب کعبہ میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو نمازوں میں دُکھ دیا گیا تو چھپ کر نمازیں ادا کی جاتیں یہاں تک کہ صفا میں اُرقم کا گھر مقرر ہوا۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ جن باتوں کا حکم دیا جاتا ہے ان کو کھول کر بیان کر دو[1] اور کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ[2] تو آپ نے اپنی دعوت کو عام کیا اور سب سے پہلے ایک دن کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کے ایک ایک قبیلہ کو پکارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سب جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے آج تک میری زبان سے کوئی جھوٹ سُنا ہے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہرگز نہیں ہم آپ کو صادق اور امین جانتے ہیں تب آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ان لوگوں کو پہنچایا کہ بُت پرستی اور بُری باتوں کو چھوڑ کر توحید الٰہی اور نیکی کی طرف آئیں۔ اس پر وہ سب بگڑ گئے اور ابُولہب نہایت درشتی سے پیش آیا۔ اس کے بعد یہ شخص آپ کا سخت دشمن ہو گیا اور نہ صرف اس نے اور اس کی عورت نے نبی کریم صلعم کو ہر طرح پر ایذا پہنچائی بلکہ اس نے یہ وتیرہ اختیار کر لیا کہ ایام حج میں جب نبی صلعم اپنا پیغام لوگوں کو پہنچاتے جو عرب کے مختلف مقامات سے جمع ہوتے تو یہ پیچھے کہتا پھرتا کہ یہ ہمارا بھتیجا ہے مجنون ہو گیا ہے اس کی باتوں کی طرف توجہ نہ کرنا۔

ابو طالب کے پاس قریش کا وفد

جب قریش نے یہ حالت دیکھی کہ ایک طرف ایذاؤں اور رکاوٹوں سے آنحضرت صلعم کی دعوت الی الاسلام کے کام پر کوئی اثر نہیں پڑا دوسری طرف آپ کے پیرووں نے ان تکلیفوں کی کوئی پروا نہیں کی۔ بلکہ انہوں نے وطن تک چھوڑ دیا ہے اور اسلام کو نہیں چھوڑا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ بغیر اس کے کہ آنحضرت صلعم کا وجود درمیان سے مٹا دیا جائے

---

[1] ناصرم بحالہ تو مر ۵۲ و انذر عشیرتک الاقربین

اور کوئی ذریعہ اس تحریک کو روکنے کا نہیں۔ عرب میں ہر ایک قبیلہ اپنے لوگوں کی حفاظت کا پورا ذمہ وار ہوتا تھا۔ اس لئے جب آنحضرت صلعم کو قتل کرنے کی خفیہ کوششیں ناکام ہوئیں تو قریش نے یہ سوچا کہ کھلے طور پر آنحضرت صلعم کا کام تمام کرنے کے لئے ابوطالب سے فیصلہ کیا جائے جو اپنے آبائی مذہب پر تھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان کا ساتھ دے گا۔ چنانچہ اشراف قریش کا ایک وفد اس غرض کے لئے ابوطالب کے پاس پہنچا جن میں ابُوجہل اور دیگر بڑے بڑے سرداران قریش شامل تھے ابوطالب کو اپنی طرف کرنے کے لئے اس پیرایہ میں گفتگو شروع کی کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا اور ہمارے دین کو عیب لگاتا ہے ہمیں بیوقوف بناتا اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے۔ پس یا تو تم خود اس کو روک دو یا ہمیں اجازت دو کہ جو معاملہ چاہیں اس سے کریں کیونکہ تم خود بھی اسی مذہب پر ہو جس پر ہم ہیں۔ اور دین کے بارہ میں اس کے مخالف ہو۔ ابوطالب نے ان کو نرمی کے ساتھ سمجھا کر رخصت کر دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ قریش نے جو الزام آنحضرت صلعم پر لگائے تھے۔ وہ محض مبالغہ تھا نبی کریم صلعم ان کے معبودوں کو گالیاں نہ دیتے تھے۔ قرآن کریم صاف فرماتا ہے کہ جن کو یہ لوگ اللہ کے سوائے پکارتے ہیں تم ان کو گالی مت دو[۱] اور اس زمانہ میں جو قرآن شریف نازل ہوتا رہا اس کو پڑھ کر اب بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ قرآن کریم میں کسی قوم کے کسی بزرگ کو یا کسی کے معبود کو گالی نہیں دی گئی ہاں یہ ذکر قرآن شریف میں ضرور آتا ہے کہ یہ بت تمہیں کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے نہ تمہارا کچھ نقصان ہوتا ہو تو اس کو دُور کر سکتے ہیں اور شرک اور بت پرستی بُری چیزیں ہیں ؛

کچھ عرصہ گزر گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول اپنے دعوت کے کام میں لگے رہے اور پیغام حق بہت سے دلوں پر اثر کرتا چلا گیا۔ قریش نے جب دیکھا کہ آپ نے اپنی دعوت کو نہیں چھوڑا تو پھر ایک وفد ابوطالب کے پاس پہنچا۔ اس دفعہ مصمم ارادہ کر کے گئے کہ قطعی فیصلہ کر کے آئیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ابوطالب کو اپنا پہلی دفعہ آنا بھی یاد دلایا اور کہا کہ اب ہم اس سے زیادہ قطعاً برداشت نہیں کر سکتے پس یا تو تم اپنے بھتیجے سے الگ ہو جاؤ یا خود بھی اس کے ساتھ مل جاؤ تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو اور جنگ ہو کر ہم دونوں میں سے ایک فریق ہلاک ہو جائے یہ قریش کی طرف سے اعلان جنگ تھا۔ اور یہ موقعہ ابوطالب

دوسرا وفد

---

[۱] ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ (الانعام ۱۰۹)

کے لئے نہایت سخت تھا۔ ایک طرف قوم سے مقابلہ مشکل نظر آتا تھا دوسری طرف آنحضرت صلعم کی محبت دل میں ایسی تھی کہ وہ آپ کو بھی چھوڑ نہ سکتا تھا اس حالت میں اس نے آنحضرت صلعم کو بلایا اور جو کچھ قریش کہہ گئے تھے آپ سے کہا اور کہا کہ مجھ پر اور اپنے اوپر رحم کرو۔ مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اُٹھا نہیں سکتا یعنی قوم کے مقابلہ کی مجھ میں تاب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا کہ ابو طالب بھی اب آپ کا ساتھ چھوڑتا ہے۔ قوم تو سب پہلے ہی دشمن ہے۔ صرف ابو طالب کے درمیان میں حائل ہونے کی وجہ سے وہ علی الاعلان آپ کو قتل نہیں کر سکتے تھے۔ ابو طالب کی علیحدگی کے صاف طور پر یہ معنی تھے کہ اب دنیا میں کوئی انسان آپ کو دشمنوں کے شر سے بچانے میں معاون نہ ہوگا۔ ساتھی سب الگ ہو کر حبش میں جا چکے ہیں۔ قوم دشمن ہے اور ایسی خطرناک دشمن کہ جان لینے کے درپے ہے۔ آپ کے پیغام کو سننے والے النادر کالمعدوم کے حکم میں ہیں۔ مگر کیا ہی ثبات و استقلال کا نمونہ ہے جو اس وقت آپ نے دکھایا کوئی مایوسی کا خیال آپکے دل میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر کس قدر بھروسہ ہے کہ کسی انسان کی حفاظت کی پرواتک نہیں کرتے۔ ادھر ابو طالب کے منہ سے وہ کلمات نکلتے ہیں اودھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں فرماتے ہیں۔ اے چچا اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کرے یا میں کام کرتا کرتا مر جاؤں ساتھ ہی اس خیال سے کہ ایسے چچا کو جو آپ سے دلی محبت رکھتا ہے اور جو اب تک دشمنوں کے مقابل آپ کی حفاظت میں سپر بنا رہا ہے ایسا جواب دینا پڑا جو اس کے منشاء کے خلاف ہے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور چشم پرنم آپ اُٹھ کر چلے۔ ابو طالب نے گو بظاہر اپنے آبائی مذہب کو ترک نہ کیا تھا مگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا سچے دل سے شیدا تھا آپ کو چھوڑنا اس کے لئے موت سے بدتر تھا۔ اس نے فوراً رسول اللہ صلعم کو واپس بلایا اور کہا اے بھتیجے جاؤ اور جو چاہو کرو۔ میں کسی صورت میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑونگا۔

قریش کو یقین تھا کہ ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیگا۔ مگر جب ان کو ابو طالب کے اس فیصلہ کا علم ہوا تو بہت حیران ہوئے۔ باہمی قبائل میں جنگ کا چھڑ جانا بھی اُن کو نہایت خطرناک نظر آتا تھا جس سے قریش کا خاندان ہی تباہ ہو جاتا اور ان کی سرداری ہمیشہ کے لئے مٹ جاتی۔ اس لئے انہوں نے پھر ایک دفعہ ابو طالب سے بجائے دھمکی دینے کے

ابو طالب کی درخواست اور آنحضرت کا استقلال

ہمیشہ اور وفد

لالچ دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے کی کوشش کی اور عمارہ بن ولید کو جو ایک نہایت خوبصورت نوجوان تھا ساتھ لے کر گئے اور ابوطالب سے کہا کہ تم اس کو اپنا بیٹا بنا لو اور محمد صلعم کو ہمارے سپرد کر دو تاکہ ہم اسے قتل کر دیں کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے بزرگوں کے دین کا دشمن ہے ابوطالب نے کہا یہ عجیب بات ہے تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے بیٹے کو لیکر اس کی پرورش کروں اور تم میرے بیٹے کو لے کر اسے قتل کر دو۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ قریش ناکام پھرے ادھر ابوطالب نے یہ سمجھ کر کہ قریش اب بنی ہاشم کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی تباہی پر پورا زور لگائیں گے بنی ہاشم کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے تیار ہو جانا چاہئے ان سب نے اس امر پر اتفاق کیا کہ ہم کسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے حوالے نہیں کر سکتے خواہ کچھ بھی معاملہ ہمارے ساتھ کریں سوائے ابولہب کے جو آنحضرت صلعم کی شدید عداوت کی وجہ سے دشمنوں سے ملا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا گرویدہ صرف ابوطالب ہی نہ تھا بلکہ بنی ہاشم کے سارے گھرانے کو آپ نے اپنے اخلاق حمیدہ کا اس حد تک گرویدہ کر رکھا تھا کہ وہ اختلاف مذہب کے باوجود آنحضرت صلعم کی حمایت میں اپنی قوم سے لڑنے مرنے کو تیار تھے۔

لیکن ابھی قریش ہمت نہ ہارے تھے۔ اگر دکھ اور تکلیف پہنچا کر وہ آنحضرت صلعم کو روک نہیں سکے تو اب لالچ دیکر روکنا چاہا۔ دنیا داروں کا خیال دنیوی مال وجاہ تک ہی محدود ہوتا ہے۔ ابوطالب اور بنی ہاشم کو اس قدر سخت پا کر اب انہوں نے یہ چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست لالچ دیں۔ چنانچہ انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور تین باتیں آپ کے سامنے پیش کیں کہ اگر آپ دولت چاہتے ہیں تو ہم سب جس قدر مال آپ چاہیں اکٹھا کر کے آپ کو دینے کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ عزت اور حکومت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار اور بادشاہ بنانے پر رضامند ہیں اگر آپ کو حسن وجمال کی خواہش ہو تو خوبصورت سے خوبصورت عورت جس کو آپ چاہتے ہیں ہم آپ کی زوجیت میں دینے کے لئے تیار ہیں مگر اس قلب مقدس میں دنیا کے مال، وعزت کی خواہش کبھی بچپن سے نہ آئی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے نہ مال و دولت کی خواہش ہے نہ حکومت کی۔ مجھے خدا نے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔ میں تم کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں اگر تم اس کو قبول کرو تو تم دنیا اور آخرت میں خوشحال رہو گے اگر تم اس کو قبول نہیں کرتے تو خدا مجھ میں اور تم میں فیصلہ کرے گا۔ اس جواب کو

قریش کا وفد آنحضرت صلعم کی خدمت میں

سُن کر قریش اب آپ کی طرف سے بکلی مایوس ہو گئے نہ وہ تکلیفیں پہنچا کر آپ کو آپ کے کام سے روک سکے نہ بڑے سے بڑا لالچ دے کر روک سکے۔ ہاں یہ لالچ اس قدر بڑا تھا۔ دُکھ اور تکلیفیں اس انتہا کو پہنچ چکی تھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدمی عطا نہ فرمائی ہوتی تو کوئی انسان بھی اس قدر تکلیفوں اس قدر مشکلات اور اس قدر لالچوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ انہی امور کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے جو اس باب کے صدر میں مذکور ہے کہ "اگر ہم نے تجھ کو ثابت قدم نہ کر دیا ہوتا تو تو بھی باوجود اپنی فطری ثابت قدمی اور استقلال اور عزم کے قریب تھا کہ تھوڑا سا ان کی طرف جھک جاتا" یعنی دُکھ اور لالچ اس حد کو پہنچ گئے تھے۔ کہ مضبوط سے مضبوط انسان کا قدم بھی پھسل جاتا مگر خدائی تائید نے یہ نہ ہونے دیا۔

شعب ابی طالب میں محصور ہونا

چاروں طرف سے مایوس ہو کر قریش نے اب اپنا آخری ہتھیار استعمال کیا۔ ادھر بنی ہاشم سوائے ابولہب کے اس پر متفق ہو چکے تھے کہ خواہ جنگ تک نوبت پہنچے وہ آنحضرت صلعم کو نہیں چھوڑیں گے۔ اُدھر ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں اسلام اثر کرتا چلا جاتا تھا پس قریش نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی ہاشم کو بالکل الگ کر دیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دوسرے قبیلوں تک پہنچنے کی گنجایش نہ چھوڑیں چنانچہ انہوں نے بنی ہاشم کے خلاف ایک معاہدہ کیا کہ وہ نہ ان سے شادی اور نکاح کا معاملہ کریں گے اور نہ خرید و فروخت کا نہ کھانے پینے کا سامان ان تک جانے دیں گے یہانتک کہ وہ آنحضرت صلعم کو قتل کے لئے ان کے حوالہ نہ کر دیں۔ اس معاہدہ کو ایک کاغذ پر لکھ کر اس کاغذ کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔ بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب مجبور ہو کر بعثت نبوی کے ساتویں سال کے شروع میں ایک درہ میں جو شعب ابی طالب کے نام سے موسوم ہے محصور ہو گئے صرف ابولہب الگ ہو کر آنحضرت صلعم کے دشمنوں کے ساتھ جا ملا۔ یہاں قریباً تین سال تک کل بنی ہاشم نہایت تکلیف کی حالت میں رہے کیونکہ خرید و فروخت بند تھی۔ اور بعض اوقات بھوک سے موت تک نوبت پہنچ جاتی تھی چھوٹے چھوٹے بچے بھوک کے مارے بلبلاتے تو ان کے رونے کی آواز سے بعض دلوں میں درد پیدا ہوتا اور کچھ لوگ خفیہ طور پر غلہ وغیرہ شعب کے اندر پہنچا دیتے مگر ابوجہل اس کی سخت نگرانی کرتا۔ چنانچہ حکیم بن حزام بن خویلد نے جب کچھ سامان خوراک حضرت خدیجہ کو بلحاظ تعلق قرابت پہنچانا چاہا تو ابوجہل مخل ہوا۔ مگر ان تمام مصائب میں جو بنو ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر برداشت کر رہے تھے ان کا قدم ذرا نہیں ڈگمگایا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

عزت ان کے دلوں میں نہ ہوتی تو اس قدر مصائب کو ایک انسان کی خاطر برداشت نہ کرتے
ادھر تبلیغ اسلام کا کام سوائے موسم حج کے کل قبیلوں میں سے رُک گیا اور صرف بنی ہاشم تک محدود ہوگیا
صرف ایام حج میں آپ کو باہر نکلنے کا موقعہ ملتا اور اس موقعہ پر پیغام حق ایک ایک قبیلہ کو پہنچاتے مگر ابولہب
ساتھ ساتھ اپنی عداوت کا اظہار کرتا چلا جاتا اور لوگوں کو کہتا پھرتا کہ اس کی بات کا اعتبار نہ کرنا یہ جھوٹ کہتا
ہے وہ لوگ بھی آپ کو یہی جواب دیتے کہ تمہاری اپنی قوم جو تمہیں خوب جانتی ہے وہ کیوں نہیں مانتی +

اسی اثنا میں بعض نرم دل لوگ اس سختی پر جو بنو ہاشم سے کی گئی افسوس کرتے تھے اور بعض علانیہ کہنے
لگے کہ یہ سختی درست نہیں۔ چنانچہ اشراف قریش میں سے پانچ آدمی اس بات پر متفق ہوگئے یعنی ہشام۔ زہیر
مُطعم بن عدی۔ ابوالبختری۔ زمعۃ بن الاسود اور انہوں نے باہم یہ عہد کرلیا کہ اس اقرارنامہ کو پھاڑ دینگے
اتنے میں ایک اور واقعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوا کہ معاہدہ کا کاغذ جو خانہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا تھا اس کو
دیمک کھا گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار ابوطالب سے کیا۔ ابوطالب نے ایک دن باہر
نکل کر سرداران قریش کو ان کے ظلم پر توجہ دلائی اور ساتھ ہی کہا کہ تمہارا معاہدہ دیمک نے کھالیا ہے اور یہ
ایک نشان ہے تم لوگ اس معاہدہ سے دست بردار ہو جاؤ۔ چنانچہ یہی فیصلہ ہوا کہ اگر معاہدہ کھایا ہوا
نکلے تو اسے کالعدم سمجھا جائے۔ معاہدہ دیکھنے پر کرم خوردہ ثابت ہوا ادھر وہ لوگ جو پہلے سے اس سختی
پر افسوس کر رہے تھے مسلح ہو کر شعب ابی طالب کے دروازہ پر آگئے اور اپنے آپ کو اس معاہدہ کا مخالف
ظاہر کیا اور جو لوگ محصور تھے ان سب کو باہر نکال کر اپنے اپنے گھروں میں بھیج دیا کسی کو مخالفت کی جرأت
نہ ہوئی۔ یہ واقعہ بعثت نبوی کے دسویں سال کا ہے +

ابوطالب اور خدیجہؓ کی وفات

شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد آپ کے چچا ابوطالب وفات پاگئے ابوطالب کو جس طرح آپ سے محبت
تھی اسی طرح آپ کو بھی ان سے محبت تھی گو وہ آخر تک اسلام نہیں لائے مگر ان کی جدائی آپ کیلئے بڑا
بھاری صدمہ تھا۔ اس کے چند دن بعد حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوگیا۔ اور آپ کیلئے ایک ایسے خدمتگذار اور
غمگسار رفیق کی جدائی ایسے حالات میں جب آپ کے صحابہ بھی آپ سے جدا تھے اور ابوطالب بھی فوت ہو
چکے تھے سخت صدمہ کا موجب ہوئی۔ لیکن ان صدمات سے آپ کی تبلیغ اسلام کی کوشش میں کچھ
فرق نہیں آیا۔ حضرت خدیجہؓ کی عمر وفات کیوقت ۶۵ سال تھی۔ یہ سال جو بعثت نبوی کا دسواں سال تھا۔
تاریخ اسلامی میں عام الحزن کے نام سے مشہور ہے یعنی غم کا سال کیونکہ آپ کے دو ایسے رفیق و غمگسار
اٹھ گئے جن سے آپ کو بہت کچھ تقویت ملتی تھی۔ اور اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکلات
پہلے سے بھی بڑھ گئیں اور ایک اور سختی کا زمانہ شروع ہوا +

۲۱۔ مکہ کے آخری ایام

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل ۷۶)

اور انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ تجھ کو اس سرزمین میں خفیف بنادیں تاکہ تجھے اس سے نکال دیں اور اس صورت میں یہ بھی تیرے پیچھے تھوڑے ہی دن رہیں گے

اب مکہ میں رہ کر دعوت الی الاسلام کا کام جاری رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور بھی مشکل ہو گیا۔ حضرت خدیجہ اور ابو طالب کی وفات کے بعد قریش کو آپ کا کوئی لحاظ باقی نہ رہا لیکن اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مظفر و منصور کرے گا آپ کا ایمان اس وقت بھی غیر متزلزل تھا۔ چنانچہ ایک دن جب آپ اس حالت میں کہ راہ چلتے چلتے آپ پر مٹی پھینک دی گئی۔ گھر پہنچے اور آپ کی صاحبزادی آپ کا سر دھوتی ہوئی روتی جاتی تھیں تو آپ نے بدیں الفاظ تسلی دی کہ روؤ نہیں اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی مدد کرے گا۔ آپ کو یہ یقین کامل تھا کہ ملک عرب اسلام قبول کرے گا۔ اور آپ کی غلامی میں آئے گا۔ اگر صرف آپ کو اپنی زندگی کی حفاظت مدنظر ہوتی تو آسان بات تھی کہ حبش میں ہجرت کر جاتے مگر اس کے یہ معنی ہوتے کہ عرب سے آپ مایوس ہو گئے آپ کو مایوسی کے تمام ظاہری سامان ہیچ نظر آتے تھے۔ اور دل یقین کامل سے بھرا ہوا تھا کہ یہی لوگ جو آج دشمن ہیں کل کو جاں نثار بنیں گے۔ بعثت پر دسواں سال جا رہا تھا مکہ والوں کی سخت دلی کو دیکھ کر آپ نے طائف کا رخ کیا کہ شاید وہاں کے لوگ زیادہ نرم ثابت ہوں اور اپنی بھلائی کی باتوں کو جلد قبول کر لیں۔ زید آپ کے ساتھ تھا سب سے پہلے آپ وہاں کے سب سے بڑے خاندان کے تین معزز بھائیوں کے پاس گئے مگر ان تینوں نے آپ کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ کی آپ کوئی دس دن کے قریب وہاں ٹھہرے اور یکے بعد دیگرے وہاں کے لوگوں کو اپنا پیغام پہنچانا چاہا۔ مگر یہ دنیا پرست کہاں خیال کر سکتے تھے کہ سرور دو عالم اس بیکسی کی حالت میں پھر رہا ہے کہ خود اپنی قوم اس کی دعوت کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ ہر طرف سے یہی جواب ملتا تھا کہ اگر سچے ہو تو پہلے اپنی قوم کو منواؤ۔ آخر آپ کو پیغام دیا گیا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ لیکن جونہی آپ چلے بازاری لوگوں نے رؤسا کے اشارہ سے آپ کے ساتھ ہنسی شروع کی شہر سے باہر رستے کے دونوں طرف دور تک لوگ پھیل گئے اور جونہی آپ ان کے درمیان سے گزرنے لگے آپ کی ٹانگوں پر پتھروں کی بوچھاڑ شروع کی لہولہان ہو کر جب آپ بیٹھنے لگتے تو ایک بدبخت آتا اور

ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیتا کہ یہاں سے چلے جاؤ یہاں تمہارے ٹھہرنے کا کیا کام ہے دو تین میل تک یہی حالت رہی اور آپ پر اس قدر پتھر برسائے گئے کہ جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ آخر جب بدمعاشوں نے آپ کا پیچھا چھوڑا تو آپ کچھ آرام لینے کے لئے ایک باغیچہ میں بیٹھ گئے۔ یہ باغ ایک کافر عتبہ بن ربیعہ کا تھا مگر آپ کو اس مظلومیت کی حالت میں دیکھ کر اس کے دل میں رحم آیا اور اس نے اپنے ایک غلام عداس نامی کے ہاتھ انگور کا خوشہ آپ کے لئے بھیجا۔ یہ ایک عیسائی غلام تھا۔ اور جب آنحضرت ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر انگور کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اسے تعجب ہوا اور دریافت کرنے پر آپ نے اسے اپنے منصب سے خبر دی اور وہ آپ پر ایمان لایا۔

طائف میں دعا

اپنے آپ کو اس بیکسی کی حالت میں اور چاروں طرف سے مخلوق کا اس قدر ظلم و ستم دیکھ کر آپ ذات باری کی طرف متوجہ ہوئے مگر نہ اس حال میں کہ آپ کے اندر کوئی مایوسی کا خیال پیدا ہوا ہو یا آپ کی زبان پر کوئی شکایت کا لفظ آیا ہو۔ آپ کا قلب ایسے ایمان سے پر اور اس قدر یقین سے معمور تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی یاس آپ کے پاس نہ آسکتی تھی۔ اس شدت اور اس انتہا درجہ کی بیکسی کے وقت آپ یوں جناب باری میں ملتجی ہوئے۔

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰى عَدُوٍّ بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى صَدِيْقٍ قَرِيْبٍ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَّمْ تَكُنْ غَضْبَانًا عَلَيَّ فَلَا اُبَالِيْ غَيْرَ اَنَّ عَافِيَتَكَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَضَاءَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَاَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ تُنْزِلَ بِيْ غَضَبَكَ اَوْ يَحِلَّ بِيْ سَخَطُكَ وَلَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔

اے میرے خدا اپنی کمزوری اور اپنی طاقت کی کمی کی اور لوگوں کی نظروں میں ہیچ ہونے کی تیری طرف ہی شکایت کرتا ہوں اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو ہی کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے تو کس کی طرف مجھے سپرد کرے گا۔ کسی اجنبی دشمن کی طرف جو مجھ سے ترشروئی کے ساتھ پیش آتا ہے یا قریب دوست کی طرف جس کے قبضہ میں تو نے میرا معاملہ دیا ہے۔ اگر تیری ناراضگی مجھ پر نہیں تو ان تمام باتوں کی مجھے کچھ پروا نہیں۔ لیکن تیری حفاظت میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس کے سامنے ساری تاریکیاں پاش پاش ہو کر روشن ہو جاتی ہیں اور جس سے دنیا اور آخرت

کے امور اصلاح پذیر ہوتے ہیں ہاں اس بات سے میں تیرے منور چہرے کی پناہ میں آتا ہوں کہ مجھ پر تیری ناراضگی ہو یا تیرا غصہ ہو۔ تیرے حضور عذر کرنا ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور کوئی طاقت اور قوت نہیں مگر تیرے ساتھ ✦

کاش کسی کے سینہ میں دل ہو تو وہ غور کرے کہ کیا یہ کلمات اس قدر سختیوں کے بعد ایک جھوٹے انسان کے منہ سے نکل سکتے ہیں؟ وہ سختیاں جو انسان برداشت نہیں کر سکتا آپ نے برداشت کیں۔ وہ مشکلات جو انسان سے خودکشی کرا دیتی ہیں آپ کو پیش آئیں مگر کتنا بڑا ایمان ہے کیسی رضا بالقضا ہے۔ کس قدر دل میں ٹھنڈک اور راحت ہے کہ کہتے ہیں یہ سب چیزیں ہیچ ہیں جب خدا راضی ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ ✦

مختلف قبیلوں کے پاس جانا

چند روز بعد آپ مکہ میں واپس آئے مگر داخل ہونے سے پہلے مُطعم بن عَدِی سے حفاظت کا عہد لیا۔ مکہ میں واپس آکر آپ اس انتظار میں تھے کہ کس راہ سے نصرت الٰہی آتی ہے اور کس مقام کی طرف آپ کو ہجرت کرنی پڑتی ہے۔ موسم حج آیا تو آپ ان تمام قبیلوں کے پاس ایک ایک کر کے گئے جو اطراف عرب سے اس موقع پر جمع ہوئے تھے۔ مگر جس مجمع میں آپ تقریر کرتے اور اسلام کے اصول ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے وہیں ابولہب بھی پہنچتا اور کہتا یہ شخص دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے یہ چاہتا ہے کہ لات و عزّیٰ کی تم پر حکومت نہ رہے اس کی بات مت سنو۔ اس لئے لوگ بھی توجہ نہ کرتے بعض قبیلوں نے بڑی سختی سے آپ کو رد کیا مگر آپ ہمت نہ ہارے۔ ایک قبیلہ کے لوگوں کو آپ کی باتیں پسند آئیں مگر ساتھ ہی اپنی کمزوری کا ذکر کیا کہ آبائی دین اس طرح یک دفعہ چھوڑنا مشکل ہے۔ ایک اور قبیلہ کے آدمی نے آپ کی باتیں سن کر یہ سوال کیا کہ اگر ہم لوگ آپ کا ساتھ دیں اور آپ غالب آجائیں تو کیا آپ کے بعد حکومت ہم کو ملے گی آپ نے فرمایا حکومت خدا کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے حکومت دے۔ کس قدر ہمت اور کتنا بڑا ایمان ہے۔ اگر محض اپنا غلبہ ہی مقصود ہوتا تو یہ اچھا موقعہ تھا مگر اپنی تدبیروں سے غالب آنا اس منصب کے منافی تھا جس پر آپ کو کھڑا کیا گیا۔ آپ صرف الٰہی نصرت کے منتظر تھے کیونکہ آپ کے ساتھ یہ وعدہ تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا اور آپ یقین سے جانتے تھے کہ وہ نصرت آکر رہے گی۔ البتہ یہ نہ جانتے تھے کہ کس راہ سے وہ نصرت آئے گی اور اس کی تلاش میں پھر رہے تھے ✦

اسی طرح ایام حج میں جب آپ مختلف قبیلوں کو دعوت اسلام دیتے پھرتے تھے عقبہ کے

اہل مدینہ سے ملاقات اور بیعت عقبہ اولیٰ

قریب آپ قوم خزرج کے چند آدمیوں کے پاس آئے۔ یہ مدینہ کے رہنے والے لوگ تھے۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون لوگ ہو۔ انھوں نے کہا خزرج۔ آپ نے فرمایا یہودیوں کے رفقا میں سے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا اگر تم بیٹھ جاؤ تو میں کچھ باتیں تمہارے ساتھ کروں۔ وہ بیٹھ گئے آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے یہودیوں سے سُن رکھا تھا کہ ایک موعود نبی کے آنے کا زمانہ قریب ہے پس ایک طرف اسلام کی تعلیم کی خوبی نے ان پر اثر کیا اور دوسری طرف اس پیشگوئی سے ان کے دل میں یہ یقین ہوگیا کہ آپ وہی موعود نبی ہیں اور انھوں نے آپ کے قبول کرنے میں سبقت کی۔ چنانچہ سب آدمی جو تعداد میں چھ تھے مسلمان ہوگئے۔ یہ گیارھویں سال بعثت کا واقعہ ہے۔ مدینہ میں کچھ چرچا اسلام کا ان کی وجہ سے ہوگیا اور تمام گھروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونے لگا۔ اگلے سال حج کے موسم میں بارہ آدمی جو مسلمان ہوچکے تھے حج کے لئے آئے اور ان بارہ سے آنحضرت صلعم نے مقام عقبہ پر بیعت لی جو بیعت عقبہ اُولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ بیعت ان الفاظ میں تھی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کریں گے اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے بہتان نہیں باندھیں گے اور امر معروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ یہ بارھویں سال بعثت نبوی مطابق ۶۲۱ء کا واقعہ ہے۔

بیعت عقبہ ثانیہ

اس اقرار کے بعد یہ لوگ واپس ہوئے کچھ دن بعد ان کی تعلیم کے لئے آپ نے مُصعَب بن عُمَیر کو بھیج دیا کہ ان کو قرآن سکھائے اور اسلام کی تعلیم دے۔ مصعب کی کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ اسلام مدینہ میں خوب زور سے پھیلا اور بڑے بڑے لوگ اَوس و خَزرج میں سے مسلمان ہوگئے یہاں تک کہ جب پھر حج کا موسم آیا تو ان میں سے تہتّر مرد اور دو عورتیں مکہ میں آئے۔ اور ایام تشریق میں اسی عَقَبہ کے مقام پر رات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی۔ آپ کے ساتھ حضرت عباس بھی تھے جو ابھی حالت کفر پر تھے۔ حضرت عباس نے اوّل گفتگو شروع کی اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو تم لوگ جانتے ہو۔ ہم نے اب تک آپ کی قوم سے یعنی دشمنوں سے آپ کی حفاظت کی ہے۔ اور آپ اپنے شہر میں عزت اور حفاظت کے مقام پر ہیں۔ لیکن اب آپ پسند کرتے ہیں کہ تمہارے شہر میں جائیں اور تمہارے ساتھ مل جائیں پس اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اس عہد کو پورا کروگے جس پر تم آپ کو وہاں بلاتے ہو۔ اور آپ کے مخالفوں سے آپ کی حفاظت کروگے تو تمہارا اختیار ہے کہ اس بوجھ کو اٹھاؤ۔ اور اگر تم سمجھتے

ہو کہ یہاں سے جانے کے بعد تم آپ کی حفاظت نہ کر سکو گے اور آپ کو دشمنوں کے سپرد کر دو گے۔ اور آپ کی عزّت نہ کرو گے تو ابھی سے آپ کو چھوڑ دو۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر عرب و عجم سے جنگ کی طاقت ہے تو آپ کو ساتھ لے جاؤ۔ انصار نے کہا ہم نے تمہاری بات سن لی ہے۔ اب یا رسول اللہ آپ خود جو عہد چاہیں ہم سے لیں۔ آپ نے قرآن شریف پڑھا اور کچھ نصیحت کی اور پھر فرمایا میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم دشمن سے میری حفاظت کرو گے جسطرح اپنے بیٹوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اس پر براء بن معرور نے جو ان میں سردار تھے آپ کا ہاتھ پکڑا۔ اور کہا ہم اس پر آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ بیعت کرنے کے بعد آپ نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کر دیئے یہ بعثت نبوی کا تیرھواں سال تھا اور ۶۲۲ء اپریل کا مہینہ تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انصار نے خود نبی کریم صلعم کو بلایا تھا۔ اور آپ نے ان کی دعوت کو قبول کیا۔ اور جو عہد ان سے لیا گیا تو یہ ملک عرب کا عام دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی غیر قوم میں جا کر رہتا تو وہ اس کی حفاظت کا عہد کرتے تھے۔ ورنہ ہر قبیلہ یا قوم صرف اپنے افراد کی حفاظت کے ذمہ وار ہوتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلعم جانتے تھے بلکہ حضرت عباس بھی کہ کفار آپ کو مدینہ میں امن سے نہ رہنے دیں گے اس لئے یہ معاہدہ ان سے لینا ضروری ہوا کہ اگر دشمن چڑھائی کرے تو وہ آپ کی حفاظت کریں گے کیونکہ آپ دیکھ چکے تھے کہ کس طرح آپ کے صحابہ کا تعاقب ملک حبش تک کیا گیا۔ انہی باتوں کو مدنظر رکھ کر یہ عہد لیا گیا اور یہ بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس بیعت کی کچھ اڑتی اڑتی خبر قریش کو بھی مل گئی۔ لیکن چونکہ اس کا علم سوائے ان خاص مسلمانوں کے جو بیعت میں شامل تھے یا حضرت عباس کے اور کسی کو نہ تھا۔ اور مشرکین مدینہ کو بھی اس کی خبر نہ تھی اس لئے کفار کو ان سے زیادہ خبر نہ مل سکی۔ مگر جب لوگ حج سے واپس ہو گئے تو یہ خبر شہرت پا گئی کیونکہ نبی کریم صلعم نے خود اس کو چھپانا نہ چاہا۔ قریش نے مدینہ کے قافلہ کا تعاقب کیا مگر وہ ان کو نہ پا سکے۔ صرف دو آدمی ان کو ملے جن میں سے ایک بھاگ گیا اور دوسرا سعد بن عُبادہ پکڑا گیا جس کو وہ بال پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے واپس مکہ میں لے آئے مگر چونکہ سعد نے بعض قریش کی مدینہ میں کچھ خدمت کی تھی اس لئے ان کی حمایت کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیا گیا۔

صحابہ کا مدینہ میں ہجرت کرنا

اس کے بعد صحابہ نے ایک ایک دو دو کر کے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کی۔ اور کفار سے حتی الوسع اس بات کو مخفی رکھا جس کے متعلق ان کو خبر مل جاتی اسے روکنے کی کوشش کرتے۔ مگر ان کی روک ٹوک چنداں مؤثر نہ ہوتی دو ماہ میں مکہ مسلمانوں سے قریباً خالی ہو گیا۔ اور صرف آنحضرت صلعم

دشمنوں میں تنہائی اور خدا پر بھروسہ

اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے۔ یہ واقعہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالےٰ پر توکل کے کمال کو ظاہر کرتا ہے۔ دشمنوں کی سختی روز بروز بڑھتی چلی جاتی تھی۔ مدینہ میں اسلام کے قوت پذیر ہونے سے ان کا غضب اور بھی زیادہ ہوتا جارہا تھا۔ نبی کریم صلعم کی حفاظت کا وہ پہلا سامان بھی نہ تھا۔ باوجود اس کے آپ اپنی فکر نہیں کرتے بلکہ اپنے صحابہؓ کی فکر کرتے ہیں ان کو پہلے حفاظت کے مقام پر پہنچاتے ہیں اور خود غضبناک دشمنوں کے اندر تن تنہا رہ جاتے ہیں۔ اور یوں چاروں طرف سے ایسے دشمنوں میں گھرے ہوئے جو غضب میں اور بھی زیادہ تند ہوگئے ہیں۔ یہ بتا دیتے ہیں کہ آپ اپنی حفاظت کے لئے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھتے تھے نہ ظاہری اسباب پر۔ آپ چاہتے تو یوں کرسکتے تھے۔ کہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے سب سے پہلے مدینہ چلے جاتے۔ اور اگر آپ ایسا کرتے تو کون اس پر نکتہ چینی کرسکتا تھا اور کون دوست شکایت کرسکتا تھا کیونکہ اسلام کی زندگی کا دارومدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر تھا۔ لیکن آپ کے پہلے مدینہ چلے جانے کا نتیجہ کیا ہوتا؟ کفار یہ دیکھ کر آپ کے ایک ایک ساتھی کو چن چن کر مار ڈالتے۔ پس آپ کے اس قلب نے جو اپنے صحابہؓ کے ساتھ مہرِ مادر سے بھی زیادہ محبت رکھتا تھا یہ اجازت نہ دی کہ آپ اپنے صحابہ کو تکلیف میں ڈالیں آپ نے خود تنہا غضبناک دشمنوں میں رہ کر بتا دیا کہ آپ کا ان وعدوں پر کس قدر ایمان ہے جو آپ کی حفاظت اور نصرت کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل چکے تھے۔

۱۳- ہجرت
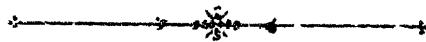
اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ

اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو یقیناً اللہ نے اس کی مدد کی جب اس کو اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا نکال دیا اس حال میں کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار

يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ ۴۰)

میں تھے جب اس نے اپنے رفیق سے کہا کہ غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے

دارالندوہ میں آخری فیصلہ

بعثت نبوی کا چودھواں سال شروع ہو چکا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ دشمنوں کے اندر گھرے ہوئے رہ گئے تھے آپ کے کُل کے کُل رفقا گھر بار چھوڑ کر حبش یا مدینہ میں پہنچ چکے تھے۔ مگر آپ کی انتہائی بیکسی کی تصویر کا نظارہ دیکھنا ابھی باقی ہے۔ جب آپ اس حالت میں رہ گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو آپ نے ہجرت میں اپنا رفیقِ سفر بنانے کے لئے چُن لیا تھا اکثر کہتے کہ یارسول اللہ مکہ سے ہجرت کیجئے تو آپ فرماتے کہ ابھی مجھے اللہ تعالےٰ نے حکم نہیں دیا۔ کیا ایمان ہے کہ دشمن تو اس تاک میں ہیں کہ موقعہ پاکر آپ کا کام تمام کردیں۔ اور آپ اس لئے مکہ کو نہیں چھوڑتے کہ ابھی اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ یہ ایک معمہ ہے جس کو قریش کا آخری فیصلہ حل کرتا ہے اب تک متفرق طور پر اپنے اپنے رنگ میں کوششیں ہو چکی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کیا جائے۔ مخالفت بھی بہتیری ہو چکی ایذا دہی بھی ہو چکی۔ استہزا بھی ہو چکا مگر قریش کے جرموں کا پیالہ ابھی لبریز نہ ہوا تھا۔ آخر وہ وقت بھی آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا دیکھ کر انہوں نے ایک عظیم الشان قومی مشورہ دارالندوہ میں کیا جہاں کل اہم قومی امور طے پاتے تھے۔ یہاں کل اشراف قریش جمع ہوئے کسی نے مشورہ دیا کہ آپ کو بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا جائے اور مکان بند کر دیا جائے یہاں تک کہ آپ وفات پا جائیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوا کہ آپ کے ساتھی ممکن ہے کسی دن قوت پکڑ کر آپ کو چھڑا لیں۔ ایک اور نے مشورہ دیا کہ آپ کو جلا وطن کر دیا جائے اس پر یہ اعتراض ہوا کہ آپ کے کلام میں ایسا اثر ہے کہ جس قبیلہ میں آپ جائیں گے اس کو اپنے ساتھ کرلیں گے اور قوت پکڑ کر کسی دن ہم کو پھر مغلوب کرلیں گے۔ سب سے آخر ابوجہل نے اپنی رائے پیش کی اور کہا کہ ہم قریش کے ہر قبیلہ سے ایک مضبوط صاحب نسب نوجوان لیں اور پھر ہر ایک کو ایک تیز تلوار دیں۔ اور یہ سب

دشمنوں کے اندر سے نکل جانا

کے سب یکمرتبہ آنحضرت پر حملہ کر کے آپ کو مار ڈالیں۔ اس طرح پر آپ کا خون سب قبیلوں میں بٹ جائے گا اور بنو ہاشم کسی ایک قبیلہ سے انتقام نہ لے سکیں گے اور دیت پر راضی ہو جائیں گے اس پر سب کا اتفاق ہو کر مجمع منتشر ہو گیا۔

ادھر یہ مشورہ ہوا ادھر آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی کہ اب قریش کے جرموں کا پیالہ لبریز ہو گیا انہوں نے آخری اور قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے خیر خواہ حقیقی۔ ہاں دنیا کے لیے مزکی کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ آج رات آپ گھر میں نہ سوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلایا کہ میرے ذمہ بہت سی امانتیں ہیں تم میری جگہ سوؤ۔ اور امانتیں ادا کر کے مدینہ پہنچ جاؤ۔ باوجود اس قدر مخالفت کے بھی لوگوں کو آپ کی راستبازی پر کس قدر بھروسہ تھا کہ اب بھی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے اس غرض کے لئے حضرت علیؓ کو آپ نے پیچھے چھوڑا۔ ادھر حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی کہ تیار ہو جاؤ۔ ہجرت کا حکم ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی آپ کے ساتھ ہونگا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابوبکر فرط خوشی سے رو پڑے ہجرت کے دکھ اور مصیبتیں اٹھانے کے لئے اس قدر خوشی کیوں تھی؟ اس لئے کہ وہ محبوب ساتھ ہے جس پر جان فدا کر دینے کی تڑپ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دو اونٹنیاں پہلے سے تیار کر رکھی تھیں کھانا وغیرہ سب کچھ تیار ہو گیا۔ اور ضروری امور طے ہو کر ایک قرارداد ہو گئی۔ شام کے بعد تھوڑی تاریکی ہوئی تھی کہ قریش کے قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی منتخب ہو کر اور تلوار ہاتھ میں لے کر آ گیا اور رسول اللہ صلعم کے گھر کا محاصرہ کر لیا کہ آپ باہر نکلیں تو آپ کو قتل کر دیا جائے۔ آپ نے اپنی جگہ پر حضرت علیؓ کو سلایا۔ کیونکہ انہیں کو آپ کے بعد آپ کی امانت کی ادائیگی کا فرض پورا کرنا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ قریش آنحضرتؐ کو بستر پر قتل نہ کرتے کیونکہ یہ ان کے اصول کے خلاف تھا کہ گھر کے اندر گھس کر قتل کریں اور حضرت علیؓ جب باہر تشریف لاتے تو ان کو کوئی قتل نہ کرتا۔ قاتل اس غلطی میں رہے کہ آنحضرت صلعم سو رہے ہیں جب باہر نکلیں گے قتل کر دیں گے۔ ادھر نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ تاریکی ہو گئی ہے تو اس خدا پر بھروسہ کر کے آپ نے تیرہ سال ان دشمنوں کے اندر گزارے تھے اپنے قاتلوں کے بیچ میں ہوتے ہوئے اور ان کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے اور قرارداد کے مطابق حضرت ابوبکرؓ سے ملے پھر یہ دونوں مقدس رفیق ایک پر خطر غار میں جو غار ثور کے نام سے مشہور ہے۔ پہنچے۔ یہ غار مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے اس غار کے اندر داخل ہوئے اور اس کو صاف کیا۔ سوراخ وغیرہ جو اس کے اندر تھے ان کو ٹٹول کر بند کیا۔ پھر رسول صلعم داخل ہوئے۔

ایک غار کے اندر آپ کو وہ مقدس پیغام پہنچا جس نے دنیا کی تاریخ میں ایک ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا۔ دوسرے غار میں آپ کو انتہائی بیکسی کے وقت پناہ ملی۔ اور چونکہ آپ کی ہجرت اسلام کا سنہ پیدائش سمجھا گیا ہے۔ جس سے تاریخ اسلامی کی ابتدا ہوتی ہے اس لئے یوں کہنا چاہئے کہ اسلام کا ظہور ان دو غاروں سے ہوا۔ آپ کی ہجرت چودھویں سال بعثت کے ماہ صفر کے آخری ایام میں ہوئی اور یہ ماہ جون ۶۲۲ء کے مطابق تھا۔

دشمنوں کا غار تک پہنچنا

صبح ہوئی تو قاتل لوگ حضرت علیؓ کو بستر سے اٹھتا ہوا دیکھ کر حیران رہ گئے چاروں طرف جستجو شروع ہوئی بڑے بڑے انعام مقرر ہوئے۔ تلاش کرتے کرتے غار ثور کے سر پر بھی پہنچے یہ وہ وقت تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے پاؤں کی آہٹ کو سنا اور آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر ذرا اور بڑھے تو دیکھ لیں گے اس خیال کے دل میں آتے ہی آپ مغموم ہوئے۔ اپنے لئے نہیں بلکہ اس قیمتی انسان کے لئے جس کی جان کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ کیا وقت ہے خونخوار دشمن سر پر ہے۔ بس ایک نظر پڑنے کی دیر ہے کہ آن کی آن میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ اس وقت ان الفاظ کا آپ کے منہ سے نکلنا لا تحزن ان اللہ معنا۔ اے ابوبکرؓ غم نہ کر۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ کسی انسان کے وہم و گمان میں نہیں آسکتا۔ اگر یہ باتیں آپ کے اندر سے نکلی ہوئی ہوتیں تو اب وہ وقت تھا کہ آپ کے اوسان خطا ہو جاتے۔ بھاگنے کی کوئی راہ نہیں۔ دشمن قتل کا قطعی فیصلہ کر چکا ہے۔ لیکن اس انتہائی بیکسی کے وقت بھی جب دنیا میں نہ کوئی یار و مددگار باقی رہ گیا ہے نہ گریز کی جگہ ہے۔ اپنی حفاظت و سلامتی کے متعلق کس قدر یقین کامل کا اظہار آپ کے دہن مبارک سے ہوتا ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے ہمیں کوئی نہیں پکڑ سکتا نہ کوئی مار سکتا ہے۔ یہ انسان کے اندر کی آواز نہیں ہو سکتی خود انسان کا دل ایسے حالات کے اندر یہ شہادت نہیں دے سکتا۔ یہ خدائے عالم الغیب کی آواز تھی جو جانتا تھا کہ سر پر پہنچ جانے کے باوجود بھی دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔

سفر مدینہ

تین دن آپ غار میں رہے حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا عبداللہ ان ایام میں آپ کو شہر کی خبریں پہنچاتا رہا اور انہی کا غلام عامر بن فہیرہ بکریاں چراتا چراتا ان کو غار کے منہ پر لے جاتا اور ان کا دودھ دوہ کر پلاتا حضرت اسماء ابوبکر کی بیٹی کھانا پہنچاتیں۔ آخر جب تلاش کے متعلق خاموشی ہوگئی تو چوتھے دن آپ غار سے نکلے۔ دونوں اونٹنیاں حضرت ابوبکرؓ کی تیار تھیں۔ آنحضرت صلعم نے باوجود اس کے کہ ابوبکرؓ اپنا مال اور اپنی جان آپ پر فدا کر چکے تھے یہی پسند کیا کہ اونٹنی حضرت ابوبکرؓ سے خرید کر اس پر سوار ہوں۔ عبداللہ بن اریقط ایک کافر راستہ دکھانے کے لئے ساتھ لیا تھا۔ عامر بن فہیرہ

کو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پیچھے سوار کر لیا تاکہ رستہ میں کچھ خدمت کا کام دے گو نبی کریم صلعم کی
خدمت وہ خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ دھوپ کی گرمی ہوئی تو ایک چٹان کے سایہ میں جگہ صاف
کر کے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی چادر بچھا دی آنحضرت صلعم اُس پر لیٹ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کے
لئے کچھ غذا کی تلاش میں نکلے ایک چرواہا مل گیا۔ بکری کے تھن صاف کر کے اس کا دودھ دوہا
اور ایک صاف برتن میں لے کر اور کپڑے سے ڈھانک کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلعم کی طبیعت کس قدر نفاست پسند ہے +

سراقہ کا واقعہ

قریش نے اعلان کیا کہ آنحضرت صلعم کے گرفتار کر کے لانے والے کو سو اونٹ انعام ملے
گا جو لوگ نکلے ان میں سے سُراقہ بن مالک بن جعشم کو ایک شخص سے یہ خبر ملی کہ اس نے تین
سواروں کو مدینہ کی طرف جاتے دیکھا ہے یہ شخص بڑا قوی ہیکل تھا۔ کسی کو اطلاع دیئے بغیر زرہ
پہن کر اور مسلح ہو کر تیر و ترکش ساتھ لے کر تیز گھوڑے پر نکلا۔ اثنائے تعاقب میں ایک جگہ گھوڑے
نے ٹھوکر کھائی اور وہ گرا۔ فال نکالی تو نفی میں نکلی یعنی تعاقب نہ کرنا چاہئے۔ پھر تعاقب کیا پھر
ایسا ہی ہوا پھر وہی فال نکلی تیسری مرتبہ قریب پہنچا اور قریب تھا کہ تیر سے وار کرے۔ کہ گھوڑا
گرا اور اس کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے سُراقہ خود بیان کرتا ہے تب میں نے سمجھا کہ مقدر
یہی ہے کہ آنحضرت صلعم کا امر غالب ہو۔ آخر قتل کے ارادہ کو ترک کر کے مخلصانہ حاضر خدمت ہوا
اور عرض کیا کہ مجھے معافی دیجائے اور جب خدا آپ کو حکومت دے تو مجھ سے اس کا مواخذہ
نہ کیا جائے آپ نے تحریر لکھوا دی (قلم دوات کاغذ آپ کے ساتھ رہتا تھا تاکہ جو وحی نازل ہو
وہ ساتھ کی ساتھ لکھی جائے) ساتھ ہی آپ نے سُراقہ کو مخاطب کر کے کہا اے سُراقہ میں تمہارے
ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں۔ یہ کشفی نظارہ جو بیس سال بعد کی ایک خبر بتا رہا تھا
ان حالات میں خیالات انسانی سے بالاتر ہے وہ شخص جو نہایت بیکسی کی حالت میں عرب کے
معمولی چند دشمنوں کے ہاتھ سے چھپ کر شہر چھوڑ کر بھاگا ہے اور جسے ابھی چاروں طرف خطرہ لگا ہوا
ہے کہ کوئی دشمن نہ پہنچ جائے اس بیکسی کی حالت میں کسریٰ کی سلطنت کے مالک ہو جانے کی
خوشخبری پاتا ہے۔ وہ لفظ جو اس بھاگنے والے کے منہ سے اس حالت میں نکلے۔ آخر وہ حضرت عمرؓ
کے زمانہ میں پورے ہوئے۔ پندرہ سال بعد حضرت عمرؓ نے ایران کے مال غنیمت کے آنے پر سُراقہ
کو بلایا اور کسرے کے کنگن اس کے ہاتھ میں پہنائے۔ یہ وہ معجزات ہیں جنہیں دیکھ دیکھ کر صحابہ
کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایسا ایمان پیدا ہوا کہ گویا وہ ان آنکھوں سے اللہ تعالےٰ کو دیکھ

سہے تھے ؛

ان تسلیوں میں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے ملتی رہتی تھیں۔ اور جو آپ کی حیرت انگیز ثابت قدمی میں آپ کی معاون ہوتی تھیں وہ وحی بھی ہے جو آپ کو اس سفر ہجرت میں ہوئی کہ وہ خدا جس نے تم پر قرآن فرض کیا ہے۔ یقیناً یقیناً تم کو مکہ میں لوٹا کر لائے گا[1]۔ اس کے علاوہ اس سے پیشتر بھی آپ کو بار بار اطلاع دی گئی تھی کہ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنی ہوگی اور اسلام کی اصل کامیابی کا زمانہ کسی دوسرے مرکز سے شروع ہوگا۔ قرآن شریف ان پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے اور عین اس وقت جب کفار کی مخالفت زوروں پر تھی۔ اور نبی کریم صلعم پر نہایت بیکسی کا زمانہ تھا۔ کفار کو یہ بار بار کہا جاتا تھا کہ تم جتنا زور مخالفت میں چاہو لگا لو دین اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہجرت سے پیشتر آپ نے یہ خواب دیکھا کہ آپ نے ایک ایسے مقام میں ہجرت کی ہے جو نہایت سرسبز ہے۔ آپ نے اسے یمامہ خیال کیا۔ مگر وہ مدینہ نکلا ؛

مکہ میں واپس لانے کا خدائی وعدہ

اسلامی تاریخ میں سنہ اسلامی کی ابتدا بعثت نبوی سے نہیں بلکہ ہجرت نبوی سے لی گئی ہے گویا ہجرت کو ہی اسلام کی پیدائش کا زمانہ قرار دیا گیا ہے۔ صحابہؓ کی باریک نظر اس بات تک پہنچی ہوئی تھی کہ ہجرت کے ساتھ ہی اسلام کی اصل کامیابیاں وابستہ ہیں۔ ہجرت میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیکسی کی حالت انتہا کو پہنچی۔ اسی لئے دین اسلام کی کامیابی اور اس کے ساتھ نصرت الٰہی کے ہونے کی اس واقعہ کو دلیل ٹھہرایا گیا۔ جیسا کہ آیت مندرجہ عنوان میں فرمایا کہ اگر تم اس کی نصرت نہ کرو تو اللہ نے اس کی نصرت اس انتہائی بیکسی کے وقت کی جب کافروں کے ظلم کی وجہ سے آپ کو مکہ سے نکلنا پڑا۔ اور صرف ایک ہی آپ کا رفیق تھا یہ گویا دین اسلام کے ساتھ ہمیشہ کے لئے وعدہ ہے کہ سخت سے سخت مصائب سے بھی اللہ تعالےٰ دین اسلام کو کامیابی کے ساتھ باہر نکالتا رہے گا ؛

ہجرت کی اہمیت

مکہ میں تیرہ سال میں آپ نے خطرناک مخالفتوں کے اندر کیا کام کیا؟ تین سو کے قریب وہ انسان آپ کی قوت قدسی سے پیدا ہوگئے۔ جنہوں نے خطرناک اذیتیں اٹھا کر آپ کا ساتھ دیا۔ گھر بار چھوڑ دیئے۔ جائدادیں چھوڑ دیں مگر آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بہتیرے ایسے تھے کہ دل سے صداقت اسلام کے قائل تھے مگر بوجہ کمزوری کے ظاہر طور پر ساتھ نہ ہو سکتے تھے۔ اس تبدیلی پر جو تیرہ سال میں آپ نے پیدا کردی۔ اور ساری قوم کی مخالفت کے باوجود کردی ایک دشمن کے منہ سے یہ کلمات

عظیم الشان تبدیلی اور صحابہ کا مقام

[1] ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد (القصص ۹۴) معاد مکہ کو کہا ہے اس لئے کہ وہاں لوگ حج کے لئے لوٹ لوٹ کر آتے ہیں ؛

مدح نکلتے ہیں۔ یعنی سر ولیم میور لکھتا ہے:۔

وہ ایسے تھوڑے عرصہ میں مکہ اس عجیب تحریک سے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا۔ جو قوم اور قبیلہ کے پرانے امتیازات کو بھلا کر ایک دوسرے کے خطرناک مخالف ہوگئے۔ مومنین نے صبر اور استقلال کے ساتھ تمام تکلیفوں کو کو برداشت کیا ...... ایک سو مرد و عورت بجائے اس کے کہ اپنے قیمتی ایمان کو چھوڑیں گھر بار چھوڑ گئے اور ملک حبش میں جلاوطن ہوگئے یہاں تک کہ مخالفت کا طوفان دب جائے اور اب اس سے بھی زیادہ آنحضرت صلعم بمعیت اس شہر سے بھاگ رہے تھے جس کے ساتھ ان کو نہایت درجہ کی محبت تھی اور جہاں وہ پاک گھر تھا جس کو وہ دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ محبوب سمجھتے تھے۔ اور مدینہ کو جا رہے تھے۔ وہاں اسی عجیب کشش نے دو تین سال کے عرصہ کے اندر ایک ایسا سلسلہ اخوت پیدا کر دیا تھا جو آنحضرت اور آپ کے صحابہ کی حفاظت اپنے خون سے کرنے کے لئے تیار تھا۔ یہودی صداقت مدت سے اہل مدینہ کے کانوں میں گونجتی تھی مگر وہ اس وقت تک خواب سے بیدار نہیں ہوئے جب تک کہ نبی عربی کی روح ہلا دینے والی آواز ان کے کان میں نہیں پہنچی اور اس آواز سے ایک نئی اور سنجیدہ زندگی ان کے اندر پیدا ہوگئی"

"آپ کے صحابہ کی نیکیاں محمد صلعم کے اپنے الفاظ میں یوں بیان ہوسکتی ہیں"[1]

"اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں۔ اور جب جاہل ان کو خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلامتی ہو۔ اور وہ جو خدا کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہو کر رات کاٹتے ہیں"۔

"اور وہ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے عذاب جہنم پھیر دے کیونکہ اس کا عذاب ایسا چمٹ جانے والا ہے جس سے خلاصی نہیں ملتی وہ بری قرار کی جگہ اور برا مقام ہے"۔

"اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں"۔

"اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے منع کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور زنا نہیں کرتے"۔

"اور وہ جو جھوٹ کے پاس نہیں جاتے اور جب لغو کے پاس سے گزرتے ہیں تو بزرگانہ طور پر گزرتے ہیں"۔

"اور وہ جن کو جب ان کے رب کے احکام یاد دلائے جاتے ہیں بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر جاتے"۔

"اور وہ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری نسل سے ایسے عطا فرما جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں۔ اور ہمیں متقیوں کا امام بنا"۔

---

[1] الفرقان ۶۳ تا ۷۴

فی الحقیقت یہ اور اس قسم کی سینکڑوں آیات جن میں نیک لوگوں کا نقشہ کھینچا ہے وہ کوئی فرضی نقشہ نہیں بلکہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نقشہ ہے۔ اور ایک انسان کی قوت قدسی نے تمامتر مخالفتوں کے اندر یہ کام کیا کہ تھوڑے سے عرصہ میں سینکڑوں انسانوں کو ذلیل ترین بت پرستی کی حالت سے نکال کر گندے رسم و رواج سے الگ کر کے اعلےٰ درجہ کی نیکیوں کے مقام پر کھڑا کر دیا ان کے اندر اس قسم کا احساس اور ایسی بیداری پیدا کر دی کہ جس اصول پر ایک مرتبہ سوچ سمجھ کر قائم ہو گئے اور جس میں اپنی اور مخلوق خدا کی بھلائی سمجھی اس کو چھوڑا نہیں۔ چاہے مشکلوں کے پہاڑ بھی سامنے آ گئے ہوں۔

۱۴- مدینہ کے ابتدائی ایام

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ

جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کیساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور وہ جنہوں نے انہیں

آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (الانفال ۷۲)

پناہ دی اور مدد دی یہ ایک دوسرے کے ولی ہیں

مدینہ میں ورود اور قبا میں قیام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے نکلنے کی خبر مدینہ میں پہنچ چکی تھی مگر تین دن تک آپ کا غار ثور میں رہنا کسی کو معلوم نہ تھا اس لئے اس وقت مدینہ میں لوگ بڑے شوق سے انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ صبح ہوتے بعض عشاق آگے رستہ پر دور دور نکل جاتے۔ آخر انتظار کی گھڑیاں پوری ہوئیں اور آفتاب رسالت افق مدینہ پر جا نکلا۔ خاص شہر سے تین میل کے فاصلہ پر چھوٹی آبادی ہے جو قبا کے نام سے موسوم ہے۔ اور عوالی مدینہ کہلاتی ہے یہاں انصار کے کئی خاندان آباد تھے۔ ان میں عمرو بن عوف کا خاندان بہت ممتاز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر میں داخل ہونے سے پیشتر انہی کی مہمانی قبول کی اور قبا میں ٹھہر گئے یہ ۸ ربیع الاول دوشنبہ کا دن تھا۔ اور ماہ جون ۶۲۲ء کے آخری ایام تھے۔ کئی مہاجرین بھی یہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مدینہ میں جو مسلمان تھے وہ بھی جوق در جوق زیارت کے لئے جمع ہو گئے۔ چودہ دن تک آپ نے یہاں قیام فرمایا حضرت علیؓ بھی یہیں آپ سے آملے یہاں مسجد قبا بنائی گئی یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو اسلام میں بنائی گئی اور اس کا ذکر قرآن شریف میں سورہ توبہ میں آیا ہے[۵۱]۔ اس کی تعمیر میں آپؐ خود اور

مسجد قبا

صحابہؓ سب مزدوروں کی طرح کام کرتے تھے۔ ۲۲ ربیع الاول کو آپؐ خاص شہر میں داخل ہوئے شہر میں اس دن گویا عید تھی۔ لوگ سج دھج کر نکلے عورتیں کوٹھوں پر چڑھ کر خوشی کے گیت گاتی تھیں

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلَّهِ دَاعٍ

ہر ایک انصاری چاہتا تھا کہ اس کا جان و مال آپ پر فدا ہو اور آپؐ اسی کے ہاں قیام

---

[۵۱] الْمَسْجِدُ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ (الانفال ۹-۱۰۹)

فرمائیں۔ آپ نے اپنی اونٹنی کو چھوڑ دیا۔ کہ جہاں بیٹھ جائے وہی جگہ آپ کے اُترنے کی ہوگی۔ حضرت ابو ایوب کے گھر کے سامنے اونٹنی آ ٹھہری۔ یہاں ایک ویران سی جگہ تھی جو دو یتیموں کی تھی۔ اس کے ایک حصہ میں اونٹ بندھتے تھے ایک طرف کچھ قبریں تھیں، کچھ درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ انہوں نے چاہا کہ یہ زمین مسجد نبوی کے لئے مفت دی جائے مگر آپ نے پسند نہ کیا۔ قیمتاً زمین خریدی گئی اور سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ یہاں مسجد بنائی گئی۔ اس مسجد کی تعمیر میں جو مزدور اور معمار لگے وہ خود سرورِ عالم اور ان مقدس انسانوں کا گروہ تھا جو اپنا سب کچھ خدا کے لئے کر چکے تھے۔ پتھر اٹھاتے اور اس محنت کو اپنی رُوح کی غذا سمجھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ یہ پڑھتے جاتے اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃِ فَانْصُرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃَ۔ اے خدا آخرت کی بھلائی ہی اصلی بھلائی ہے تو انصار اور مہاجرین کی نصرت فرما۔ مسجد کیا تھی سادگی کا ایک کامل نمونہ تھا۔ کچی دیواریں کھجور کے ستون کھجور کی شاخوں اور پتوں کی چھت کچا فرش۔ جب بارش ہوتی تو چھت ٹپکتی اور اندر کیچڑ ہو جاتی۔ اس تکلیف کے دور کرنے کے لئے بعد میں سنگریزے بچھا دیئے گئے۔ مسجد کے ایک سرے پر ایک چھتا ہوا چبوترہ تھا۔ یہاں وہ لوگ رہتے جو اپنا گھر بار نہ رکھتے تھے اور اصحاب صُفّہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ گویا مسجد کے ساتھ درسگاہ کی بنیاد تھی کیونکہ یہ لوگ اپنا وقت تعلیم دین پر ہی صرف کرتے تھے اسی مسجد سے ملے ہوئے دو حجرے آنحضرت صلعم کی بیویوں کے لئے بنائے گئے بعد میں جب اور ازواج مطہرات سے آپ نے نکاح کیا تو اور حجرے بنتے گئے ان سب کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔

مسجد نبوی

اصحاب صفہ

مکہ معظمہ میں تو کھلے طور پر نماز باجماعت نہیں ہو سکتی تھی۔ اب مدینہ میں جو امن ملا۔ تو لوگوں کو نماز کے اوقات پر بلانے کے لئے مختلف تجاویز پر غور ہوا۔ اسی رات کو حضرت عمرؓ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص یہ کلمات دوہرا رہا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ یعنی اذان اور اقامت کے پورے کلمات۔ آپ نے صبح سویرے یہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ نے فرمایا یہی نماز کے لئے بلانے کو ہماری اذان ہے۔ ایک اور صحابی نے بھی بعینہ یہی رویا دیکھا۔ جمعہ کی ابتدا بھی مدینہ میں ہوئی اور سب سے پہلا جمعہ جو آپ نے پڑھا وہ وہ دن تھا جب آپ قُبا سے نکل کر شہر کی طرف آئے۔

اذان اور جمعہ

نماز کے انتظام کے بعد دوسری ضرورت مہاجرین کا انتظام کرنا تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی آسانی کی صورت پیدا کرے ان کی رہائش وغیرہ کا کچھ بندوبست ہو جائے۔ ان میں اکثر

مہاجرین و انصار میں مواخاۃ

مہاجرین کا تجارت و کھیتی باڑی میں مشغول ہونا

لوگ گو صاحب مال تھے مگر مکہ سے ان کو چھپ کر اور اپنے تمام اموال و جائداد چھوڑ کر بھاگنا پڑا تھا آپ نے مہاجرین کی تکالیف کا یہ علاج کیا کہ ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری میں مواخاۃ قائم کر دی یعنی دو دو کو بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ عقد اخوت جس ہمدردی اور محبت کی روح کا نتیجہ تھا ویسی ہی ہمدردی اور محبت انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں سے کرکے دکھائی جس کو جس کا بھائی بنایا گیا اس نے اپنے ساتھی کو گھر لے جا کر ایک ایک چیز کا نصف کر دیا اور اپنا نصف مکان بھی رہائش کے لئے دے دیا۔ انصار نے یہ بھی چاہا کہ مہاجرین کو اپنی نصف نصف کھیتیاں دے دیں کیونکہ انصار اکثر زراعت کا کام کرتے تھے۔ مگر مہاجرین چونکہ تجارت پیشہ لوگ تھے اس لئے رسول اللہ صلعم نے اس بات سے روکا۔ تب انصار نے یہ فیصلہ کیا کہ محنت اور کاروبار کھیتی کا خود کریں اور نصف پیداوار اپنے مہاجر بھائیوں کو دے دیں۔ یہ عقد اخوت یہاں تک مضبوط ہوا کہ حقیقی رشتہ داری بھی پیچھے رہ گئی اور جب ایک ان دو بھائیوں میں سے فوت ہو جاتا تو دوسرا اس کی جائداد کا وارث ہو جاتا۔ مگر اس کو قرآن کریم نے بعد میں روک دیا۔ اور وراثت کو تعلقات قرابت کے لئے خاص کر دیا۔[1] مہاجرین بھی ایسے نہ تھے کہ اپنے بھائیوں کے لئے بار خاطر بن جاتے اور مفت کی کمائی کھاتے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف کو جب سعد بن ربیع نے ہر ایک چیز کا نصف دینا چاہا تو انہوں نے اس ہمدردی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا مجھے بازار کا رستہ بتا دو چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں تجارت کرکے انہوں نے خوب مال پیدا کر لیا۔ اور مہاجرین نے بھی کاروبار تجارت شروع کر دیا بعض ایسے بھی تھے کہ ان کو اور کوئی کام نہ ملتا تھا تو بازار میں حمالی کرکے کچھ کماتے اور اسی میں سے خود کھاتے کچھ قومی بیت المال میں داخل کرتے تاکہ مسلمانوں کی بہبودی پر صرف ہو۔ کاش یہ روح آج بھی مسلمانوں میں ہو کہ محنت سے دل نہ چرائیں اور جو کچھ محنت سے کمائیں اس کا ایک حصہ اپنے اور اپنے اہل و عیال پر صرف کریں تو لازماً ایک حصہ خدا کی راہ میں اپنی قوم کی بھلائی کے لئے دیں سنہ ۴ ہجری میں جب بنو نضیر جلاوطن ہوئے اور ان کی زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں تو مہاجرین کی تکلیف دور کرنے کے لئے ان زمینوں کا انہی کو دینا تجویز کیا گیا۔ انصار نے نہایت خوشی سے اس تجویز کو قبول کیا۔ بلکہ یہاں تک شرح صدر دکھائی کہ بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ یہ زمینیں بھی مہاجرین کو دے دی جائیں اور ہمارے نخلستانوں میں بھی وہ حصہ دار رہیں۔ بعض مہاجرین کو انصار نے سکونت

---

[1] و اولوا الارحام بعضهم اولى ببعض (الاحزاب ۳۳:۶)

کے . . . مکان بنانے کے لئے پہلے سے اپنی زمین دے دی تھی تجارت کی برکت سے تھوڑے ہی دنوں میں مسلمان مہاجرین پر اللہ تعالیٰ نے اس قدر کشائش کی کہ لکھا ہے کہ بعض صحابہ کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا۔ ایک وقت تنگی اور تکلیف کا وہ بھی تھا کہ ایک مہمان رسول اللہ صلعم کے پاس آگیا تو آپ نے اپنے گھر میں کچھ کھانے کو نہ پاکر صحابہ سے کہا کہ کوئی اس کو اپنا مہمان بنائے ابوطلحہ مہمان بنا کر لے گئے تو معلوم ہوا صرف اس قدر کھانا ہے کہ بچوں کا پیٹ بھر سکتا ہے۔ آخر چراغ بجھا کر ابوطلحہ اور ان کی بیوی خالی منہ چلاتے رہے اور مہمان کا پیٹ بھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کی برکت سے مسلمانوں کو نہایت آسودہ حال کر دیا۔ نہ پہلی حالت میں جو افلاس کی حالت تھی وہ کوئی شکایت کا حرف زبان پر لائے اور نہ دوسری حالت میں جب اکثر گھروں میں آسودگی آگئی انہوں نے خدا کے دیئے ہوئے مال کو ضائع کیا بلکہ جو اُن میں سے آسودہ حال تھے وہ غربا کی پوری خبر گیری کرتے بالخصوص اصحاب صُفّہ کی جو سارا دن بارگاہ نبوی میں تعلیم دین کے لئے حاضر رہتے اور رات کو عبادت کرتے انہی میں سے وہ گروہ معلمین دین کا پیدا ہوا۔ جنہوں نے مختلف قوموں اور قبیلوں کو جا کر دین اسلام سکھایا انہی میں سے ایک درخشندہ گوہر حضرت ابوہریرہ ہیں۔ جنہوں نے حدیث نبوی کے وسیع ذخیرہ کا بیشتر حصہ ہم تک پہنچایا ہے۔ ان لوگوں کی چونکہ کوئی صورت معاش نہ تھی اس لئے آسودہ حال صحابہ ان کو اپنے گھروں میں کھانے کے لئے لے جاتے۔ لکھا ہے کہ حضرت سعد بن عُبادہ بعض وقت اسّی اسّی مہمانوں کو اپنے گھر لے جاتے تھے۔

مسلمانوں اور یہودیوں میں معاہدہ

تیسری بڑی ضرورت جس کی طرف مدینہ میں آتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرمائی۔ مدینہ کی مختلف قوموں میں اتحاد پیدا کرنا تھا۔ یہودی یہاں ایک بڑی طاقتور قوم تھی۔ اور یہ لوگ اوس اور خزرج کی باہمی لڑائیوں میں حلیف بن کر شامل ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں یہ لوگ عربی النسل تھے۔ یہودی مذہب اختیار کر کے علیحدہ قوم بن گئے تھے مدینہ میں ان کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر۔ بنو قریظہ۔ دوسری قوم وہاں اوس اور خزرج کے دو قبیلے تھے۔ جن میں باہم ہمیشہ جنگ رہتی تھی۔ یہودیوں کے دو بڑے قبیلوں میں سے بنو قریظہ اوس کے حلیف ہوتے تھے اور بنو نضیر خزرج کے اب خزرج اور اوس کا بیشتر حصہ مسلمان ہو گیا۔ ان میں سے جو مشرک رہ گئے وہ بہت تھوڑے تھے۔ اس لئے نبی کریم صلعم نے مسلمانوں اور یہودیوں میں ایک معاہدہ کی بنیاد ڈالی جس پر یہودی بھی راضی ہو گئے اس معاہدہ کی بڑی بڑی شرطیں یہ تھیں کہ

اوّل۔ مسلمان اور یہودی دونوں ایک قوم کے حکم میں ہونگے +
دوم۔ دونوں فریق اپنے اپنے دین پر رہیں گے۔ کوئی فریق دوسرے سے تعرض نہ کرے گا +
سوم۔ دونوں میں سے کسی فریق کو جنگ پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی اگر وہ مظلوم ہو مدد کرے گا +
چہارم۔ مدینہ پر حملہ ہو تو دونوں فریق مل کر اس کا دفعیہ کریں گے +
پنجم۔ جب صلح کریں گے تو دونوں فریق صلح کریں گے +
ششم۔ مدینہ دونوں معاہدین کے لئے حرمت کا مقام ہو گا یعنی اس کے اندر خونریزی وغیرہ نہ ہوگی +
ہفتم۔ آخری فیصلہ تنازعات کا آنحضرت صلعم کریں گے +
یہودیوں نے کس طرح ان معاہدات کو توڑا؟ اس کا ذکر آگے آئیگا +

۱۵۔ جنگ بدر

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران)

اور یقیناً اللہ نے تمہیں بدر میں مدد دی جب تم کمزور تھے۔

مدینہ میں آکر مسلمانوں کو مذہبی آزادی مل گئی۔ مسجدیں بن گئیں۔ اذان ہونے لگی۔ اور کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے والا نہ رہا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اب اسلام کے دشمن باقی نہیں رہے تھے۔ اگر ایک طرف مدینہ کے اندر مذہبی آزادی حاصل تھی تو دوسری طرف اسلام کے دشمن جوش میں اور تعداد میں پہلے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ جب مسلمانوں نے حبش میں ہجرت کی تو اس وقت بھی کفار نے ان کا تعاقب کر کے اور نجاشی کے پاس وفد بھیج کر ان کو تباہ کرنے کا پورا تہیہ کیا تھا۔ اب جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو ایک دوسرے مقام میں امن کی جگہ مل گئی تو قریش اس کو کس طرح اطمینان کی نظر سے دیکھ سکتے تھے۔ عبداللہ بن اُبی مدینہ میں ایک شخص تھا جسے آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانے کو تیار تھے۔ آپ کی تشریف آوری پر اس شخص نے مخالفانہ رویہ اختیار کیا۔ قریش نے اس کو لکھا کہ تم محمد صلعم کو مدینہ سے نکال دو۔ مگر چونکہ خود اس کی قوم کے لوگ بڑی تعداد میں مسلمان ہو چکے تھے۔ اس لئے ایسا کرنے میں اسے خانہ جنگی کی صورت نظر آتی تھی۔ جب ادھر سے کامیابی نہ ہوئی تو قریش نے ان قبائل کو جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے۔ اسلام کے خلاف اکسانا شروع کیا۔ اول قریش کا ذاتی اثر بہت تھا کیونکہ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے عرب کی تمام قومیں ان کی عزت کرتی تھیں۔ دوسرے اسلام کی طاقت ابھی نہایت کمزور تھی اور اس کی مخالفت سارے عرب میں یکساں تھی اس لئے ان قبائل کا قریش کے زیر اثر آ جانا معمولی بات تھی۔ قریش جب اس میں کامیاب ہو گئے تو مسلمانوں کو اپنی حفاظت کی فکر پڑی۔ کیونکہ مدینہ کو چھوڑ کر چاروں طرف دشمن ہی دشمن تھے اور خود مدینہ میں بھی مخالفت اندر ہی اندر موجود تھی گو ظاہر میں دبی ہوئی تھی۔ عبداللہ بن ابی کا رویہ نہایت مشتبہ تھا۔ یہودیوں پر باوجود معاہدہ کے کوئی اعتبار نہ ہو سکتا تھا۔

قریش کے چھوٹے چھوٹے دستے بھی پھرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ آور ہو کر اونٹ لے گئے ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم ہو چکا تھا کہ اب چونکہ دشمن نے اسلام

کو نیست و نابود کرنے کے لئے تلوار اٹھائی ہے اس لئے آپ بھی مدافعت میں تلوار اُٹھا سکتے ہیں[15]
مگر لڑائی کو مشروط کیا گیا یعنی صرف ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی جو خود تلوار اُٹھانے میں پہل کریں اور مسلمانوں کو پہل کرنے سے روکا گیا[16]۔ پس جب دشمن نے جنگ کی تیاری شروع کر دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حفاظت خود اختیاری کے طور پر بعض احتیاطیں ضروری معلوم ہوئیں۔ اس حالت میں سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ ارد گرد کے حالات کی خبر رکھی جائے نیز مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل کے ساتھ صلح کی بنیاد ڈالی جائے۔ اس بنا پر آپ نے مختلف اوقات میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں اطراف میں بھیجنی شروع کیں۔ ایک اس لئے کہ دشمن کے حالات سے باخبر رہیں دوسرے اس لئے کہ دشمن کو یہ معلوم رہے کہ مسلمان بے خبر نہیں۔ تیسرے اس لئے کہ بعض قبیلوں کو غیر جانبدار رکھنے کی کوشش کی جائے یا ان سے معاہدہ ہو جائے اور اس طرح دشمن کو حملے کی جرأت نہ ہو۔ ایک غرض یہ بھی تھی۔ کہ قریش کو اس بات کا خیال رہے کہ اگر انہوں نے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کی تو ان کی شام کی تجارت جس پر ان کی دولتمندی کا دارومدار تھا رک جائے گی۔ یہ وہ بات تھی جس کی دھمکی انصار مدینہ نے قریش کو پہلے بھی دی تھی۔ چنانچہ جب سعد بن معاذ حج کرنے گئے تھے۔ ابو جہل نے کہا کہ اگر تم فلاں شخص کی حفاظت میں نہ ہوتے تو اس جرم میں کہ تم نے محمد صلعم کو اپنے یہاں پناہ دی ہے زندہ بچ کر نہ جاتے تو سعدؓ نے کہا اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دیں گے۔ مگر باوجود اس کے کہ یہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں باہر بھیجی جاتی تھیں ان کو حکم یہی ہوتا تھا کہ وہ جنگ نہ کریں۔

چھوٹے چھوٹے جتھوں کے باہر بھیجنے کی غرض

ان مہموں کا یہ اثر ہوا کہ مدینہ کے آس پاس کے کئی قبائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ حالانکہ یہ سب مشرک تھے۔ ان میں سے ایک معاہدہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں اور انہی سے پتہ لگتا ہے کہ یہ معاہدات کس رنگ کے تھے۔ "یہ محمد رسول اللہ صلعم کی تحریر ہے بنو حمزہ کے لئے ان لوگوں کا جان اور مال محفوظ رہے گا۔ اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں اور پیغمبر جب ان کو مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے۔" پس یہ معاہدات سب حفاظت کے لئے تھے۔ اور قریش کے حملہ سے بچاؤ کے لئے۔ انہی واقعات میں سے ایک وہ واقعہ ہے جس سے کفار میں اشتعال پیدا ہو کر جنگ بدر کی بنیاد پڑی۔ اور وہ واقعہ یہ ہے

قبائل کے ساتھ معاہدات

[15] اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (۲۲ : ۳۹) [16] وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (البقرہ : ۱۹۰)

ابن حضرمی کے قتل کا واقعہ

کہ جمادی الثانی سنہ ۲ ہجری کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کو کچھ آدمیوں کے ساتھ بھیجا اور ایک خط دیا جس کے متعلق ہدایت یہ تھی کہ دو دن بعد کھولا جائے۔ چنانچہ جب وہ خط اپنے وقت پر کھولا گیا۔ تو اس میں ہدایت تھی کہ نخلہ کے مقام پر پہنچکر قریش کے حالات کا پتہ لگایا جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ آپ میں اس قدر طاقت نہیں کہ قریش پر حملہ کر سکیں (بلکہ اس کے چھ سال بعد تک آپ قریش پر کوئی حملہ نہیں کر سکے ہمیشہ قریش چڑھ کر آتے اور مدینہ پر حملہ آور ہوتے) پس قریش کے حالات کی تحقیق سے منشا صرف اپنے آپ کو ان کی نقل و حرکت سے آگاہ رکھنا تھا کہ ایسا نہ ہو بے خبری ہی میں وہ حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو تباہ کر دیں۔ خدا نے آپ کو نبی بنایا اور اب ایک چھوٹی سی قوم کی حکومت بھی آپ کے سپرد کر دی آپ کا فرض تھا کہ اس جماعت کی جس کی حکومت آپ کے ہاتھ میں تھی دشمن سے پوری حفاظت کرتے اور ایک دور اندیش جرنیل کی طرح دشمن کی نقل و حرکت کی خبر رکھتے۔ نبی تو کچھ عملی سبق سکھانے ہی آتے ہیں۔ پس آپ نے اپنی حکومت کی ذمہ داری کو ادا کر کے بتا دیا کہ قوم کے لیڈروں کو اپنی نہیں بلکہ حفاظت قوم کی فکر ہونی چاہیئے۔ غرض عبداللہ بن جحش نے جب یہ خط کھولا اور اس کے مطابق نخلہ کے مقام پر وہ پہنچا۔ تو اتفاق سے اسے قریش کے چند آدمی نظر آئے جو مال تجارت ملک شام سے لا رہے تھے۔ جو کچھ ہدایات دی گئی تھیں اس نے ان سے تجاوز کر کے اس گروہ پر حملہ کیا۔ اور عبداللہ بن حضرمی کو قتل کر دیا۔ اور دو کو گرفتار کر لیا۔ نبی کریم صلعم کو جب اس کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی۔ اور بعض صحابہ نے بھی اس سے کہا کہ تم نے وہ کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔

قریش کی جنگ کی تیاری

قریش جو اس وقت تک مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے بہانہ ہی تلاش کر رہے تھے اب ان کو وہ موقعہ ہاتھ آ گیا۔ اور ابن حضرمی کے قتل کی بنا پر انہوں نے عام لوگوں کو اکسایا۔ رجب کا مہینہ تو درمیان میں حرمت کا مہینہ تھا۔ شعبان کا مہینہ معلوم ہوتا ہے انہوں نے جنگ کی تیاری کے لئے لیا۔ اور ماہ رمضان میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور جنگ بدر پیش آئی۔ اگر قریش کی نیت مسلمانوں کو تباہ کرنے کی نہ ہوتی۔ تو ایسے قتل غلطی کے ساتھ عرب میں شب و روز واقع ہوتے تھے اور ان میں جیسا کہ آج بھی مہذب گورنمنٹوں میں قاعدہ ہے خونبہا طلب کیا جاتا تھا مگر ان کا ارادہ تو پہلے سے ہی کچھ اور تھا۔ مسلمانوں کا مدینہ میں جا کر سرسبز ہونا اور آزادی سے زندگی بسر کرنا ان کو کہاں گوارا تھا۔ عوام الناس کو اس جنگ کے لئے ابھارنا ایک مشکل کام تھا سو ان کے لئے ابن حضرمی کا

قتل بہانہ ہو گیا اور سب سے پہلی جنگ جو جنگ بدر کے نام سے مشہور ہے پیش آئی ۔

تجارتی قافلہ

اتفاق کی بات ہے انہی دنوں قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابو سفیان کی سرکردگی میں ملک شام سے واپس آرہا تھا۔ اس نے چلنے سے پہلے ایک قاصد مکہ دوڑایا کہ قافلہ کی حفاظت کا کچھ سامان ہو۔ لیکن قریش کو فی الواقع اس بات کی چنداں پروا نہ تھی۔ آخر وہیں سے یہ قافلہ پہلے بھی تو گزر کر گیا تھا۔ چنانچہ جنگ کی تیاری میں قافلہ کی حفاظت کا چرچا قریش میں قطعاً نہیں پایا جاتا صرف ابن حضرمی کے خون کا بدلہ لینے پر جوش تھا۔ بعض مدبرین قریش جیسے حکیم بن حزام نے جو بعد میں مسلمان ہوئے اور آنحضرت صلعم کے پرانے رفقا میں سے تھے قریش کو جنگ سے روکنا بھی چاہا مگر ابو جہل کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔ اور ایک ہزار کا لشکر جرار ہر قسم کے سامان حرب سے مسلح ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا ۔

مسلمانوں کی مقابلہ کیلئے تیاری

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خبر مل گئی کہ قریش اس طرح تیار ہو کر نکلے ہیں۔ آپ نے فوراً صحابہ کو جمع کیا سب صحابہ نے اپنی جانیں حاضر کیں۔ انصار تو پہلے سے وعدہ کر چکے تھے کہ آنحضرت صلعم کی حفاظت اسی طرح کریں گے جس طرح اپنے بال بچوں کی کرتے ہیں۔ مگر میدان جنگ میں باہر نکلنا اور بات تھی اور مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کرنا اور بات۔ جب آنحضرت صلعم نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے بھی تعمیل حکم میں چون و چرا نہ کی باوجود اس کے جیسا کہ قرآن شریف کی سورہ انفال میں ذکر ہے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ اس کو بڑی مشقت خیال کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم کو موت کے منہ میں ڈالا جاتا ہے[1] کیونکہ وہ دشمن کی طاقت اور اپنی کمزوری سے واقف تھے بہرحال جس قدر آدمی میسر آسکتے تھے ان کو لیکر آپ نکلے۔ کچھ کم عمر بچے بھی تھے۔ بعض کو آپ نے واپس بھی کر دیا مگر بعض نے شامل ہونے پر اصرار کیا۔ کل تعداد تین سو تیرہ تھی۔ سامان جنگ قریش کے مقابل میں کچھ بھی نہ تھا۔ مگر چونکہ اس موقعہ پر پیچھے ہٹنے سے اسلام ہی نیست و نابود ہو جاتا۔ اس لئے اللہ پر بھروسہ کر کے یہ چھوٹی سی جماعت اس سڑک کی طرف بڑھی۔ جو مکہ معظمہ سے شام کو جاتی ہے جب مسلمانوں کی جمعیت مقام بدر پر پہنچی۔ جو بدر نام کے ایک کنوئیں کی وجہ سے مشہور ہے تو قریش کی فوج وہاں پہلے سے موجود تھی۔ آپ نے بھی وہیں ڈیرے ڈال دیئے ۔

ابو سفیان کا قافلہ اصل راستہ سے سمندر کی طرف ہوتا ہوا ان دونوں فوجوں کے بدر پہنچنے

---

[1] وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ (الانفال - ع۱)

ترجمہ۔ مومنوں میں سے ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا۔ تیرے ساتھ حق کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں اس کے بعد کہ ان کیلئے بات واضح ہو چکی ہو گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں

سے پیشتر نکل چکا تھا۔ اب بھی بعض لوگوں نے ابوجہل کو مشورہ دیا کہ واپس جانا چاہیئے۔ مگر چونکہ وہ مسلمانوں کے نیست و نابود کرنے پر تُلا ہوا تھا کسی کی نہ مانی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اب بھی حملہ میں پہل نہیں کی۔ آپ کی جمعیت تعداد کے لحاظ سے قریش کی ایک تہائی تھی نیز ایک طرف جنگ آزمودہ بہادر تھے دوسری طرف چھوٹی عمر کے لڑکے تک شامل کر لئے گئے تھے لہذا آنحضرت صلعم سخت متفکر تھے۔ آپ ایک چھوٹی سی جھونپڑی کے اندر جو آپ کے لئے تیار کی گئی تھی زار زار روتے تھے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے تھے کہ اے خدا اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین میں تیری عبادت کرنے والا۔ توحید الٰہی کا پیغام پہنچانے والا کوئی نہ رہے گا[1]۔ پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور کچھ غنودگی طاری ہوئی۔ پھر آپ مسکراتے ہوئے جھونپڑی سے باہر نکلے اور قرآن کریم کی یہ آیت جو مدتوں پہلے کی نازل شدہ تھی آپ نے بلند آواز سے پڑھی سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ کفار کی فوج کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے ۔

دوسری طرف سے کفار کا لشکر آراستہ ہو کر نکلا۔ آنحضرت صلعم نے اپنی فوج کو حملہ کرنے سے روک دیا تھا۔ کیونکہ آپ کو حکم یہی تھا کہ کافر ابتدا کریں تو آپ مدافعت کریں۔ آخر لشکر کفار میں سے تین بہادر بڑھے اور اپنے مقابلہ کے لئے مسلمانوں میں سے تین آدمیوں کو طلب کیا عرب کی لڑائیوں میں قاعدہ تھا کہ پہلے کچھ بہادر دشمن کے بہادروں کے ساتھ اکیلے اکیلے بنرد آزمائی کرتے تھے۔ چنانچہ مسلمان بہادر بھی بالمقابل نکلے۔ تینوں قریشی مسلمان بہادروں کے ہاتھ سے مارے گئے کچھ اور ایسے ہی مقابلے ہو کر آخر جنگ عام ہوئی مسلمان اپنی جگہ پر جمے رہے۔ جب کفار ان کی طرف بڑھے تو انہوں نے جواب دیا۔ قدرت خداوندی کا نظارہ تھا کہ بڑے بڑے سرداران قریش جو اسلام کو تباہ کرنے پر تُلے ہوئے تھے اور نبی کریم صلعم کی مخالفت میں پورا زور لگاتے رہے تھے میدان جنگ میں کٹ گئے ابوجہل دو انصاری نوجوانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ کل ستر آدمی دشمن کی فوج میں سے مارے گئے۔ بڑے بڑے سرداران قریش کو مرتے دیکھ کر فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور ستر کے قریب آدمیوں کو گرفتار کیا۔ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے ۔

جنگ بدر میں جو نظارہ قدرت خداوندی کا نظر آیا۔ ایسے نظارے دنیا میں عموماً نہیں دیکھے

(حاشیہ: پہل کفار کی طرف سے)

(حاشیہ: لڑائی اور مسلمانوں کی فتح)

---

[1] اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ مِنْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ الْیَوْمَ فَلَا تُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا

قدرت خداوندی کا نظارہ

جاتے ہیں تو بسا اوقات ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی فوج جو اعلیٰ سامان جنگ ساتھ رکھتی ہو۔ جس کے سپاہی بہادری میں بڑھ کر ہوں۔ جن میں نظم زیادہ ہو ایک بڑی فوج پر جس میں یہ باتیں اس حد تک موجود نہ ہوں غالب آجائے۔ مگر جنگ بدر کی ان دونوں جمعیتوں میں جو عجیب بات نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر قسم کی کمزوری ایک طرف ہے اور ہر قسم کی طاقت دوسری طرف۔ قریش کی جمعیت تعداد میں مسلمانوں سے تگنی ہے۔ میدان جنگ میں پہلے وہ پہنچے ہیں اور عمدہ مقام پر قبضہ کر لیا ہے ان کے اندر بڑے بڑے تجربہ کار بہادر ہیں جن کا پیشہ ہی مدت سے جنگ رہا ہے۔ سامان اور ہتھیار اس قدر ہیں کہ ہر ایک سپاہی زرہ پوش ہے ایک سو سوار بھی ہیں۔ سات سو اونٹ ہیں۔ ایک مٹھی بھر جماعت کے تباہ کرنے کے لئے ان کے سینوں میں جوش ہے۔ بالمقابل مسلمانوں کو میدان جنگ میں اچھی جگہ نہیں ملی۔ تعداد میں ایک ہزار کے سامنے تین سو تیرہ ہیں ان میں وہ نوجوان بھی ہیں جن کی عمر ابھی جنگ کی نہیں گھوڑے دو ہیں اونٹ ستر ہیں۔ سامان جنگ مقابل میں گویا کچھ بھی نہیں۔ انصار کھیتی باڑی کا کام کرنے کی وجہ سے جنگ میں قریش کے ہمسر نہیں۔ مہاجرین میں زیادہ تر ضعفاء ہیں۔ جن کو اب تک کافی خوراک بھی میسر نہیں آسکتی تھی۔ کل طاقتیں ایک طرف جمع ہو گئیں۔ اور تمام کمزوریاں دوسری طرف مگر ان کمزوروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا طاقتور ہاتھ ہے۔ اور وہی طاقتور ہاتھ اپنی طاقت کا اظہار اور ان کمزوروں کی مدد کرتا ہے جس کو انسانی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔

قیدیوں سے سلوک

میدان جنگ میں جو قیدی پکڑے گئے۔ ان کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے حسن سلوک کا حکم ہوا۔ ان میں بہت سے لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کے اس حسن سلوک سے اسلام گھر کر گیا۔ ایک قیدی بعد میں خود بیان کرتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس میں قید تھا۔ ان کے ہاں جب کھانے کا وقت آتا تو وہ اعلےٰ درجہ کا کھانا مجھے دیتے اور خود کھجور وغیرہ کھا لیتے۔ مسلمانوں نے اپنے شدید ترین دشمنوں سے حسن سلوک کر کے یہ دکھا دیا کہ ان کے دل کس قدر فراخ ہیں۔ دوست تو دوست وہ دشمن سے بھی نیکی کر سکتے ہیں۔ آخر باوجود اس کے کہ سلسلہ جنگ فریقین میں جاری تھا ان قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا گیا۔ بعض ناداروں کو بلا فدیہ ہی چھوڑ دیا۔ اور جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان سے یہ فدیہ کافی سمجھا گیا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ چار ہزار درہم کی جگہ صرف لکھنا سکھا دینے کو کافی سمجھنا بتاتا ہے کہ علم کی کتنی قدر آنحضرت صلعم کے دل میں تھی۔ مغلوب دشمن کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سختی نہیں کی۔ اس قدر دکھ کھا

کے ہاتھ سے اٹھانے کے بعد اگر چاہتے تو ان لوگوں کو نہایت تکلیف کے ساتھ مروا ڈالتے مگر جب ایک شخص کے متعلق جو فصیح ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف مجمعوں میں بڑی پر اثر تقریریں کیا کرتا تھا آپ سے یہ عرض کیا گیا کہ اس کے دو دانت اکھڑوا دیئے جائیں تاکہ آئندہ اسلام کے خلاف ایسی تقریریں نہ کر سکے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس کے عضو بگاڑوں تو خدا میرے عضو بگاڑ دے گا۔

جنگ بدر میں جو کامیابی مسلمانوں کو ہوئی اس نے قریش کی قوت کو توڑ دیا اور اسلام کی بنیاد کو مضبوط کر دیا۔ یہودی اور ارد گرد کے قبائل بھی اس سے بہت کچھ متاثر ہوئے اور وہ دل ہی دل میں یہ سوچنے لگے کہ اگر خدا کا طاقتور ہاتھ اس شخص کے ساتھ نہیں ہے تو اتنی بڑی جمعیت کیونکر ایک مٹھی بھر آدمیوں کے ہاتھ سے اس طرح مغلوب ہو گئی۔ وہ لوگ جو اسلام کے سخت ترین اور اولین دشمن تھے سب کے سب اس میدان میں مارے گئے۔ یہ صریح ایک خدائی فیصلہ ان دو جھگڑا کرنے والے فریقوں میں نظر آتا تھا۔ جن میں سے ایک طاقتور فریق ایک کمزور جماعت کو محض اس لئے تباہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ خدائے واحد کے پرستار ہیں۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اگر ایک طرف عین میدان جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر دعائیں کرتے تھے تو دوسری طرف ابو جہل نے بھی ان الفاظ میں دعا کی کہ اے خدا جو ہم دونوں فریق میں سے تعلقاتِ رحمی کو کاٹنے والا اور زمین میں فساد کرنیوالا ہے اسے اس جنگ میں ہلاک کر دے۔ جنگ کے لئے روانہ ہوتے وقت استار کعبہ کو پکڑ کر قریش نے بھی اسی قسم کی دعا کی تھی کہ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ اس فریق کا ناصر و حامی ہو جو راستی اور حق پر ہے۔ پس یہ ایک خدائی فیصلہ تھا۔ اور اسی لئے قرآن شریف نے اس کو محض ایک جنگ میں فتح کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو ہلاک ہوتا ہے وہ دلیل سے ہلاک ہوا اور جو زندہ ہوتا ہے وہ دلیل سے زندہ ہوا[1]۔ اس خدائی فیصلہ نے اگر ایک طرف مخالفوں کی کمر توڑ دی تو دوسری طرف مسلمانوں نے بھی ان وعدوں کو پورا ہوتے دیکھ لیا جو دس بارہ سال پیشتر سے متواتر ان کو دیئے جاتے رہے تھے جب کہ وہ نہایت کس مپرسی کی حالت میں تھے اور ہر طرف سے مصائب اور تکالیف کے آماجگاہ بنے ہوئے تھے کہ دین اسلام غالب ہو گا اور مخالف مغلوب ہوں گے اس طرح دین اسلام کی صداقت روز روشن کی طرح ان پر ظاہر ہو گئی۔

---

[1] لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال۔ ۴۲)

مقابلہ لشکر قریش سے تھا نہ تجارتی قافلہ سے

ایک غلط خیال کی جو عام طور پر پھیلا ہُوا ہے اور جس کو غلطی سے بعض ارباب سیر نے بھی لیا ہے اس جگہ تردید کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلعم شام سے واپس آتے ہوئے قافلہ کو لوٹنے کے لئے نکلے تھے۔ اور قریش کی فوج صرف اس قافلہ کی حفاظت کے لئے آئی تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن شریف سے بڑھ کر معتبر کوئی شہادت نہیں ہوسکتی۔ اور قرآن شریف میں جہاں جنگ بدر کا ذکر ہے۔ وہاں یوں فرمایا ہے[۱] کہ پیغمبر صلعم کو خدا نے اپنے گھر سے ضرورت حقہ کے ساتھ نکالا۔ پس نبی کریم صلعم اپنی خواہش سے نہیں صحابہ میں سے کسی کی خواہش سے نہیں نکلے بلکہ حکم خداوندی کے ماتحت نکلے۔ اور پھر بالحق نکلے یعنی کوئی ضرورت حقہ پیش آگئی تھی جس کے لئے نکلنا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ کا آنحضرت صلعم کے مدینہ سے چلنے کو اپنی طرف منسوب کرنا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص ضرورت کے لئے نکالا تھا اور وہ ضرورت پوری ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ قافلہ تو ہاتھ نہیں آیا۔ پس اس غرض کے لئے آپ نکلے بھی نہیں۔ پھر وہیں قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مومنوں میں سے ایک گروہ ناخوش تھا۔ اور اسے مصیبت سمجھتا تھا۔ حالانکہ قافلہ کو لوٹ لینا کوئی مصیبت نہ تھی۔ بلکہ یہاں تک فرمایا ہے کہ وہ لوگ اسے موت کے برابر سمجھتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اسی صورت میں صحیح ٹھہرتا ہے۔ جب آنحضرت صلعم مدینہ سے علی الاعلان قریش کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل رہے ہوں۔ قرآن شریف کے ان الفاظ کے سامنے ارباب سیر کا کوئی قول کچھ وقعت نہیں رکھتا۔

---

[۱] واذ اخرجک ربک من بیتک بالحق (الانفال ۵)

۱۶- جنگ اُحُد

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران ۱۳۹)

اور سست نہ ہوا ور نہ غمگین ہو۔ اور تم ہی غالب رہو گے جب تم مومن ہو۔

ابوسفیان کا مدینہ پر حملہ

بدر کی شکست ایک ایسا زخم نہ تھا جس کو قریش بدلہ لئے بغیر چھوڑتے سب سے زیادہ یہ بات ان کے لئے باعث ننگ و عار ہو رہی تھی کہ ایک چھوٹی سی بے سروسامان جماعت کے ہاتھ سے مغلوب ہوئے۔ بدر میں سرداران قریش کے مارے جانے کے بعد افسری ابوسفیان کے ہاتھ آئی۔ اور اس نے انتقام لینے کی قسم کھائی۔ ادھر جس قدر نفع اس کاروان تجارت سے ہوا تھا جو ابوسفیان کی سرکردگی میں جنگ بدر کے موقعہ پر شام سے واپس آیا تھا۔ اس کے متعلق سب لوگوں نے عہد کر لیا تھا کہ اس نفع کو اس انتقامی جنگ پر صرف کریں گے تاکہ مسلمانوں کو بالکل کچل دیا جائے چنانچہ تین ہزار کا لشکر جرار لے کر ابوسفیان ۳ سنہ ہجری میں جنگ بدر سے قریباً پورے بارہ ماہ بعد مکہ سے نکلا۔ عورتیں بھی سپاہیوں کی ہمت بڑھانے کے لئے ساتھ تھیں۔ دو سو مسلح سوار تھے۔ سات سو آدمی زرہ پوش تھے۔ ۹ شوال ۳ سنہ ہجری جمعرات کے دن اس لشکر نے اُحد کے نیچے جو مدینہ کے شمال کی طرف تین میل پر ایک پہاڑ ہے ڈیرے ڈال دیئے اور مدینہ کی چراگاہوں پر قبضہ کر لیا۔ سرسبز کھیتوں کو گھوڑوں کے لئے کاٹ کر اور اونٹوں کو ان میں کھلا چھوڑ کر اُجاڑ دیا۔

آنحضرت صلعم کا صحابہ سے مشورہ

جمعہ کے دن جو شوال کی دسویں تاریخ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اکٹھا کر کے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئیے۔ قریباً ہر بڑی جنگ سے پہلے آپ کا صحابہ سے مشورہ کرنا ثابت ہے۔ آپ نے اپنی کچھ خوابیں بھی بیان فرمائیں۔ ایک خواب میں آپ نے دیکھا تھا کہ آپ کی تلوار کی دھار کچھ ٹوٹی ہوئی ہے آپ نے اس کی تعبیر یہ کی کہ کچھ نقصان پہنچے گا۔ نیز آپ نے دیکھا تھا کہ اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں ڈالا ہے زرہ سے آپ نے مدینہ مراد لیا۔ یعنی مدینہ ہمارے لئے محفوظ مقام ہے اور اندر رہ کر جنگ کرنا چاہئیے۔ آپ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ چند گائیں ذبح کی جا رہی ہیں اس کی تعبیر آپ نے یہ فرمائی کہ آپ کے کچھ ساتھی شہید ہوں گے۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کی جائے۔ مہاجرین اور بڑے بڑے انصار بھی آپ سے اس رائے

میں متفق تھے۔ عبداللہ بن اُبی جو جنگ بدر کے بعد بظاہر اسلام لاچکا تھا لیکن اندر سے اسلام کا دشمن تھا۔ اس کا مشورہ بھی یہی تھا کہ دشمن کی طاقت بہت زیادہ ہے کھلے میدان میں اس کا مقابلہ نہیں ہوسکے گا لیکن زیادہ لوگوں کی جن میں اکثر نوجوان تھے یہ رائے تھی کہ مدینہ کے اندر رہنے سے دشمن مسلمانوں کی کمزوری محسوس کرکے اَور زیادہ جرأت کا اظہار کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری غیرت برداشت نہیں کرسکتی کہ دشمن ہمارے کھیتوں کو اُجاڑ رہا ہو اور ہم شہر کے اندر بیٹھے رہیں*

آخر آنحضرت صلعم نے خود اپنی رائے کے بھی برخلاف کثرت کے حق میں فیصلہ کیا اور زرہ پہن کر باہر نکل آئے شام کے وقت ایک ہزار آدمی کے ساتھ جن میں صرف دو گھوڑے اور ایک سو زرہ پوش تھے۔ آپ مدینہ سے نکلے۔ تھوڑی دور نکل کر رات کاٹی صبح سویرے ہی وہاں سے روانہ ہوئے مگر عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس آگیا۔ اور اب صرف سات سو آدمی آنحضرت صلعم کے ساتھ رہ گئے۔ جن کو اپنے سے چار گنے سے بھی زیادہ تعداد کا مقابلہ کرنا تھا۔ یہ سات سو بھی سب کے سب جوانانِ نبرد آزما نہ تھے۔ ہاں دین اسلام کی حفاظت کے شوق اور محمد رسول اللہ صلعم کے عشق نے بچوں اور بوڑھوں میں بھی جوش اور ہمت پیدا کردی تھی۔ ایک لڑکے کا ذکر ہے کہ جب آپ نے اسے چھوٹا سمجھ کر فوج میں شامل نہ کیا تو وہ اپنے انگوٹھوں کے بل اُونچا ہوگیا۔ آپ کو یہ ادا پسند آئی اور اسے شامل کرلیا۔ ایک دوسرا لڑکا یہ دیکھ کر آگے بڑھا اور عرض کیا کہ جس کو حضور نے شامل کرلیا ہے میں اسے کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ چنانچہ کشتی کرائی گئی تو واقعی ایسا ہی ہُوا آپ نے اسے بھی شامل کرلیا ایک ضعیف العمر آدمی آگے بڑھا اور اس نے کہا کہ میں تو پہلے ہی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں بہتر ہے کہ رسول خدا کی حفاظت میں لڑتا ہُوا مارا جاؤں اس طرح اکٹھے کئے ہوئے سات سو آدمی لیکر جن میں طاقت کی کمی کو عشق نے پورا کردیا تھا آپ تین ہزار مسلح جنگی جوانوں کے مقابلہ کے لئے بڑھے پہاڑ کو پشت پر رکھ کر آپ نے خود صف آرائی کی۔ فوج کی پشت کی طرف ایک درہ تھا جہاں سے خطرہ تھا کہ کہیں دشمن عقب سے حملہ آور نہ ہو۔ وہاں آپ نے پچاس تیر اندازوں کو متعین کرکے حکم دیا کہ خواہ اسلامی فوج کو فتح ہو یا شکست تم کسی صورت میں اس جگہ کو نہ چھوڑو*

قریش کی فوج کے ساتھ ایک عیسائی ابو عامر راہب بھی تھا۔ یہ شخص آنحضرت صلعم کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے وہاں رہتا تھا۔ اور اس کے زہد و تعبد کی وجہ سے انصار اس کی بڑی عزت

مسلمان بچوں کی جانبازی اور بوڑھوں کی جانثاری

ابو عامر

کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کے مدینہ آنے اور آپ کو وہاں مقام عزت حاصل ہونے پر یہ شخص آتش حسد میں کباب ہو کر مکہ چلا گیا۔ اب قریش کے لشکر کے ساتھ آیا کہ انصار پر میرا اس قدر رعب ہے کہ میرے کہنے سے وہ محمد صلعم کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ جب فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو قریش کی طرف سے اول عورتیں رجز گاتی ہوئی اور فوج کو ابھارتی ہوئی آئیں۔ پھر ابو عامر نمودار ہوا اور انصار کو جتایا کہ میں فلاں شخص ہوں۔ انہوں نے اسے ذلیل کر کے دھتکار دیا۔ ایک مقابلہ بہادروں کا ہو کر جس میں حضرت حمزہ نے قریش علمبردار طلحہ کو مار ڈالا۔ عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت ابو دجانہ ایک مشہور پہلوان تھے انہوں نے اس قدر شدت سے کفار پر حملہ کیا کہ صفوں کی صفیں پھیر کر درہم برہم کر دیں۔ حضرت حمزہ جس طرف رخ کرتے تھے صفوں کو الٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک حبشی غلام وحشی نے جسکو خاص طور پر انعام کا وعدہ دیا گیا تھا۔ موقعہ تاک کر ایک حربہ چلایا جس سے حضرت حمزہؓ گر پڑے اور فوراً جام شہادت پیا۔ مسلمان اس شدت سے لڑے کہ کفار کے سات علمبردار یکے بعد دیگرے مارے گئے اور بہت سے ان میں سے زخمی ہوئے۔ آخر کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان سے منہ موڑ کر بھاگے یہاں تک کہ عورتیں جو ان کو ابھار رہی تھیں وہ بھی اپنے کپڑے سمیٹتی ہوئی بھاگیں۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا۔ اور کفار کو پھر ایک مرتبہ ہزیمت کا مزہ چکھا دیا۔ ادھر کفار کا پیچھے ہٹنا تھا کہ مسلمان تیر اندازوں کے ایک حصہ نے اپنے امیر سے کہا کہ ہم بھی تعاقب کریں گے۔ انہوں نے منع کیا مگر وہ نہ رکے اور اس جگہ کو چھوڑ دیا جہاں آنحضرت صلعم نے ان کو آخر تک کھڑا رہنے کا حکم دیا تھا صرف عبداللہ بن جبیر اور چند آدمی ان کے ساتھ رہ گئے تھے۔ خالد اس وقت کفار کی طرف سے لڑ رہے تھے ان کی تیز اور دور بین نگاہ نے اس جگہ کو خالی پایا تو فوراً اپنے دو سو سوار لے کر ادھر سے حملہ کر دیا۔ اور بقیہ تیر اندازوں کو صاف کر کے مسلمانوں کے عقب کی طرف سے عین اس وقت حملہ کیا جب کہ وہ دشمن کے تعاقب کی وجہ سے بے ترتیب ہو رہے تھے۔ ادھر لشکر کفار نے خالد کو عقب کی طرف سے حملہ آور دیکھا تو فوراً پھر مقابلہ کے لئے رکے اور مسلمانوں کی منتشر شدہ فوج دونوں طرف سے گھر گئی۔ اور اس قدر جرار لشکر میں جو تعداد میں چار گنے سے زیادہ تھا ہر طرف سے گھر کر قریب تھا کہ بالکل نیست و نابود ہو جائے۔ اور ان میں سے ایک متنفس بھی زندہ نہ بچے مگر فوج کا جرنیل وہ صاحب کمال انسان تھا جس کو خدا تعالے نے زندگی کے ہر شعبہ میں کمال

کفار کو ہزیمت

تیر اندازوں کی غلطی اور خالد کا حملہ

عطا فرمایا تھا۔ اس نے جب صف آرائی کی تھی تو ایک نہایت دور اندیش جرنیل کی طرح فتح و شکست دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھ لیا تھا۔ اور پہاڑ کو پیٹھ پر رکھنے کے یہ معنی تھے کہ مصیبت کے وقت اس کی آڑ میں پناہ لی جا سکے۔ جب مسلمان فوج دشمن کے تعاقب میں مصروف تھی تو آپ طلحہ اور سعد کے ساتھ پیچھے تھے۔ جوں ہی آپ نے تیر اندازوں کے جگہ چھوڑ دینے پر خالد کو بڑھتے دیکھا فوراً اپنی فوج کی نازک حالت کو پہچانا اس وقت دو صورتیں آپ کے سامنے تھیں۔ یا تو آپ اپنی جان بچانے کے لئے ایک طرف کو مقام حفاظت پر نکل جاتے اور فوج کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیتے اور یا فوج کو بچانے کے لئے اپنی طرف بلاتے۔ اور سب کو اکٹھا کر کے دشمن کے پنجہ سے بچا کر محفوظ مقام پر پہنچا دیتے۔ یہی دوسرا طریق آپ نے اختیار کیا مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھرے ہوئے پا کر اور چاروں طرف سے ان پر تلواریں برستی ہوئی دیکھ کر بلند آواز سے پکارا اِلَیَّ عِبَادَ اللہِ اَنَا رَسُوْلُ اللہِ اے خدا کے بندو میری طرف آ کر اکٹھے ہو جاؤ میں خدا کا رسول ہوں۔ اس پریشانی کی حالت میں مسلمانوں کے لئے یہ آواز ایک رحمت تھی انہوں نے ہر جگہ تلوار چلاتے اور جنگ کرتے اس طرف کا رُخ کیا مگر جہاں اس آواز نے مسلمانوں کو رسول اللہ صلعم کی طرف کھینچا وہاں دشمن کو بھی پتہ بتا دیا کہ آپ کہاں ہیں۔ پھر کیا تھا اصل غرض تو ان سب لڑائیوں اور چڑھائیوں کی آپ کا کام تمام کرنا تھا۔ دشمن نے اپنے حملہ کا پورا زور اس موقعہ پر صرف کیا۔ جان نثار آتے جاتے اور اپنی جانیں رسول اللہ صلعم کے بچانے میں فدا کرتے جاتے تھے۔ اسی اثنا میں مُصعب بن عُمیر جو آنحضرت صلعم سے شکل و شباہت میں مشابہت رکھتے تھے مارے گئے اور غل مچ گیا کہ آنحضرت صلعم مارے گئے اس آواز سے جو دشمنوں نے بلند کی مسلمانوں میں اور بھی سراسیمگی پھیلی ایک صحابی کو تو اس قدر غم ہوا کہ انہوں نے تلوار چلانی چھوڑ دی اتنے میں ان پر انس ابن النضر کا گزر ہوا اور اس حالت میں دیکھ کر تعجب کیا انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم شہید ہو گئے۔ انس نے کہا اگر آپ شہید ہو گئے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ جس بات پر آنحضرت صلعم جنگ کرتے تھے اس پر جنگ کرو یعنی جنگ تو حفاظت اسلام کے لئے تھی اس کی اب بھی ضرورت ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کی ہمت بندھاتے اور دشمنوں کے اندر سے نکلتے ہوئے صحابہ رسول اللہ صلعم ارد گرد جمع ہو گئے اس وقت تک آپ کے بھی کئی زخم لگ چکے تھے آپ زخم کھا کر گر گئے مگر فوراً ہی آپ کے چاروں طرف ایک مضبوط دیوار مسلمان سپاہیوں کی بن گئی اور اکثر حصہ فوج کا یہاں جمع ہو گیا

آنحضرت صلعم کا منتشر فوج کو جمع کرنا

مسلمانوں کی سراسیمگی کی وجہ

صرف چند آدمی اس سراسیمگی کی حالت میں اصل فوج سے نہ مل سکے اور بھاگ کر دور نکل گئے دشمن کے حملے کا زور اسی موقعہ پر تھا مگر جان نثاروں کی یہ کیفیت تھی کہ ان آدمیوں کی دیواریں کوئی رخنہ واقع نہ ہوتا تھا ادھر جمعیت کے دوبارہ قائم ہو جانے سے کفار کے حملے کا پورا جواب ہونے لگا۔ اور مسلمان اس قدر جان توڑ کر لڑے اور ایسے محفوظ مقام پر پہنچ گئے کہ دشمن ان کو منتشر کرنے اور اپنا مقصود حاصل کرنے سے مایوس ہو گیا۔ ابوطلحہ کے ہاتھ میں جو مشہور تیر انداز تھے دو تین کمانیں تیر چلاتے چلاتے ٹوٹیں۔ آنحضرت صلعم نے خود اپنا ترکش حضرت سعد کے آگے ڈال دیا کہ تیر چلائے جاؤ۔ کچھ اس تیر اندازی سے دشمن کی فوج کو نقصان پہنچا۔ اور کچھ مسلمانوں کے بلند مقام پر پہنچ جانے سے دشمن ان کی زد میں آگیا اور اوپر سے پتھر برسنے شروع ہوئے کچھ وہ مسلمانوں کی جانبازی سے واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے مناسب سمجھا کہ میدان جنگ سے پیچھے ہٹ جائیں۔

جنگ کو روک کر اب دشمن نے مسلمانوں کی لاشوں کا مثلہ کیا۔ یعنی ان کے ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالے۔ ہندہ نے حضرت امیر حمزہ کا جگر نکال کر وحشیانہ طور پر چبا ڈالا۔ ابوسفیان نے پیچھے ہٹ کر بلند آواز سے پکارا۔ کیا محمد صلعم قوم میں ہیں؟ آنحضرت صلعم نے حکم دیا جواب نہ دو۔ پھر اس نے کہا کیا ابوبکر قوم میں ہیں؟ آپ نے پھر جواب دینے سے منع فرمایا۔ پھر اس نے کہا کیا عمر بن الخطاب قوم میں ہیں اور ساتھ ہی کہا یہ سب لوگ مارے گئے اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ اس پر حضرت عمر سے نہ رہا گیا۔ اور پکار کر فرمایا اے خدا کے دشمن ہم سب تیرے ذلیل کرنے کے لئے زندہ ہیں اس کے بعد ابوسفیان پکارا اُعْلُ ھُبَلْ ہبل کی جے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ اللہ ہی سب سے اونچا اور بڑا ہے۔ جب اپنی ذات کا سوال تھا تو جواب دینا پسند نہ کیا مگر توحید الٰہی کی غیرت اس قدر آپ کے سینہ میں جوش زن ہے کہ اس موقعہ پر آپ خاموش نہ رہ سکے ابوسفیان نے پھر کہا لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ہمارے پاس عُزّٰی ہے تمہارا کوئی عُزّٰی نہیں۔ آپ نے پھر فرمایا کہو۔ اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ اللہ ہمارا حافظ و مددگار ہے اور تمہارا حافظ و مددگار کوئی نہیں۔ رحمۃ للعالمین کے سینے میں دشمن کے لئے بھی اس قدر رحم تھا کہ عین اس وقت جب آپ پر تیر برس رہے تھے ان کے حق میں یہ دعا بارگاہ خداوندی میں کر رہے تھے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے میرے رب میری قوم کی حفاظت فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے۔ دشمنوں سے پیار کی تعلیم کے صفحوں پر صفحے لکھ دینا آسان امر ہے مگر اس وقت بھی دشمن کی خیر خواہی کا دل میں ہونا جب

ابوسفیان کی تعلّی اور اس کا جواب

قاتل دشمنوں کیلئے دعا

دشمن کی تلوار سر پر ہو بہت مشکل امر ہے۔ اس معیار پر اگر کوئی انسان دنیا میں پورا اترتا ہے تو وہ محمد رسول اللہ صلعم ہیں +

مسلمانوں میں سے جو لوگ حملہ کی شدت کے وقت الگ ہو کر بھاگ گئے انہوں نے مدینہ میں خبر پہنچائی۔ کہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔ مگر جب انہوں نے گھروں میں داخل ہونا چاہا تو ان کی بیویوں نے ان کے مونہوں پر خاک ڈالی کہ تم رسول اللہ صلعم کو چھوڑ کر یہاں کس لئے آ گئے عرب کی خواتین میدان جنگ میں سپاہیوں کے ساتھ ہوتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عائیشہ اور بعض اور بیبیاں عین حالت جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جنگ کی خبر مدینہ پہنچنے پر بعض اور خواتین بھی نکل آئیں۔ مگر سب رسول اللہ صلعم کی خیریت کی خبر دریافت کرتی تھیں اور اپنے عزیز و اقارب کے لئے اس قدر متفکر نہ تھیں۔ انصار میں سے ایک خاتون کا ذکر ہے کہ اس کو پہلے اپنے باپ کی شہادت کی خبر ملی تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ کر رسول اللہ صلعم کی خبر پوچھی لوگوں نے کہا کہ تیرا بھائی بھی مارا گیا۔ پھر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا اور رسول اللہ صلعم کی خبر پوچھی لوگوں نے کہا تیرا خاوند بھی کام آیا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس کے ساتھ وہی کلمات اُس کے منہ سے نکلے۔ مگر رسول اللہ صلعم کی خیریت کا حال سن کر اس کا سب غم جاتا رہا۔ اور کلفت دور ہو گئی پھر رسول اللہ صلعم کے چہرہ مبارک دیکھ کر پکار اُٹھی کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ اگر آپ زندہ ہیں تو سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔ ایسا ہی اور بیبیوں نے جب اپنے عزیزوں کی لاشوں کے ساتھ کفار کے وحشیانہ سلوک کو دیکھا تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہکر چپ ہو رہیں +

مسلمانوں کے پہاڑ کی آڑ میں آ جانے سے مدینہ پر دشمن کے حملہ کا خطرہ تھا۔ مگر ابو سفیان اور اس کے ساتھی خود اس قدر سراسیمگی کی حالت میں میدان جنگ سے نکلے کہ مدینہ کا رخ نہ کر سکے اور اسی دن کئی میل واپس لوٹ گئے۔ رستہ میں خیال آیا کہ ہم فتح کا کیا نشان دکھائیں گے مسلمان قیدی ایک بھی ساتھ نہیں۔ اسلامی فوج میدان جنگ پر قابض ہے۔ مدینہ کا ہم نے کچھ نہیں بگاڑا۔ یہ سوچکر چاہا کہ پھر لوٹے۔ مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ آنحضرت صلعم کے متعلق خبر پہنچی کہ اپنی فوج کے ساتھ تعاقب میں آ رہے ہیں۔ قرآن شریف میں یہ واقعہ مسلمانوں کی بڑی تعریف کے ساتھ مذکور ہوا ہے کہ اس قدر تکلیف اور دکھ اٹھانے کے بعد بھی جب رسول اللہ صلعم نے ان کو دشمن کے تعاقب کے لئے بلایا تو وہ شرح صدر کے ساتھ نکلے۔ اور اگلے ہی دن آٹھ میل تک دشمن کا پیچھا کیا۔ اور مقام حمراء الاسد تک پہنچے مگر ابو سفیان

نے یہ خبر سن کر کہ رسول اللہ صلعم پیچھے آ رہے ہیں اپنی فوج کو فوراً کوچ کا حکم دیا۔

یہ کہنا کہ جنگ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور کفار کو فتح۔ واقعات تاریخی کی ناواقفیت سے ہے۔ قرآن شریف میں جنگ اُحد کا بالتفصیل ذکر سورہ آل عمران میں موجود ہے مگر کہیں اس کو مسلمانوں کی شکست نہیں کہا۔ ہاں اس کا نام قرح یا مصیبت رکھا ہے یعنی مسلمانوں کو اس میں کچھ دکھ پہنچا اور کفار کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ وہ نامراد واپس جائیں گے۔ سو یہی حقیقت ہے بھلا کس نے آج تک سنا ہے کہ شکست خوردہ فوج تو میدان جنگ میں رہے اور فاتح فوج اس میں سے ایک بھی قیدی پکڑنے کے بغیر گھر کو واپس جائے۔ اور پھر اگلے ہی دن یعنی جنگ سے صرف چند گھنٹے بعد شکست خوردہ فوج فاتح فوج کا تعاقب کرے۔ اور فاتح فوج تعاقب کی خبر سن کر تیزی سے کوچ کر جائے۔ ہاں بے شک اس جنگ کے اندر ایسے موقعے آئے کہ ایک وقت خود رسول اللہ صلعم کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی۔ اور دشمنوں نے سمجھا کہ ہم نے دین اسلام کا خاتمہ کر دیا۔ مگر رسول اللہ صلعم کی زندگی میں ایسے واقعات کے پیدا کرنے سے منشاء الٰہی یہی تھا کہ اسلام پر ایسے اوقات تو ضرور آئیں گے کہ دشمن سمجھیں کہ ہم نے اسلام کو تباہ کر دیا مگر یہ کبھی تباہ نہ ہو گا بلکہ اس کی ہر ایک مصیبت کے نیچے ایک عظیم الشان کامیابی مخفی ہو گی۔

اُحد میں مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی

۱۷۔ قبائل عرب اور مسلمان

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ (آل عمران ۱۲۸)

اس معاملہ میں تیرا کچھ دخل نہیں خواہ وہ اُن پر رحمت سے لوٹے یا انہیں عذاب دے۔ بیشک وہ ظالم ہیں۔

جنگ اُحد کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور پر قبائل عرب میں اسلام کے خلاف شورش بہت بڑھ گئی۔ ان لوگوں نے سمجھا کہ اب قریش مسلمانوں کو تباہ کئے بغیر نہ چھوڑیں گے اسقدر جمعیت کے ساتھ اتنی دور حملہ آور ہونا بتاتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو سرسبز ہوتا کسی صورت میں نہیں دیکھ سکتے اور پورا فیصلہ کر چکے ہیں کہ ان کو نیست و نابود کر دیں۔ خود قبائل عرب مسلمانوں کے دشمن تھے ہی۔ اب جب ان کو یقین ہوگیا کہ قریش کی زبردست جمعیت بھی ان کے برباد کرنے پر تلی ہوئی ہے تو ان کی شرارتوں میں اور بھی ترقی ہوئی۔ انھوں نے سمجھا کہ اب مسلمان مارے گئے آؤ ہم بھی ان کی تباہی میں حصہ لیں۔ کوئی قبیلہ یہاں اور کوئی وہاں مسلمانوں پر چڑھائی کے لئے تیار ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کام تو تزکیہ تھا آپ کو جنگ و پیکار سے کوئی غرض نہ تھی۔ مگر دنیا میں تزکیہ کا کام آخر ایک قوم کو کرنا تھا اور اس قوم کی زندگی جو آپ نے اس غرض کے لئے تیار کی تھی اب معرض خطر میں تھی۔ علاوہ ازیں آپ کو یہ بھی سبق سکھانا تھا کہ جب کسی شخص کے سپرد ایک قوم کی حکومت اور حفاظت ہو تو اسے اس قوم کے بچاؤ کے لئے اور اس کی ترقی کے لئے کیا کیا تدابیر کرنی چاہئیں اور کس طرح احتیاط سے کام لے کر پیش بندی کے طور پر قوم کی حفاظت کا سامان کرنا چاہئے اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں کوئی اور کام نہ بھی کیا ہوتا تو ایک آپ کا یہی کام کہ کس طرح ایک قوم کو جس کے چاروں طرف دشمن ہی دشمن پھیلے ہوئے تھے۔ اور جس کی زندگی شب و روز معرض خطر میں تھی۔ ان تمام خطرات سے نکال کر کامیابی کی منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ دنیا کے لئے ایک کافی نمونہ تھا جو آپ کو ہمیشہ کے لئے تاریخ نسل انسانی میں ایک عظیم الشان مقام کا حقدار ٹھہراتا ہے۔ قوم بنانا دنیا کے عظیم الشان کاموں میں سے ایک کام ہے اور یہ کام جن مشکلات کے نیچے آپ نے کر کے دکھایا اس کی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی +

جنگ اُحد کے بعد ایک طرف یہودیوں میں جو مدینہ کے اندر رہتے تھے۔ شورش بڑھ گئی انہوں نے اپنے معاہدات کو پس پشت ڈال دیا۔ اور دشمنوں کے ساتھ سازش کر کے اسلام کو نقصان

حفاظت قوم کی فکر

قبائل عرب میں جوش

پہنچانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف منافقین کی شرارت نے اب اور کھلا رنگ اختیار کیا۔ طرح طرح سے مسلمانوں کو ایذا پہنچانا انہوں نے اپنا شیوہ بنالیا۔ ارد گرد کے قبائل نے بھی مسلمانوں کو اب چند روز کے مہمان سمجھ کر نقصان پہنچانے کا تہیہ کرلیا۔ مسلمانوں کے لئے نہ مدینہ کے اندر امن کا مقام رہا تھا نہ باہر۔ آج اگر ایک طرف سے مدینہ پر حملہ کی تیاری کی خبر آتی ہے تو کل دوسری طرف سے۔ مسلمانوں کو ہر وقت مسلح رہنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایک حدیث میں یہ لفظ آتے ہیں کہ صحابہ شب و روز مدینہ میں ہتھیار باندھ کر رہتے تھے آخر اس حالت سے اُکتا گئے تو نبی کریم صلعم کے پاس شکایت کی آپ نے تسلی دی کہ عنقریب امن کا زمانہ آتا ہے۔ نبی کریم صلعم کس قدر احتیاط سے کام لیتے تھے اس کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک دن منہ اندھیرے کچھ آوازیں بلند ہوئیں جس سے یہ خطرہ ہوا کہ کوئی غنیم حملہ آور ہوا ہے یا کوئی ڈاکہ پڑا ہے مسلمان ادھر ادھر سے ایک جگہ اکٹھے ہونے شروع ہوئے تاکہ مقابلہ کے لیے تیاری کرکے نکلیں۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ خود آنحضرت صلعم بغیر زین کے گھوڑے پر سوار باہر سے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو اطلاع دی کہ فکر نہ کرو معمولی بات ہے۔ آپ ایک اعلیٰ درجہ کے دانا حاکم اور دور اندیش جرنیل ہی نہیں تھے بلکہ ایک بہادر سپاہی کے لئے بھی آپ کی زندگی اپنے اندر ایک نمونہ رکھتی ہے۔ اور بتاتی ہے کہ سپاہی کو کس طرح بے دھڑک کام کرنا چاہیئے۔

غرض مدینہ ان مشکلات کے اندر پھنسا ہوا تھا اس لئے نبی کریم صلعم کو کمال درجہ کی احتیاط سے کام لینا پڑتا۔ اور ہر طرف کی خبر رکھنی پڑتی تھی جہاں یہ معلوم ہوتا کہ کسی قبیلہ میں مدینہ پر حملہ کی تیاری شروع ہوئی ہے آپ فوراً ایک دستہ اپنے مقدس سپاہیوں کا وہاں روانہ کردیتے۔ جو قبل اس کے کہ ان کی جمعیت بڑھنے پائے ان کو منتشر کردیتا اور یوں اس تھوڑی سی احتیاط سے آپ نے بہت سی خطرناک معرکہ آرائیوں کا سدباب کردیا۔ نادان دشمن کہتے ہیں تلوار سے لوگوں کو مسلمان کیا گیا۔ تلوار سے کیا مسلمان کرتے۔ مسلمان ہونے کے معنی تو دشمن کی تلوار کے نیچے سر رکھ دینے کے تھے جسقدر مہمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شورش کے دبانے کے لئے باہر بھیجنی پڑیں کسی ایک کے متعلق بھی ثابت نہیں کہ انہوں نے کسی کو مسلمان کیا ہو۔ مسلمان کرنے کے لئے تو آپ نے مبلغ تیار کیے تھے۔ اس کام کے لئے آپ فوج نہیں بھیجتے تھے بلکہ مبلغ یا قاری بھیجتے تھے۔ اور جہاں سے درخواست آتی تھی وہاں بھیجتے تھے۔ ہاں غدار لوگ بعض اوقات اس بہانہ سے آپکے قاریوں کو قتل کردیا کرتے تھے جیسا کہ بئر معونہ کا مشہور واقعہ ہے جو صفر ۴ھ ہجری میں ہوا یعنی عامر اور بنی سلیم ہوازن میں

(لڑائیوں کا سدباب)

بئر معونہ اور ستر قاریوں کا قتل

میں سے تھے۔ ان کا سردار ابو براء آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ تحفے وغیرہ پیش کرکے (جو آپ نے قبول نہ کئے) یہ کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ کچھ قاری بھیج دیں تو شاید میری قوم مسلمان ہو جائے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا مجھے نجد کے لوگوں سے خوف ہے۔ ابو براء نے حفاظت کا ذمہ لیا۔ اور آپ نے ستر قاری اس کے ساتھ بھیج دیئے۔ جب یہ لوگ بئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے ایک قاصد کو خط دیکر ان قوموں کے پاس بھیجا مگر بجائے کسی جواب کے ایک جرار لشکر فوراً تیار ہوا اور ان تمام مبلغین اسلام کو ایک ایک کرکے قتل کر ڈالا۔ صرف ایک عمرو بن امیہ زندہ رہا جس نے یہ خبر رسول اللہ صلعم تک پہنچائی۔ آپ کو اس سے بہت ہی صدمہ ہوا۔ کیونکہ یہ لوگ خاص طور پر تبلیغ اسلام کے لئے تیار ہوئے تھے۔

رجیع پر دس قاریوں کا قتل

ایسا ہی ایک اور واقعہ رجیع کا ہے۔ کہ دو قبیلوں نے آنحضرت صلعم کے پاس چند آدمی بھیجے کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے چند آدمی دین سکھانے کے لئے ہمارے پاس بھیجے جائیں۔ آپ نے دس قاری بھیجے مقام رجیع پر ان لوگوں کے ساتھ ویسا ہی غداری کا معاملہ ہوا۔ آٹھ ان میں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے دو نے جن کے نام خبیب اور زید تھے کافروں کے وعدہ پر اعتماد کرکے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا۔ مگر انہوں نے بدعہدی کرکے انکو قیدی بنایا اور اہل مکہ کے ہاتھ بیچ ڈالا خبیب کو خاندان حارث نے حرم کی حدود سے باہر لے جاکر قتل کیا۔ قتل ہونے سے پہلے انہوں نے دو رکعت نماز پڑھیں اور پھر یہ اشعار پڑھے:۔

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ

جب میں مسلم ہونے کی حالت میں قتل کیا جاتا ہوں تو مجھے یہ پروا نہیں کہ کس پہلو پر میرا گرنا ہو۔

وَذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاْ یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعِ

اور یہ سب اللہ کے لئے ہے اور وہ اگر چاہے تو جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کرے زید کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادہ سے خریدا۔ ان کے قتل کے وقت ابوسفیان اور دیگر بڑے بڑے قریش موجود تھے۔ جب ان پر تلوار چلنے کو نکل چکی تھی تو ابوسفیان نے کہا کہ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تم بچ جاؤ اور محمد صلعم قتل کئے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اپنی جان کو اتنی وقعت بھی نہیں دیتا کہ میں بچ جاؤں اور رسول اللہ صلعم کو ایک کانٹا چبھ جائے۔ یہ ان لوگوں کے رسول اللہ صلعم کے ساتھ عشق کا ایک نمونہ ہے۔

اس قسم کے واقعات ہیں جب ان قبائل نے دھوکہ دے کر آپ کے بیگناہ مبلغین کو ذبح کرنا

بد دعا سے روک دیا

شروع کیا تو آپ کو نہایت درجہ کا دکھ پہنچا۔ آپ ہر قسم کی تکلیف برداشت کر سکتے تھے مگر اُن لوگوں کا دکھ اور تکلیف آپ سے برداشت نہ ہوتا تھا۔ جنہوں نے پیغامِ حق کو قبول کر کے آپ کا ساتھ دیا۔ اور ہر قسم کی قربانیاں کر کے دکھا دیا تھا کہ وہ خدا کے نزدیک کس بلند مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ قاریوں کے قتل کے واقعات نے اس قدر آپ کی طبیعت کو صدمہ پہنچایا کہ آپ نے ایک دفعہ ان بعض قبائل پر جو دغا بازی سے مسلمانوں کو قتل کر رہے تھے بد دعا کرنے کا ارادہ کیا اور کچھ دن بد دعا کی بھی۔ ایسے لوگوں کی سزا تو یہ تھی کہ ان کو اسی طرح اذیت پہنچا کر قتل کیا جاتا مگر آپ نے اللہ تعالیٰ پر ہی معاملہ کو چھوڑا اگر وہ خدا جس نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا نہ چاہتا تھا کہ دشمن کے لئے بھی آپ کے سراسر رحم دل سے بد دعا نکلے اس لئے آپ پر وحی الٰہی نازل ہوئی جو اس باب کے عنوان میں درج ہے "تمہارا اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں اللہ چاہے تو ان پر رجوع برحمت کرے اور چاہے تو ان کو عذاب دے۔ بے شک وہ ظالم ہیں" اس پاک پیغام کے نازل ہوتے ہی آپ نے بد دعا کرنا چھوڑ دیا۔ اور کس ہادی کی زندگی میں ایسا پاک نمونہ ہم کو ملتا ہے؟

چھوٹے چھوٹے غزوات

غرض جنگ اُحد کے بعد یہود یوں۔ منافقوں اور مشرک قبائل میں مسلمانوں کو جس طرح ممکن ہوا دکھ اور تکلیف پہنچانے کی ایک ہوا چل گئی۔ اگر رسول اللہ صلعم اس قدر احتیاط سے کام نہ لیتے کہ جہاں کسی قبیلے میں اسلام کے خلاف تیاری ہوئی فوراً ان کی طاقت کو قبل اس کے کہ دوسرے لوگ ساتھ ملیں توڑ دیا جائے تو مدینہ میں مسلمانوں کا ایک دن بھی کاٹنا محال تھا کیونکہ چاروں طرف دشمن ہی دشمن پھیلے ہوئے تھے اور ان کی طاقت کا اجتماع مسلمانوں کی تباہی کا یقینی پیش خیمہ تھا۔ ایسے حالات میں جو چھوٹے چھوٹے غزوات ہوئے ان کی تفصیل کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ ان میں سے ایک غزوہ بدر صغریٰ یا غزوہ بدر الآخرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں جنگ کوئی نہیں ہوئی اُحد سے چلتے وقت قریش کہہ گئے تھے کہ اگلے سال بدر پر ہماری تمہاری جنگ پھر ہوگی۔ نبی کریم صلعم اس قول کی بنا پر بدر تک تشریف لے گئے۔ مگر دشمن نہ آیا تھا۔ اس لئے آپ کے ساتھی وہاں ایک تجارتی میلہ میں جو سال کے سال ہوتا تھا کچھ تجارت کر کے واپس آ گئے۔ غزوہ دُومۃ الجندل اور غزوہ ذات الرقاع جو ۵ھ میں ہوئے۔ اور غزوہ بنی لحیان اور غزوہ ذی قرد جو ۶ھ میں ہوئے اسی قسم کے غزوات تھے کہ دشمن کے ارادہ اور تیاری کی خبر پہنچتے ہی فوراً کوئی دستہ فوج کا پہنچ گیا۔ اور یہ لوگ خود پراگندہ ہو گئے یا کوئی معمولی سی جنگ ہو کر خاتمہ ہو گیا اس قسم کے کئی ایک چھوٹے چھوٹے غزوات ہیں۔ مگر غزوہ مریسیع یا غزوہ بنی المصطلق جو

غزوۂ بنی المصطلق

شعبان ۵ھ میں ہوا خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ بنی المُصطَلِق قوم خُزاعہ میں سے تھے اور خُزاعہ کے قُریش کے ساتھ خاص تعلقات تھے بنی المصطلق مقام مُرَیسیع میں آباد تھے جو مدینہ منورہ سے نو منزل کے فاصلہ پر تھا۔ ان کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی ممکن ہے قریش کی تحریک پر اور ان کی مدد کے لئے تیار ہوا ہو۔ آنحضرت صلعم کو اس کی خبر پہنچی۔ آپ نے تحقیقات کی تو خبر کو درست پایا۔ آپ نے ان کے خلاف تیاری کا حکم دیا۔ حارث کو اسلامی فوج کے پہنچ جانے کی خبر ملی تو اپنی جمعیت سمیت بھاگ گیا۔ مگر مُرَیسیع کے لوگوں نے نبی کریم صلعم کے ساتھ جنگ کی۔ اور شکست کھائی۔ ... قیدی اور بہت سے اونٹ اور بکریاں غنیمت میں رسول اللہ صلعم کے ہاتھ آئیں۔ قیدیوں میں جُوَیریہ حارث کی بیٹی بھی تھیں۔ حارث رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنی بیٹی کو واپس لے جانا چاہا تو آپ نے خود جُویریہ کی مرضی پر چھوڑا۔ جُویریہ نے آپ کے پاس رہنے کو ترجیح دی اور نبی کریم صلعم نے زرفدیہ اپنی جیب سے ادا کر کے اُس سے نکاح کر لیا۔ اس نکاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس قدر قیدی اس قوم کے تھے۔ وہ سب کے سب صحابہ نے آزاد کر دیئے کیونکہ ان کو رسول اللہ صلعم کے سسرال ہونیکا شرف عطا ہوا۔

حضرت عائشہ صدیقہ پر افک

اسی غزوہ سے واپسی کے وقت وہ واقعہ پیش آیا جس سے منافقوں کو شرارت پھیلانے کا موقعہ ملا۔ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ پر افک باندھا گیا۔ صدیقہ پر افک۔ کا باندھنا اسی قانون الٰہی کے ماتحت ہوا جس طرح تمام راستبازوں پر جھوٹ باندھا جاتا ہے۔ ایک اور صدیقہ حضرت مریم والدہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان پر بھی افک باندھا گیا[1] افک عائشہ میں دو چار مسلمان بھی منافقوں کی شرارت میں بھولے پن سے آگئے آخر ایک طرف واقعات نے دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی وحی نے صدیقہ کی برأت کی اور منافقین کی شرارت کا منصوبہ کھل گیا۔

---

[1] وَّقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا (النساء - ۱۶۵)

۱۸۔ جنگ احزاب

وَلَمَّا رَأَ الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَ

اور جب مومنوں نے لشکروں کو دیکھا بول اُٹھے یہ وہ ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ اور اس کے

رَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا (الاحزاب: ۳)

رسول نے سچ کہا تھا اور اس نے انہیں صرف ایمان اور فرمانبرداری میں بڑھایا

قبائل عرب کا اتحاد

گو قبائل عرب کی شرارتوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ کو ساتھ علاج کرتے رہے۔ اور آپ نے محض اپنی دانشمندی سے کسی بڑی جنگ تک نوبت نہ پہنچنے دی اور اس طرح بہت سی خونریزی کو آپ نے روکا۔ مگر ان امور کا قریش کے منصوبوں پر کوئی اثر نہ پڑسکتا تھا۔ ادھر یہودیوں میں اسلام کی عداوت بڑھتی چلی گئی۔ جو یہودی مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے تھے وہ مقام خیبر میں آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے اب قریش کے ساتھ مل کر چاہا کہ اسلام کا بالکل خاتمہ ہی کر دیا جائے۔ چنانچہ ذیقعدہ ۵ھ ہجری میں جنگ اُحد سے کوئی دو سال بعد یہودیوں اور قریش کے اکسانے سے مکہ کے آس پاس کے اکثر قبائل اسلام کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ یہ اسلام کو تباہ کرنے کی آخری کوشش تھی اور فوجوں کا ایک ٹڈی دل اسلام کے خلاف تیار ہو گیا جس کا کم سے کم اندازہ دس ہزار ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار۔ قریش کے علاوہ عرب کے اپنی پوری طاقت سے اُٹھے غطفان۔ بنو اسد۔ بنو سلیم۔ بنو سعد سب شامل تھے۔ مدینہ کے اندر ایک قوم یہودیوں کی تھی وہ بھی اس موقعہ پر غداری کر کے دشمنان اسلام کے ساتھ مل گئی اور بظاہر فوجوں کے اس سیلاب عظیم کے سامنے اب مسلمانوں کے بچ رہنے کی کوئی ممکن صورت نہ تھی۔

خندق کا کھودنا

مدینہ میں جب یہ خبر پہنچی تو آنحضرت صلعم نے صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی نے یہ مشورہ دیا کہ ایک خندق کھود دی جائے جو دشمن میں اور محصور افواج میں حائل ہو۔ مدینہ کے ایک طرف چٹانوں کی قدرتی حفاظت تھی۔ دوسری طرف مکانات کی مسلسل دیواروں نے ایک قلعہ کی صورت پیدا کر دی تھی اس لئے جو طرف کھلی ہوئی تھی ادھر فوراً خندق کھودنے کا کام شروع ہوا۔ نبی کریم صلعم نے خود اس کے نشانات لگا کر دس دس آدمیوں میں اس خندق کے ٹکڑے تقسیم کر دیئے۔ اور کسی کا کیا کہنا خود سرور دو عالم اس خندق کے کھودنے والے مزدوروں میں شامل تھے عظیم الشان صحابہ اور خود سید البشر مٹی میں لتھڑے ہوئے ہیں مگر اس حالت میں بھی وہ خوشی دلوں میں ہے جو دنیا میں بہتوں کو بادشاہت

سرور دو عالم مزدوروں میں

کے تخت پر بیٹھ کر بھی میسر نہیں آتی۔ یہ رجز سب کی زبان پر ہے:۔

وَاللّٰہِ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا،

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا

اِنَّ الْاُوْلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا

اے خدا اگر تیرا فضل نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقات دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔ اے خدا تو ہم پر سکینت نازل فرما اور جب دشمن سامنے آئے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما۔ یہ لوگ ہمارے خلاف زیادتی کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں وہ ہم کو دین حق سے دُکھ دیکر لوٹانا چاہتے ہیں اور ہم انکار کرتے ہیں۔ آخری لفظ اَبَیْنَا۔ہاں ہم انکار کرتے ہیں بار بار دُہرایا جاتا تھا۔ ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں مہاجرین اور انصار کو دعائیں دیتے جاتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَاخَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃِ۔ فَبَارِکْ فِی الْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ۔ اے خدا آخرت کی بھلائی ہی اصل بھلائی ہے سو انصار اور مہاجروں کو برکت دے۔ قوم کا بادشاہ اور قوم کا ہادی مگر اس کی مصیبت کے وقت اس کے ادنیٰ مزدوروں میں کام کرنے والا ایک ہی انسان دنیا میں ہوا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ مزدوری کر لینا ایک مسلمان کا فخر ہے کیونکہ خود سید البشر نے یہ کام کیا۔

اگر آپ بادشاہوں میں سب سے زیادہ دانا بادشاہ ہیں تو مزدوروں میں بھی سب سے زیادہ بہادر مزدور ہیں۔ اور یہ ایک عجیب شعبہ آنحضرت صلعم کی زندگی کا ہے۔ اس خندق کے کھودنے میں ایک جگہ سخت پتھر آگیا سب زور آزمائی کر چکے لیکن پتھر نہ ٹوٹا۔ آپ سے عرض کیگئی کہ خندق کو وہاں سے پھیرنے کی اجازت دی جائے۔ آپ اُٹھے پھاوڑا دست مبارک میں لیا۔ اور خندق میں اُتر کر اس زور سے مارا کہ پتھر میں شگاف پیدا ہو گیا۔ ساتھ ہی اس کے ایک روشنی نکلی جس پر آپ نے اللہ اکبر کہا اور سب صحابہ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ فرمایا۔ مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں۔ پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی اور پتھر اور بھی زیادہ پھٹ گیا۔ پھر روشنی نمودار ہوئی۔ اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا اور آپ نے فرمایا مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں۔ تیسری مرتبہ بھی واقعہ ہوا اور پتھر ٹوٹ گیا۔ اللہ اکبر کی آواز بلند ہوئی اور آپ نے فرمایا مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ پہلی مرتبہ مجھے قیصر کے محل دکھائے گئے یعنی شام کے اور دوسری مرتبہ مدائن میں کسریٰ کے محل دکھائے گئے اور تیسری دفعہ صنعا کے محل دکھائے گئے اور فرمایا کہ جبرئیل

فارس روم کی فتح کی پیشگوئی

نے مجھے ابھی اطلاع دی ہے کہ میری اُمت ان پر غالب آئے گی چوبیس ہزار دشمن مٹھی بھر مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے مدینہ کے قریب پہنچ چکا ہو۔ سارا عرب محمد رسول اللہ صلعم کے خون کا پیاسا ہو اور اس وقت یہ ایران اور روم کی بادشاہت کے نظارے دکھائے جائیں۔ یہ انسان کے وہم و گمان سے بالاتر باتیں ہیں۔ عالم الغیب ہستی کے سوائے ان قدرت کے رازوں کو ایسے وقت کون ظاہر کرسکتا تھا جب اسلام کی زندگی کی کوئی امید ظاہری ان کو باقی نہ رہی تھی +

صحابہ کا ایمان

چوبیس ہزار فوج تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ پر اس زور سے حملہ آور ہوئی کہ واقعی مدینہ کی زمین میں زلزلہ آگیا۔ قرآن کریم نے جن الفاظ میں اس جنگ کا نقشہ کھینچا ہے وہ بتاتا ہے کہ اس وقت مدینہ کی کیا حالت تھی اور عام لوگوں کے کیا خیالات تھے۔ قرآن کریم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ جب دشمن تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے یعنی چاروں طرف سے اُمڈ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے[1] مگر سچے مومنوں کے دلوں کی حالت کیا تھی اس کا نقشہ اس آیت میں کھینچا ہے جو عنوان باب میں درج ہے یعنی جب مومنوں نے متحدہ فوجوں کے ٹڈی دل کو دیکھا تو کہا یہ وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا[2] اور اس بات نے ان کے ایمان اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔ یعنی مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ کفر نے اب اپنا پورا زور لگا لیا ہے اور سب قبیلے اسلام کو نابود کرنے کے لئے جمع ہوگئے اس لئے جو پہلے سے کہا گیا تھا کہ احزاب کا لشکر شکست کھائے گا اس کے پورا ہونے کا وقت اب آگیا تھا +

عام مسلمانوں کی تکالیف

بنظر احتیاط مستورات کو محفوظ قلعوں میں بھیج دیا گیا۔ اور چونکہ یہود کے حملے کا خطرہ تھا اس لئے کچھ انتظام ان کی حفاظت کا کر دیا گیا۔ ایک مہینہ تک مدینہ محصور رہا صحابہ اور خود آنحضرت صلعم کو اس اثنا میں سخت فاقے برداشت کرنے پڑے۔ دو دو تین تین وقت کھانا نہ ملتا تو پیٹوں پر پتھر باندھ لیتے باوجود اس کے ہمت اس قدر بلند تھی کہ ایک دن نبی کریم صلعم نے انصار سے کہا کہ تم پسند کرو تو ہم قبیلہ غطفان کے ساتھ ایک تہائی مدینہ کی پیداوار دینے کی شرط پر صلح کرلیں اور اس طرح کفار کا زور ٹوٹ جائے انہوں نے عرض کیا کہ غیروں کو خراج تو ہم نے زمانہ کفر میں بھی نہیں دیا۔ اب ہم ان سے نہیں دب سکتے جو کچھ بھی ہو ہم جنگ کریں گے۔ منافق اور یہودی اس تاک میں تھے کہ باہر سے دشمن کا زور ہو تو اندر سے یہ اُٹھ کھڑے ہوں اور مسلمانوں کو کوئی فرار یا حفاظت کی راہ نہ ملے پہلے ایک ایک دو دو کے

[1] الاحزاب ۱۰۔۱۱ [2] ۲۲ اسمیں اشارہ اس پیشگوئی کی طرف ہے جو مدت پہلے نازل ہو چکی تھی جند ما هنالک مهزوم من الاحزاب (ص ۔ ۱۱) کہ تمام بڑا لشکر یہاں شکست کھایا ہوا احزاب میں سے ہے

مقابلے ہوتے رہے جن میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ عمرو بن وُدّ ایک مشہور عرب کا پہلوان جو ایک ہزار آدمی کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ آخر کفار نے پورے زور سے حملہ کیا خندق کی وجہ سے وہ زیادہ تعداد میں آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ مگر تیروں اور پتھروں کا مینہ اس قدر تھا کہ مسلمان اگر اعلیٰ درجہ کی ثابت قدمی نہ دکھاتے تو دشمن کامیاب ہو جاتا۔ آخر مسلمانوں کی ثابت قدمی پھل لائی چوبیس ہزار فوج بے دست و پا پڑی پڑی تھک گئی۔ اتنی فوج کو رسد بہم پہنچانا بھی ایک نہایت دشوار کام تھا۔ کچھ اس سے فوج میں بے اطمینانی پھیلی کچھ قدرت کی طاقتیں مسلمانوں کی معاون ہو گئیں۔

آخر فوج کا چلا اور محاصرین کا فرار

سردی کا موسم تھا۔ ایک خطرناک آندھی رات کے وقت چلی جس سے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں چولھوں پر دیگچیاں اُلٹ گئیں۔ قرآن شریف میں ہے کہ ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایک لشکر جس کو تم نہیں دیکھتے تھے[۱] اس ہوا اور لشکر نے وہ کام کیا جو مسلمان نہ کر سکتے تھے چوبیس ہزار آدمی نے قدرت کی طاقتوں کو اپنے خلاف دیکھ کر دل چھوڑ دیا۔ اور راتوں رات بھاگ اُٹھے صبح ہوئی تو شہر کا ارد گرد خالی پڑا تھا۔ یہ تھی خدائی نصرت جس نے چند مسلمانوں کو بیرونی دشمنوں کے ٹڈی دل لشکر سے اور اندرونی دشمنوں کی سازشوں سے بال بال بچایا۔ اور کفر اپنا سارا زور اسلام کے خلاف صرف کر کے ہمیشہ کے لئے ان حملوں سے مایوس ہو گیا۔ اس کے بعد قریش اور دیگر قبائل کو مدینہ پر حملہ کی جرأت نہیں ہوئی۔

---

[۱] فارسلنا علیہم ریحا وجنودا لم تروھا (الاحزاب - ۹)
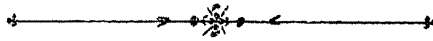
۱۹- یہودیوں اور مسلمانوں کے تعلقات

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ ط (آل عمران - ۱۱۷)

ان کے مونہوں سے بغض ظاہر ہوگیا اور جو ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ اس سے بڑھکر ہے

یہودیوں کا حسد اور شرارتیں

ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہودیوں کا مدینہ کے اندر ایک طاقتور عنصر تھا۔ بنی قینقاع۔ بنی نضیر۔ اور بنی قریظہ ان کے تین بڑے قبیلے تھے۔ اور چونکہ یہ ایک تجارت پیشہ اور سود خوار قوم تھی اس لئے دولتمند تھے اور انصار ان کے مقروض بھی رہتے تھے۔ پھر علم میں بھی وہ انصار سے بڑھ کر تھے۔ غرض ہر قسم کی قوت ان کو حاصل تھی۔ آنحضرت صلعم کی تشریف آوری پر یہودیوں نے آنحضرت صلعم سے معاہدہ کیا تھا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مگر اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر ان کے دلوں میں حسد کی جلن پیدا ہوئی اور منافقوں کے ساتھ مل کر اندر ہی اندر طرح طرح کی کوششیں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کرتے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہتک آمیز اور بیہودہ کلمات کہنے سے نہ رکتے۔ رَاعِنَا (ہماری رعایت کیجئے) کو مروڑ کر رَعِیْنَ (احمق ہے) کہہ دیتے۔ السلام علیکم کی جگہ السَّامُ علیکم (تم پر موت آئے) کا لفظ استعمال کرتے۔ بعض نے ان میں سے منافقانہ روش اختیار کر لی بعض نے ایسے منصوبے بھی سوچے کہ بظاہر اسلام میں داخل ہو کر پھر جائیں تو دوسروں کے دل پر بُرا اثر پڑے گا اور شاید بہت سے مسلمان مرتد ہو جائیں گے

آہستہ آہستہ ان کی عداوت نے یہاں تک ترقی کی کہ در پردہ اسلام کے پورے دشمن ہو گئے۔

بنی قینقاع

مسلمان عورتوں کے ساتھ شعروں میں تشبیب کرتے۔ شرافت سے ایسا نیچے گر گئے کہ چھیڑ چھاڑ سے بھی نہ ٹلتے۔ مدینہ کے بازار میں ایک مسلمان عورت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کا یہ نتیجہ ہؤا کہ ایک یہودی اور ایک مسلمان مارا گیا اور دونوں قوموں میں جنگ ہو گئی۔ یہ جھگڑا بنی قینقاع کے ساتھ ہؤا۔ اور انہوں نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں آ کر یہ کہا کہ ہم قریش کی طرح نہیں ہیں۔ مسلمانوں کو ہمارے ساتھ واسطہ پڑے گا تو معلوم ہو گا۔ آنحضرت صلعم کے ساتھ جو معاہدہ انہوں نے کیا تھا اس کو توڑ دیا اور جنگ کا فیصلہ کر کے قلعہ گزین ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لڑائی کی تیاری کی۔ اور ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ دن محصور رہنے کے بعد اس پر راضی ہوئے کہ جو فیصلہ آنحضرت صلعم کریں وہ منظور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مدینہ چھوڑ جاؤ۔ چنانچہ یہ لوگ شام کے علاقہ میں جا آباد ہوئے۔ یہ ۲ سنہ ہجری جنگ بدر سے ایک ماہ بعد کا واقعہ ہے۔

بنی نضیر

بنی نضیر نے باوجود معاہدہ کے شروع سے قریش کے ساتھ ساز باز رکھا جنگ بدر سے پہلے قریش نے ان کو خط لکھا تھا کہ تم محمد صلعم کو قتل کر دو۔ کھلے طور پر ایسا کرنے کی ان میں طاقت نہ تھی۔ اس لئے طرح طرح کے خفیہ ذرائع سے وہ اسلام کے خلاف منصوبوں میں شامل رہتے۔ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ان کا پورا تعلق تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے نبی کریم صلعم کو بلا کر قتل کرنا چاہا آپ نے ایسے ایسے واقعات کو دیکھ کر ان سے کہا کہ تمہارا مدینہ میں رہنا اب اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تجدید معاہدہ کرو۔ بنی قریظہ نے تجدید معاہدہ کر لی حالانکہ ان کی طرف سے اب تک ایسی شرارتیں بھی نہ ہوئی تھیں۔ مگر بنی نضیر نے تجدید معاہدہ سے انکار کیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ اب علانیہ اسلام کی دشمنی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ ادھر عبداللہ بن اُبی رئیس منافقین نے ان کو وعدہ دیا تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ اس لئے وہ اور بھی مخالفت پر اڑ گئے۔ یہ زمانہ جنگ اُحد کے بعد کا ہے۔ جب چاروں طرف سے اسلام کے دشمن اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ باہر کے دشمن تو حملہ کر کے آ سکتے تھے اور اس کی اطلاع مل سکتی تھی مگر یہ اندرونی دشمن نہایت خطرناک تھے۔ دشمنوں کے ساتھ ان کے تعلقات دوستانہ تھے اس لئے ان کا معاہدہ کی تجدید سے انکار کرنا اعلان جنگ کے ہم معنی تھا علاوہ بریں خود رسول اللہ صلعم کو دھوکہ دے کر قتل کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔ مجبوراً آنحضرت صلعم کو ان کا محاصرہ کرنا پڑا۔ بالآخر تصفیہ اس پر ہوا کہ بنی نضیر مدینہ چھوڑ جائیں اور جس قدر مال و اسباب اپنے اونٹوں پر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ ان میں سے بعض لوگ خیبر میں آباد ہو گئے۔ یہ واقعہ ۳ سنہ ہجری کا ہے۔

کعب بن اشرف کا قتل

۳ سنہ ہجری کا ایک اور واقعہ بھی یہاں قابل ذکر ہے۔ کعب بن اشرف ایک مشہور یہودی شاعر تھا۔ اور اپنی قوم میں اس قدر ذی اثر تھا کہ یہودیوں کے بڑے بڑے علما اس کے دست نگر تھے اور اس کی رائے کے ماتحت تھے۔ باوجود اس کے کہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر لیا تھا یہ شخص نہ صرف اسلام کا دشمن رہا بلکہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ملا ہوا تھا اور مسلمانوں کے خلاف انہیں اکساتا رہتا تھا۔ علمائے یہود سے بھی اس نے مسلمانوں کی دشمنی کا اقرار لیا۔ جنگ بدر کے بعد قریش کو پھر اکسایا کہ وہ بدر کی شکست کا انتقام لئے بغیر نہ رہیں۔ دوسرے قبائل کو بھی اپنے اشعار سے اسلام کے خلاف اکساتا رہتا تھا۔ نبی کریم صلعم کی ہجو کرتا تھا۔ اور آپ کے قتل کے بھی درپے تھا۔ بلکہ ایک دفعہ قتل کا منصوبہ بھی کیا۔ ایک معاہد قوم میں سے ہونے کے باوجود اس قدر عداوت کا اظہار اور پھر اسلام کے دشمنوں سے سازش اور مزید براں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ یہ ایسے امور نہ تھے کہ ان پر خاموشی اختیار کی جاتی۔ اس کی یہ حرکات سخت ترین

سزا کے قابل تھیں لیکن باوجود یہودیوں کے معاہدہ کے کہ جھگڑے کی صورت میں آخری فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرینگے۔ کوئی عدالت ایسی نہ تھی کہ اسے پکڑ کر سزا دے سکتی۔ اگر یہ شخص علانیہ دشمن قوم میں سے ہوتا تو اس کے ساتھ دشمنوں کا سا سلوک ہوتا۔ اس لئے اس کی سزا دہی کے لئے کوئی اور طریق اختیار کرنا ضروری تھا۔ اپنی سازشوں اور منصوبوں کی وجہ سے وہ سزائے قتل کا مستحق تھا۔ اور ان حالات میں اس کو سزا دینے کا طریق صرف ایک ہی تھا یعنی یہ کہ اسے کسی دوسرے طریق سے قتل کرا دیا جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی اجازت سے محمد بن مسلمہ نے بنو سائی اوس کے مشورہ سے ربیع الاول ۳ھ ہجری میں اسے قتل کر دیا۔ اس بنا پر مخالفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسے خفیہ طور پر قتل کرایا گیا حالانکہ دیکھنے والی بات صرف اس قدر ہے کہ آیا وہ سزائے قتل کا مستحق تھا یا نہیں۔ اگر جیسا کہ واقعات بتاتے ہیں وہ سزائے قتل کا مستحق تھا تو سوائے خفیہ قتل کے اور اس کی کوئی صورت ممکن ہی نہ تھی +

جنگ احزاب میں قریش اور عرب کے قبائل کو اکسانے میں بنی نضیر نے بڑا کام کیا اور چاروں طرف دوڑے پھرتے رہے۔ بنی قریظہ جن کا تعلق اب تک مسلمانوں سے اچھا رہا تھا۔ ان کو بھی انہوں نے اکسایا۔ اول اول بنی قریظہ نے اسلام کے دشمنوں سے ملنے سے انکار کیا۔ مگر حیی کا جادو چل گیا۔ اس نے ان کو سمجھایا کہ اس ٹڈی دل کے سامنے جو اب مسلمانوں پر چڑھ کر آیا ہے.... .... مسلمان بچ نہیں سکتے تمہارے لئے اب فیصلہ کرنے کا وقت ہے اور یہ بھی کہا کہ اگر قریش یوں ہی واپس ہو گئے تو میں خود تمہارے قلعہ میں چلا آؤں گا۔ آخر بنی قریظہ نے نبی کریم صلعم کے ساتھ معاہدہ کو توڑ کر قریش کے ساتھ معاہدہ کیا کہ جنگ احزاب میں وہ بھی ان کی اعانت کریں گے اور معاہدہ تحریر تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ عملاً انہوں نے جنگ احزاب میں حصہ لیا۔ قرآن شریف نے بھی اس کا ذکر سورۂ احزاب میں کیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ [1] یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جنہوں نے ان (کفار) کی مدد کی۔ تاریخ سے بھی ان کے جنگ میں حصہ لینے کی صاف شہادت ملتی ہے۔ بلکہ انہوں نے مسلمانوں کی مستورات پر بھی حملہ کرنا چاہا تھا۔ یہ موقعہ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک تھا۔ کیونکہ چوبیس ہزار فوج باہر ان کے کچلنے کے لئے پڑی تھی۔ منافقوں کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا۔ اب بنی قریظہ کی اس غداری سے مشکلات دہ چند ہو گئیں۔ اس لئے غزوہ احزاب کے اختتام پر نبی کریم ان کی سزا دہی کے لئے نکلے۔ اور ان کا

[1] الاحزاب ۲۶ +

محاصرہ کیا۔ کچھ مقابلہ کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم کو سعد بن معاذ کا جو پہلے اُن کے حلیف تھے فیصلہ منظور ہے۔ اگر یہ لوگ خود نبی کریم صلعم کے فیصلے پر راضی ہوتے تو غالباً آپ اُن سے وہی معاملہ کرتے جو ان سے پہلے بنی قینقاع اور بنی نضیر سے کیا تھا یعنی ان کو جلاوطن کر دیتے مگر حضرت سعدؓ کو ان کی خطرناک غداری کے سبب اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے توریت کے فیصلہ کو جس سے وہ انکار نہیں کرسکتے تھے۔ ان کے حق میں عائد کیا۔ توریت میں ہے کہ جب غنیم صلح پر راضی نہ ہو اور اس کا محاصرہ کیا جائے اور پھر تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں ان سب کو قتل کر دے باقی بچے عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی[1] چنانچہ سعدؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ بنی قریظہ کے مرد جو تعداد میں قریباً تین سو تھے قتل کر دیئے جائیں عورتیں اور بچے قید ہوں مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ یہ وہی فیصلہ تھا جو خود یہود اپنے دشمنوں پر عاید کرتے تھے باوجود اس کے جس قدر خطرناک غداری کا ارتکاب انہوں نے کیا۔ آج اس تہذیب کے زمانہ میں بھی کوئی قوم اس قسم کی غداری کرے تو اس سے نرم سلوک اُس سے نہ کیا جائے گا۔ پھر اول تو فیصلہ اس شخص کا جسے انہوں نے خود منصف مانا۔ دوسرے وہ فیصلہ توریت کے عین مطابق اور توریت ان کی اپنی آسمانی کتاب۔ تیسرے ان کی غداری خطرناک سزا کو چاہتی تھی۔ پس اس فیصلہ کی بنا پر آنحضرت صلعم پر اعتراض کرنا نادانی ہے۔ یہود کی شریعت کے مطابق یہ فیصلہ جس پر مخالفین اسلام اس قدر واویلا کرتے ہیں یہ بھی بتاتا ہے کہ شریعت اسلامی کس قدر رحم لے کر آئی اور شریعت موسوی کی تنسیخ کی کس قدر ضرورت تھی یہ واقعہ ۵ھ ہجری کا ہے +

جنگ خیبر کا واقع گو صلح حدیبیہ کے بعد کے زمانہ کا ہے۔ مگر اس کا ذکر بھی اسی جگہ یہودیوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں زیادہ موزوں ہے۔ بنی نضیر جب مدینہ سے جلاوطن ہوئے تو اُن کا بڑا حصہ بالخصوص سرگروہ خیبر میں جا آباد ہوئے۔ خیبر مدینہ سے کوئی دو سو میل کے فاصلہ پر عرب میں یہودیوں کا خاص مقام تھا۔ یہاں ان کے متعدد قلعے تھے۔ اور حکومت بھی انہیں کی تھی۔ بنی نضیر کے وہاں جانے سے اسلام کے خلاف ان لوگوں کے دلوں میں عداوت کا بیج بویا گیا حُیَیّ نے خود پھر کر جنگ احزاب کے لئے اہل مکہ کو قبیلہ غطفان اور دیگر قبائل کو اُکسایا تھا۔ بلکہ بنو قریظہ کو بھی اپنے ساتھ ملایا تھا۔ جنگ احزاب میں قریش کی ناکامی کے ساتھ گو اسلام کا قدم مدینہ میں مضبوط ہو گیا مگر یہودیوں کے دلوں میں عداوت روز افزوں ترقی پر تھی۔ عبداللہ بن اُبَی راس رئیس منافقین کی اُن کے ساتھ خط و

[1] استثنار ۲۰: ۱۰ +

کتابت تھی۔ اور وہ برابر اُن کو اُکساتا رہتا تھا کہ تم محمد صلعم کی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ چنانچہ ۶ سنہ ہجری کے آخر جب مسلمانوں کو قریش نے حج سے روک دیا۔ اور آنحضرت صلعم کو کمزور شرائط پر قریش کے ساتھ صلح کرنی پڑی۔ تو یہودیوں نے پھر قبیلہ غطفان کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے سازش کی نبی کریمؐ کو اس سازش کی خبر پہنچی۔ تو آپ نے پہلے اس خبر کی تصدیق کی اور تصدیق کر لینے کے بعد آپ ۱۶۰۰ اصحابہ کو ساتھ لیکر خیبر کی طرف بڑھے۔ اور مقام رجیع میں فوجیں اتاریں جو خیبر اور غطفان کے درمیان تھا۔ اس طرح پر غطفان یہود کی اعانت کو نہ پہنچ سکے بلکہ ان کو خود اپنے گھر کی فکر پڑ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ یہودی مسلمانوں کی قوت کو دیکھ کر صلح کر لیں گے مگر جب آپ خیبر پہنچے تو یہ لوگ جنگ کے لئے پوری طرح تیار تھے اس لئے جنگ شروع ہو گئی۔ اور کچھ قلعے فتح ہو گئے مگر قموص کا قلعہ ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا اور اس میں فوج بھی بڑی زبردست تھی۔ یہ قلعہ کوئی بیس دن کے محاصرہ کے بعد حضرت علی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔

فتح کے بعد یہود نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ مفتوحہ زمین نصف پیداوار کے دینے کی شرط پر انہی کے قبضہ میں رہنے دی جائے۔ آنحضرت صلعم نے اس درخواست کو منظور کیا اور یہودیوں کو وہاں سے بیدخل نہیں کیا۔ حالانکہ آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ شریر ہیں اور اسلام کے خلاف شرارتیں کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔ چنانچہ فتح کے بعد ان کی سب سے پہلی شرارت یہی ہے کہ بڑے بڑے یہودیوں کے مشورہ سے زینب بنت الحارث نے جو ایک مقتول یہودی رئیس کی بیوی تھی آنحضرت صلعم کی دعوت کی۔ اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو محفوظ رکھا۔ آپ نے ایک لقمہ اُٹھا کر ہاتھ روک لیا مگر ایک صحابی بشر بن براء جنہوں نے سیر ہو کر کھانا کھا لیا۔ زہر کے اثر سے فوت ہو گئے۔ چونکہ ان کی شرارتیں حضرت عمرؓ کے زمانہ تک نہ رکیں حتیٰ کہ تو آپ کے فرزند عبداللہ کو انہوں نے کوٹھے سے گرا دیا۔ اس لئے آخر کار حضرت عمرؓ نے ان کو جلاوطن کر کے ملک شام میں بھیج دیا اور ملک عرب کو ہمیشہ کے لئے ان کی منصوبہ بازیوں سے پاک کر دیا۔

آنحضرت صلعم کو زہر دینے کی کوشش

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو رحم مجسم تھے۔ آپ نے چاہا کہ اس قوم کی بھی دلجوئی کی جائے۔ شاید یہ اس طرح شرارتوں سے باز آجائیں زہر دینے کے واقعہ پر بھی آپ نے کوئی سزا عام طور پر یہود کو نہیں دی البتہ بشر کے فوت ہو جانے پر زینب کو بطور قصاص مروا ڈالا۔ حالانکہ آپ کی جان لینے کی کوشش ایک ایسا جرم تھا کہ اس پر ساری قوم کو تباہ کر دیا جاتا تو ان حالات میں جائز تھا۔ مگر آپ چاہتے تھے کہ کسی طرح اس قوم کی اصلاح ہو جائے اور ان کی عداوت اسلام کے ساتھ کم ہو جائے

صفیہ سے شادی

اس لئے آیندہ اس قسم کی شرارتوں کا سدباب کرنے کے لئے آپ نے ان سے خاص تعلق پیدا کرنا چاہا چنانچہ جب آپ کو علم ہوا کہ کنانہ ان کے سردار کی بیٹی صَفِیّہ بھی غنیمت میں آ کر کسی صحابی کے حصہ میں آگئی ہیں تو آپ نے ان کو آزاد کر کے خود اُن سے نکاح کر لیا۔ مال غنیمت میں جو یہودیوں کے خزانوں کے قصے آتے ہیں وہ سب فرضی ہیں۔ مال غنیمت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے حضرت صَفِیّہ سے نکاح کیا تو دعوت ولیمہ کے لئے آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور آپ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ اپنا اپنا کھانا لے آئیں اور اکٹھے مل کر کھالیں۔ چنانچہ اس دسترخوان پر کھجور اور ستو کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ اس دعوت ولیمہ کا حال ہے جس میں ایک فاتح بادشاہ کی شادی ایک شہزادی کے ساتھ ہوتی ہے۔ مال غنیمت میں علاوہ قیدیوں کے جو مال تقسیم ہوا وہ بھی سوائے کھجوروں کے کچھ نہ تھا۔ یہودیوں کی ان تمام منصوبہ بازیوں کے باوجود جو وہ پیغمبر اسلام کے برخلاف کرتے رہے مسلمانوں نے ہمیشہ اس قوم کی حفاظت کی ہے اور دنیا میں ان کو اگر کہیں امن ملا ہے تو مسلمانوں کے ماتحت ملا ہے ؞

۲۰۔ صُلحِ حُدَیبیہ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ

ہم نے تیرے لئے ایک کھلی فتح (کی راہ) کھولدی ہے تاکہ اللہ تیرے لئے اسکی حفاظت کرے جو تیری (امر قوم) قصور سے پہلے گزر چکا اور جو پیچھے رہا اور

عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا (الفتح ۱-۳)

اپنی نعمت کو تجھ پر پورا کرے اور تجھے سیدھے رستے پر چلائے اور اللہ تجھے زبردست نصرت سے مدد کرے

غزوہ احزاب نے جو سنہ ۵ ہجری کے آخر میں ہوا۔ یہ ثابت کردیا کہ اسلام کے اندر یا اس کے پیچھے کوئی ایسی غیبی طاقت ہے کہ عرب کی متفقہ قوت بھی اس کو تباہ کرنے کے قابل نہیں۔ قریش نے اپنا پورا زور پہلے جنگ بدر میں اور پھر جنگ اُحد میں لگایا مگر اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ قبائل عرب نے علیحدہ علیحدہ کوشش کرکے دیکھ لیا۔ اسلام کے مضبوط قدم کو جنبش نہ دے سکے۔ منافقوں اور یہودیوں نے اندر سے اسلام کو تباہ کرنا چاہا نامراد رہے۔ بالآخر قریش۔ قبائل عرب۔ یہودی اور منافق۔ بیرونی اور اندرونی کل دشمنوں نے ایک متفقہ کوشش کی مگر وہی ناکامی ان کے حصہ میں آئی جو پہلے آتی رہی تھی۔ یہ قریش کی آخری کوشش تھی۔ اس کے بعد ان کو مدینہ پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں ہوئی جن لوگوں کے کان ہمیشہ اس آواز سے آشنا رہے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ وہ ان واقعات کو پڑھ کر جن کا اعتراف دشمن و دوست کو یکساں ہے معلوم کریں گے کہ یہ کیسا الٹا اتہام اسلام پر ہے۔ حق یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلایا گیا بلکہ تلوار کے زور کا مقابلہ کرتا ہوا پھیلا۔ کسی مذہب نے اس طاقت کا ثبوت نہیں دیا جس طاقت کا ثبوت اسلام نے دیا ہے کہ چاروں طرف سے اس پر تلواریں پڑتی ہوں۔ مگر وہ سب اس کی تباہی نہیں بلکہ اس کی ترقی کا موجب ثابت ہوتی ہوں۔ تین حملے جو پانچ سال کے عرصہ میں یکے بعد دیگرے مدینہ پر ہوئے جنکی غرض اسلام کو اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا تھا۔ جن میں پہلے سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا بڑھکر شدت اور زور سے ہوا۔ وہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکے بلکہ مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں ترقی نظر آتی ہے۔ اگر بدر میں تین سو تیرہ آدمی نکلتے ہیں تو ایک سال بعد اُحد میں سات سو آدمی ہیں اور دو سال بعد احزاب کے مقابلہ میں ڈیڑھ دو ہزار سے کم جمعیت نہیں پس جتنی زیادہ کوشش اعدائے اسلام اسلام کے

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا بلکہ تلوار کے باوجود پھیلا

نیست ونابود کرنے کے لئے کرتے تھے۔ اسی قدر یہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودہ زیادہ سرسبز ہوتا جاتا تھا کوئی آندھی اس کی جڑوں کو ہلا نہ سکی کوئی بادِ سموم کا جھونکا اس کی سرسبز شاخوں کو جلا نہ سکا بلکہ یہ تمام مخالفت کھاد ہی کا کام دیتی رہی ؛

آنحضرت کا ارادہ حج کرنا

جنگ احزاب پر قریباً ایک سال کی مدت گزر گئی۔ موسم حج قریب آیا۔ نبی کریم صلعم نے رویا میں دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ سمیت خانہ کعبہ کا حج کر رہے ہیں۔ آپ نے خیال کیا کہ اب قریش اور قبائل عرب اپنا پورا زور صرف کر کے دیکھ چکے ہیں کہ وہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس لئے صداقت اسلام ضرور ان کے دلوں میں گھر کر چکی ہوگی۔ دوسری طرف خانہ کعبہ کا حج ایک ایسا امر تھا کہ جس سے کبھی خطرناک سے خطرناک دشمن کو نہ روکا گیا تھا۔ اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ کفار حج کرنے میں آپ کے مزاحم ہوں پس آپ تیرہ چودہ سو کے درمیان صحابہ کے ساتھ ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری میں عمرہ کے لئے عازم مکہ ہوئے۔ مزید احتیاط کے لئے آپ نے حکم دیا کہ جنگ کے ہتھیار اور سامان ساتھ نہ لیا جائے تاکہ قریش کے دلوں میں کسی قسم کی تشویش پیدا نہ ہو۔ اور مزاحمت کے لئے بہانہ نہ بنالیں۔ صرف تلوار اور وہ بھی نیام میں ساتھ رہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی چیز تھی جس کو عرب کسی حالت میں نہ چھوڑتے تھے۔ چودہ سو جان نثاروں کے ساتھ آپ روانہ ہوئے۔ قربانی کے جانور ساتھ تھے۔ عمرہ کا احرام آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے باندھ لیا۔ مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نکل آئے ہیں۔ قبیلہ خزاعہ اسلام نہ لایا تھا مگر اسلام کے حامیوں میں سے تھا اس کے رئیس بدیل نے آنحضرت صلعم کو قریش مکہ کے ارادہ سے خبر دی آپ نے اُسے قاصد بنا کر قریش کے پاس بھیجا کہ وہ ان سے کہہ دیں کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے بلکہ صرف حج کے ارادہ سے آئے ہیں اور بہتر ہے کہ قریش ایک مدت کے لئے ہمارے ساتھ صلح کر لیں اور خود حدیبیہ کے مقام پر جہاں ایک کنواں تھا نزول فرمایا۔ یہ مقام مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے ؛

قریش مزاحم ہوئے

عروہ کا آنا اور صحابہ کا عشق دیکھنا

بدیل نے آنحضرت صلعم کا پیغام قریش کو پہنچایا تو تجربہ کار لوگوں کو جو دیکھ چکے تھے کہ ان کی ساری طاقت بھی اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکی یہ تحریک پسند آئی۔ کیونکہ خود ان کی تجارت ملک شام سے بھی رُکی ہوئی تھی عروہ نے کہا مجھے جا کر محمد صلعم سے گفتگو کر لینے دو۔ چنانچہ اس نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے کچھ بات چیت کی اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ پر کوئی مصیبت پڑی تو یہ لوگ جو آپ کے ساتھ اکٹھے ہوئے ہیں گرد کی طرح اڑ جائیں گے۔ حضرت ابو بکر کو یہ سن کر غصہ آیا اور آپ نے اس کو سختی سے جواب دیا۔ اتفاق سے نماز کا وقت آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو صحابہ کے

عشق کی یہ حالت تھی کہ آپ کے وضو کا پانی زمین پر گرنے نہ پاتا تھا۔ عروہ اس عشق کی حالت کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ بات تو کوئی طے نہ ہوئی مگر اس اثر کو عروہ ساتھ لے گیا اور قریش سے کہا کہ میں نے قیصر و کسرےٰ کے دربار دیکھے ہیں مگر جو جان نثار محمد رسول اللہ صلعم کو ملے ہیں اس کی نظیر میں نے کہیں نہیں دیکھی +

قریش کے پاس قاصدوں کا بھیجنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ایک روز قاصد قریش کے پاس بھیجا مگر اس کے ساتھ انہوں نے یہ سلوک کیا کہ اس کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا۔ اور ایک دستہ فوج کا مسلمانوں پر ناگہاں حملہ کرنے کے لئے نکلا۔ مگر خود گرفتار ہو گیا۔ آپ کی غرض چونکہ جنگ نہ تھی۔ اس لئے آپ نے اُن کو چھوڑ دیا۔ بالآخر حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا جن کا مکہ میں اچھا رسوخ تھا مگر قریش نے ان کو نظر بند کر لیا۔ اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان مارے گئے۔ اب آنحضرت صلعم نے سمجھا کہ کفار جنگ پر تلے ہوئے ہیں۔ موقع بڑا نازک تھا۔ ہتھیار اور سامان جنگ ساتھ نہیں۔ قریش اپنے گھر میں ہیں۔ آپ کے ہمراہ جمعیت بھی بہت تھوڑی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر اس قدر یقین تھا کہ جب بار بار صلح کے پیغاموں کی پروا قریش نے نہ کی تو آخر آپ نے صحابہ سے یہ عہد لیا کہ اسلام کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کی پروا نہ کریں گے پیٹھ دکھانا مسلمانوں کا شیوہ نہ تھا۔ ایک ببول کے درخت کے نیچے تمام صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی جو بیعت الرِّضوان کے نام سے مشہور ہے سب لوگوں نے عہد کیا کہ اگر کفار نے جنگ کی تو ہم اپنی جانوں کو فدا کر دیں گے۔

بیعت الرضوان

مگر باوجود رسول اللہ صلعم پر اس قدر جاں نثاری کے توحید کا اسقدر غلبہ خیالات پر تھا کہ بعد کے زمانہ میں جب لوگوں نے اس درخت کی زیارت شروع کر دی جہاں ایسا اہم واقعہ پیش آیا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس درخت کو کٹوا دیا +

شرائط صلح

قریش مسلمانوں کے ہاتھ تو بارہا دیکھ چلے تھے ان کو جب یہ پتہ لگا کہ مسلمان مرنے مارنے پر تیار ہیں تو صلح کے شرائط طے کرنے کے لئے سُہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا۔ مگر ساتھ یہ قید لگا دی کہ اس سال ہم قطعاً حج کی اجازت نہ دیں گے سُہیل نے یہاں آکر چند شرائط طے کیں جن میں مسلمانوں کو ایک مغلوب فریق کی حیثیت دی گئی۔ یہ معاہدہ دس سال کے لئے تھا اور بڑی شرائط یہ تھیں +

۱۔ مسلمان اس سال بغیر حج کئے واپس چلے جائیں +

۲۔ اگلے سال آئیں مگر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں +

۳۔ مکہ میں جو مسلمان ہیں ان کو ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے

تو اس کو نہ روکیں۔

۴۔ مکہ والوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ جائے تو مسلمان پابند ہوں گے کہ اس کو واپس کر دیں لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں چلا جائے تو قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

۵۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ جس فریق کے ساتھ چاہیں شریک معاہدہ ہو جائیں۔

معاہدہ لکھنا شروع ہوا تو اول بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پر اعتراض ہوا کہ ہم بِاسۡمِکَ اللّٰھُمَّ جو عرب میں مروج چلا آتا تھا لکھیں گے۔ آنحضرت صلعم نے اس کو منظور کر لیا۔ پھر جب یہ لکھا گیا کہ یہ معاہدہ مابین محمد رسول اللہ اور فلاں کے ہے تو سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو یہ لڑائیاں کیوں ہوتیں حضرت علیؓ نے جو معاہدہ لکھ رہے تھے عرض کیا کہ میں رسول اللہ کا لفظ اپنے ہاتھ سے نہیں مٹا سکتا۔ تو آنحضرت صلعم نے جگہ بتانے پر خود اس کو مٹا دیا۔ اور اس کی جگہ محمدؐ بن عبد اللہ لکھا گیا۔

یہ شرائط مسلمانوں کو سخت ناگوار گزریں مگر بپاس ادب خاموش تھے۔ اتنے میں ابو جندل جو سہیل کے فرزند تھے اور مکہ میں اسلام لا چکے تھے اور بوجہ مسلمان ہونے کے سخت اذیت ان کو دی جاتی تھی آپہنچے۔ اور اپنی حالت زار رسول اللہ صلعم کو دکھائی۔ آنحضرت صلعم نے بہتیرا چاہا کہ کسی طرح ابو جندل معاہدہ سے مستثنےٰ ہوں۔ مگر سہیل نے ایک نہ مانی اور آخر آنحضرت صلعم کو مجبوراً ماننا پڑا کہ ابو جندل قریش کے قبضہ میں رہے۔ مگر مسلمانوں سے ابو جندل کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی ایک طرف پابندیٔ عہد اور دوسری طرف ایک مسلمان کی ظلم وستم سے یہ حالت۔ آخر حضرت عمرؓ نہ رہ سکے اور مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی بارگاہ نبوی میں کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ رسول برحق نہیں؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا یقیناً ہوں۔ پھر عرض کیا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک ہیں۔ عرض کیا پھر دین میں ہم پر ایسی ذلت کیوں ڈالی جاتی ہے آپ نے فرمایا میں خدا کے حکم کے مطابق کرتا ہوں۔ پھر عرض کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم حج کرینگے؟ آپ نے فرمایا لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔ یہی باتیں حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہیں اور وہی جواب حضرت ابو بکرؓ نے دیا کہ رسول اللہ صلعم جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔

غرض ابو جندل کی وجہ سے مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا مگر کچھ نہ کر سکتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہم عہد کی پابندی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ کافروں کے ساتھ عہد کی عزت ہے۔ آپ نے ابو جندل کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھی کوئی راہ کھول دے گا لیکن ہم شرائط

ابو جندل کا واقعہ

حضرت عمرؓ کا اعتراض

کے خلاف نہیں کر سکتے۔

فتح مبین

واپسی پر رسول اللہ صلعم پر سورہ فتح نازل ہوئی جس کی شروع کی آیات عنوان میں نقل ہوئی ہیں اور جس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ ہم نے تم کو فتح مبین عطا فرمائی ہے جس کو مسلمان ذلت کی صلح سمجھ رہے ہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ اسلام کی کھلی فتح قرار دیتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کو یاد فرمایا آپ ڈرتے ہوئے گئے کہ بارگاہ نبوی میں گستاخی کی ہے کوئی عتاب نہ نازل ہوا ہو۔ مگر وہاں مژدہ تھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ کیا یہی صلح فتح مبین ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر کون مسلمان تھا جو اس کو فتح یقین نہ کرتا۔ سب لوگ یا تو اس کو اپنی سخت ذلت سمجھتے تھے۔ اور یا اب خوش ہو ہو کر سورہ فتح کو پڑھ رہے ہیں۔ مگر کیا یہ ان کا مجنونانہ فعل تھا۔ واقعات ان کو بتا چکے تھے کہ جہاں اسلام کی شکست نظر آئی ہے وہاں درحقیقت اسلام کی فتح ثابت ہوئی ہے۔

صلح کے بعد اسلام کی ترقی

واقعات نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین ثابت کر دیا اس پر کھلی شہادت یہ ہے کہ ڈیڑھ یا پونے دو سال بعد جب رسول اللہ صلعم عازم مکہ ہوتے ہیں تو چودہ سو آدمیوں کی جگہ دس ہزار قدسی آپ کے ہمرکاب تھے۔ یہ ترقی کیونکر ہوئی؟ پہلے اسی قدر عرصہ میں اسقدر ترقی مسلمانوں کی تعداد میں کبھی نہیں ہوئی بات یہ ہے کہ اسلام کی ترقی میں لڑائیاں ایک بھاری روک تھیں۔ اسلام جسکے معنی صلح اور آشتی ہیں صلح اور آشتی کے اندر جو ترقی کر سکتا ہو وہ دوسرے حالات میں نہیں کر سکتا۔ جب سے آنحضرتؐ مکہ سے نکلے قریش ہی نہیں بلکہ کل عرب میں اور مسلمانوں میں جنگ چھڑ گئی جس کی غرض اسلام کو نیست و نابود کرنا تھا پس ہر ایک دل میں مسلمانوں کی طرف سے تنفر بیٹھا ہوا تھا۔ کون تھا جو ان حالات میں ٹھنڈے دل کیساتھ اسلام کی تعلیم پر غور کرتا؟ وہاں تو اسلام کو تباہ کرنیکے جذبات سینوں میں موجزن ہو رہے تھے۔ کون تھا جو یہ دیکھتا کہ مسلمان کی زندگی کیسی پاک زندگی ہے؟ جن لوگوں نے محمد رسول اللہ صلعم کا ساتھ دیا ہے وہ کسطرح ہر ایک قسم کی آلائشوں سے پاک ہو کر ایک بلند مقام پر کھڑے ہو گئے ہیں۔ جن کو اپنا دشمن سمجھا جائے انکے حالات پر غور کہاں ہو سکتا ہے اب جو صلح ہوئی تو میل جول و تعلقات از سر نو قائم ہوئے کفار کو موقعہ ملا کہ مسلمانوں کے اندر آ کر رہیں اور ٹھنڈے دل سے تعلیم اسلام پر غور کریں اور مسلمانوں کے حالات زندگی کا مطالعہ کریں

آنحضرت پر غلط الزامات کا دور ہونا

اس میل جول سے وہ تمام خیالات جو رسول اللہ صلعم کے متعلق انہوں نے اپنے دلوں میں بٹھائے ہوئے تھے کہ آپ قطع رحمی کرتے ہیں اور فساد پھیلاتے ہیں یک قلم دور ہو گئے اور نبی کریم صلعم کے بلند اخلاق کے دیکھنے کا ان کو موقعہ ملا۔ نبی کریم صلعم کی زندگی میں درحقیقت یہ پہلا موقعہ تھا کہ کفار نے بے تعصبی کی نگاہ سے آپ کے حالات کا مطالعہ کیا اور اس مطالعہ کے ساتھ ہی ان تمام خیالات باطلہ کا ازالہ ہو گیا جو رسول اللہ صلعم کے متعلق انکے دلوں میں تھے جو ذنوب وہ آنحضرتؐ کی طرف منسوب کرتے تھے اب ان کو معلوم ہوا کہ وہ سب

ان کی غلطیاں تھیں یا لوگوں نے دھوکہ دے رکھا تھا اسلام اور محمد رسول اللہ صلعم کی پاک تصویر نے ان کو اپنا شیدا بنالیا۔ اور وہ لفظ قرآن کریم کے پورے ہوئے جو حُدَیبیہ سے واپسی کے وقت آپ پر نازل ہوئے تھے لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ کہ جو جو برائیاں آپ کی طرف منسوب ہوتی ہیں ان سب کو خدا دور کردیگا۔ اور آپ کی پاکیزگی اور طہارت کو لوگوں پر ظاہر کر دیگا۔ ہاں جو برائی کی باتیں آپ کی طرف مَا تَاَخَّرَ کے ماتحت بعد میں منسوب ہوئیں انکو بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اسی طرح دور کردیگا۔ اور ہم اپنی آنکھوں سے آج دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح نبی کریم صلعم کی وہ تاریک تصویر جو یورپ میں ایک زمانہ میں کھینچی جاتی تھی آج خود بخود مٹ رہی ہے اور اس کی بجائے آپ کے مقام بلند آپ کے حُسنِ اخلاق۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کا اعتراف پھیلتا جاتا ہے۔ ہاں اسلام کو دنیا میں پھیلنے کیلئے صلح درکار ہے۔ اور وہ صلح اب شاید مستقل طور پر قایم ہوگئی ہو جب کہ یورپ کی ہوس ملک گیری کے لئے ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کا نعرہ لگانے کے لئے جگہ باقی نہیں رہی۔ مسلمانوں کو جو دور کی نگاہ سے نسل انسانی کا دشمن سمجھا جاتا تھا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان کے قریب ہو کر ان کے حالات سے واقف ہو کر وہ خیال بدل جائے اور اسلام کی اصلی تعلیم کی طرف توجہ ہو۔ یہ خدا کے کام ہیں کہ اس زمانہ میں پھر اسلام کی ظاہری شکست میں اس کی حقیقی فتح کا راز مضمر ہے +

اس صلح کی شرائط اول مسلمانوں کو ناگوار معلوم ہوئیں مگر اس میں بھی بڑی مصلحت مخفی تھی کہ ایسی کڑی شرائط پر آنحضرت صلعم نے صلح کو قبول کرلیا۔ اول تو یہ واقعہ خود بتاتا ہے کہ آپ کو جنگ سے کس قدر نفرت تھی۔ مسلمان اب تک کسی میدان میں کفار کے ہاتھ سے مغلوب نہیں ہوئے شکست نہیں کھائی۔ اب بھی وہ لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ اور مغلوب نہیں ہوئے۔ مگر باوجود اس کے جب صلح کی طرف کچھ بھی کفار کا میلان آپ کو نظر آتا ہے تو آپ باوجود مغلوب نہ ہونے کے مغلوب فریق والی شرائط منظور کرلیتے ہیں۔ جس شخص کا یہ منشا ہو کہ تلوار سے اپنی بات منوائے اس کے لئے ایسا طریق اختیار کرنا ناممکن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کس قدر صلح کے خواہشمند تھے۔ قرآن شریف میں صاف تعلیم ہے کہ اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو تم بھی صلح اختیار کرو[1] عملی طور پر یہی آپ نے کر دکھایا اور صلح کی خاطر ان شرائط کو بھی منظور کرلیا جو خود صحابہ کو ذلت کی شرائط نظر آتی تھیں +

اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ مکہ میں لوگ مسلمان ہونے سے رکتے نہیں انکے سامنے اب بھی مسلمانوں کی بیکسی کا نقشہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو دین اسلام اختیار کریں کفار کے مظالم سے چھڑا نہیں

اسلام اور صلح

مزید مظالم سہنے کے باوجود اسلام کی ترقی

[1] وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال - ٦١)

سکتے۔ نہیں بلکہ اگر وہ خود کسی طرح ان مظالم سے نجات حاصل کر کے بھاگ کر ان کے پاس پہنچیں تو وہ ان کو اپنے پاس بھی نہیں رکھ سکتے۔ انسان کے لئے دکھ برداشت کرنا بعض وقت یوں بھی آسان ہو جاتا ہے کہ اس کے آس پاس اس کے ہم خیال ہوں گو وہ بھی دکھ اُٹھا رہے ہوں مسلمانوں کو جواب تک یہ موقعہ میسر تھا کہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جائیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد یہ موقعہ بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ اب وہ کس آسرے پر اسلام اختیار کریں گھر میں جو دکھ ملتے ہیں وہ ناگفتہ بہ۔ مدینہ میں بھاگ کر جانے کا رستہ بھی رُک گیا۔ ابُو جندل کا قصہ سامنے ہے کہ کس طرح پابزنجیر اسے ظالموں کا تختہ مشق بننے کے لئے واپس کرنا پڑا۔ غرض اب نو مسلموں کے لئے کوئی بھی چارہ کار نہ رہا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس کے بعد اسلام کی ترقی بالکل ہی مسدود ہو جاتی۔ مگر بجائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اسی زمانہ میں ان حالات کے ماتحت اسلام پہلے سے دہ چند ترقی کر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر ذاتی خوبیاں اس قدر تھیں کہ اس کے عشاق کو دنیا کی سب مصائب ہیچ نظر آتی تھیں۔ نہ کفار اذیت میں کمی کرتے ہیں نہ مسلمان اپنے پاس پھٹکنے کی اجازت دیتے ہیں نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن مگر کیا ہی حسن و جمال اسلام اور اس کے پاک پیغمبر صلعم کے اندر نظر آتا تھا کہ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے دکھوں کی آگ میں کودتے اور مطلق پروا نہ کرتے کہ دنیا میں ان کے لئے کوئی امن کی جگہ ہے یا نہیں۔ کیا یہی بزور شمشیر مسلمان ہونا ہے؟ اگر اسلام کی تاریخ پر ایک بھی عمیق نگاہ معترضین اسلام نے ڈالی ہوتی۔ تو یہ لفظ ان کے منہ سے کبھی نہ نکلتے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ حدیبیہ کی تاریخ میں پھر وہی حقیقت آنکھوں کے سامنے آجلوہ گر ہوتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ تلوار کے زور کے باوجود پھیلا۔ ہر طرف سے تلوار اس پر گرتی ہے۔ مگر کوئی تلوار اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ہاں اس پر تلوار چلانے والے خود ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ مسیح کے ان الفاظ کا مصداق ثابت ہوتا ہے "جو اس پتھر پر گریگا چور ہو جائے گا پر جس پر وہ گرے اسے پیس ڈالے گا"

ابو جندل کا واقعہ اوپر بیان ہو چکا۔ ایک اور من چلا مسلمان عُتبہ بن اُسید کفار کے ہاتھ سے تنگ آکر مکہ سے بھاگا۔ اور مدینہ پہنچا۔ ساتھ ہی قریش کے دو قاصد پہنچے کہ عتبہ کو مطابق شرائط واپس کیا جائے۔ آنحضرت صلعم نے عتبہ سے فرمایا کہ واپس جاؤ اس نے حیران ہو کر عرض کیا کہ کیا آپ مجھے کفر پر مجبور کرتے ہیں؟ کتنا بڑا امتحان ہے؟ اگر آپ عتبہ کو رکھ لیں تو زیادہ سے زیادہ قریش چڑھ کر آئیں گے اور وہ مدینہ میں آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ مگر عہد کا اس قدر پاس ہے

آنحضرت کا ایفائے عہد

مظلوم مسلمانوں کی نو آبادی

کہ اس کے ایفائی وجہ سے اگر مسلمان بھی کفر کی طرف جاتا ہے تو جائے۔ آپ عُتبہ سے فرماتے ہیں کہ ہم تو تم کو واپس کرنے پر مجبور ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کوئی راہ نکال دیگا۔ اگر رسول اللہ صلعم کی پابندیٔ عہد ایک طرف حیرت انگیز ہے تو اس نو مسلم کا عشق اس کی فرمانبرداری بھی کم حیرت انگیز نہیں۔ یہ نہیں کہتا کہ مجھے ایسا دین قبول کرنے سے کیا فائدہ جب آپ خود ہی مجھے کفار کے ہاتھ میں واپس دیتے ہیں۔ نہیں حکم مانتا ہے واپس چلا جاتا ہے۔ ہاں خوب جانتا ہے کہ اب مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اب دنیا میں کوئی اس کا بچانے والا نہیں۔ کوئی اس کا حامی نہیں اس لئے وہ حفاظت خود اختیاری کرتا ہے جن دو شخصوں کی حراست میں سے موقعہ پا کر ان میں سے ایک کو قتل کر دیتا ہے دوسرا خود بھاگ جاتا ہے۔ عُتبہ پھر مدینہ آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ آپ نے اپنا عہد پورا کر دیا۔ اب میں آزاد ہوں۔ اور وہاں سے نکل کر مقام عیص میں جو سمندر کے کنارہ پر ہے سکونت اختیار کر لیتا ہے۔ اور وہ ایسی جگہ ہے جہاں نہ نبی کریم صلعم کا تسلط ہے نہ قریش کا۔ اسی طرح پر اب دوسرے ستم رسیدہ مکہ سے نکلنا شروع ہوتے ہیں وہ مدینہ نہیں جا سکتے۔ اس لئے عُتبہ کے پاس عیص پہنچتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہاں ایک بڑی نو آبادی بن جاتی ہے۔ اور چونکہ یہ لوگ ان شرائط کے پابند نہیں جو رسول اللہ صلعم کے ساتھ حدیبیہ میں طے ہوئی تھیں۔ اس لئے قریش کو یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی شام کی تجارت میں یہ لوگ مخل ہوں گے اس لئے وہ خود نبی کریمؐ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم معاہدہ کی اس شرط کو چھوڑتے ہیں جس کے بموجب مکہ سے بھاگے ہوئے لوگوں کو واپس کرنا ضروری ہے ؎

۲۱- بادشاہوں کو دعوت

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا

کہو اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہو کہ ہم اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ (آل عمران ۶۴)

کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو سوائے اللہ کے رب بنائے۔

ساری دنیا میں پیغام پہنچانے کی بنیاد

صلح حدیبیہ کو نہ صرف واقعات ما بعد نے ہی فتح مبین ثابت کیا۔ اور مسلمانوں کی تعداد کو گنتی میں کئی گنا کرنے کے علاوہ خالد بن ولید اور عمرو بن العاص جیسے عظیم الشان فاتحین عالم کو جو اس سے پہلے کفار کی فوج کی زینت تھے اسلام کی غلامی میں داخل کر کے بتا دیا کہ کس طرح اس صلح سے وہ ثمرات حاصل ہوئے جو بڑی سے بڑی جنگی فتح سے حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ بلکہ خود نبی کریم صلعم نے اپنے عمل سے بھی بتا دیا کہ یہ صلح اسلام کی عظیم الشان کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے چنانچہ حدیبیہ سے واپس آتے ہی آپ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اوّل تو ایک دن سب لوگوں کو اکٹھا کر کے ان کو سمجھایا کہ اسلام ساری دنیا کے لئے رحمت ہو کر آیا ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ یہ پیغام ساری دنیا میں پہنچایا جائے اس کے بعد آپ نے خود ان تمام بادشاہوں کے نام جو آپ کے ارد گرد تھے دعوتی خطوط لکھے اور ان کو اسلام کی طرف بلایا۔ یہ خطوط ذیل کے بادشاہوں کے نام بھیجے گئے۔ قیصر روم۔ کسریٰ۔ عزیز مصر۔ نجاشی اور اس کے علاوہ عرب کے کناروں کے بعض رؤسا کے نام بھی خط لکھے گئے۔ ان میں سے جو خط مقوقس شاہ مصر کے نام بھیجا گیا تھا۔ وہ بجنسہٖ محفوظ مل گیا ہے۔ حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس نے اسے ایک قیمتی ڈبیہ میں بند کر کے نہایت حفاظت سے رکھ لیا تھا۔ اور اب اس کا عکس شائع ہو چکا ہے۔ اور بعینہٖ وہی الفاظ اس خط کے ہیں جو حدیثوں میں منقول ہے۔ مقوقس نے کچھ تحائف بھی آپ کی خدمت میں ارسال کئے گو مسلمان نہیں ہوا۔ ان تحائف میں ایک خچر تھا جس پر آپ خود سوار ہوتے تھے اور دو لونڈیاں تھیں جن میں سے ایک یعنی ماریہ قبطیہ کو آپ نے یہ مقام دیا کہ اپنے حرم میں داخل کیا اور دوسری حضرت حسان کی زوجیت میں آئیں۔ یہ دونوں خاتونیں مدینہ پہنچنے سے پیشتر مسلمان ہو چکی تھیں۔

مقوقس کے نام کا اصل خط

قیصر کے نام کا خط وحیہ کلبی لے کر گئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ انہی دنوں میں ابوسفیان تجارت کا قافلہ لے کر ملک شام میں پہنچا ہوا تھا قیصر نے اس سے رسول اللہ صلعم کے حالات دریافت کئے۔ اس کے سوالوں کے جواب میں ابوسفیان نے ذیل کی باتوں کا اعتراف کیا۔ حالانکہ وہ ابھی تک حالت کفر میں تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اندر سے ان لوگوں کے دل اسلام کی خوبیوں نے کھا لئے تھے۔ اس نے کہا۔ کہ آنحضرت صلعم ایک شریف خاندان سے ہیں۔ آپ کے پیرو دن بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ساری عمر آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا کبھی عہد کی خلاف درزی نہیں کی جو شخص آپ کے دین میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر بیزار ہو کر اس کو چھوڑتا نہیں۔ آپ کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ نماز پڑھو عفت اختیار کرو سچ بولو رشتہ داروں کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ ان حالات کو سن کر اور خط کو پڑھ کر پھر کچھ خواب کی بنا پر جو اس نے دیکھا تھا۔ ہرقل بہت متاثر ہوا۔ اور اس نے بڑے بڑے بشپوں کو بلا کر ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اس دین کو اختیار کر لینے میں ہماری بہتری ہے مگر جب ان لوگوں کو سخت متنفر پایا تو کہہ دیا کہ میں نے تمہیں آزمانے کے لئے ایسا کہا تھا اور آخر اسی حالت پر اس کی وفات ہوئی۔

اس خط کے اندر اور ایسا ہی بعض دوسرے خطوط کے اندر آپ نے وہ آیت قرآنی لکھی جو عنوان باب میں درج ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کو قبول کر لو جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں۔ اور نہ ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب بنائیں اس آیت میں ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا اصول ہے کہ جس پر اگر آج دنیا عمل کرے تو ایک مذہب پر سب کا جمع ہو جانا اور حقیقی اخوت اور اتحاد ان میں پیدا ہو جانا نہایت آسان ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ سب مذاہب میں جو بات بطور مشترک پائی جاتی ہے اس کو بطور بنیاد رکھ کر قبول کر لیا جائے اور پھر ایسے فروع قائم کئے جائیں جو اس اصل اصول کے خلاف نہ ہوں۔ اس طرح پر تمام مذاہب ایک اصول پر آسانی سے جمع ہو سکتے ہیں۔ مقابلہ مذاہب کا جو جلسہ آج نکلا ہے وہ ابھی ایک ادھوری سی کوشش اس زرین اصول کو سمجھنے کی ہے۔ جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا۔

کسریٰ کے نام کا خط عبداللہ بن حذافہ لے کر گئے تھے۔ مگر ان خطوط کی ابتدا چونکہ بسم اللہ الرحمٰن

قیصر کے نام خط اور ابوسفیان کی گواہی

اتحاد مذاہب کی بنیاد

کسریٰ کے نام خط

الرَّحِیم اور مُحَمَّد رَّسُولُ اللہ سے ہوئی تھی۔ کسریٰ اس بات کو برداشت نہ کرسکا کہ اس کے نام کے اوپر بھی دنیا میں کسی دوسرے کا نام ہو۔ اس نے غصہ میں آکر آنحضرت صلعم کو بُرا بھی کہا اور نامۂ مبارک کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور ساتھ ہی جوش میں آکر اپنے گورنر یمن کو جس کا نام باذان تھا حکم بھیجا کہ آپ کو گرفتار کیا جائے۔ چنانچہ باذان نے دو آدمی آپ کو گرفتار کرانے کے لئے بھیجے یہ لوگ عربوں کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے سپاہیوں کا یوں کسی کو گرفتار کرلینا ایک معمولی بات تھی۔ جب یہ لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچے اور اپنا پیغام سنایا تو آپ نے فرمایا کہ وہ جو تمہارا خداوند ہے وہ تو خود مارا جاچکا ہے۔ ان کو اس پر حیرت ہوئی اور وہ واپس گئے تو معلوم ہوا کہ واقعی اسی رات جب آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کسریٰ اپنے بیٹے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ باذان ان حالات کو دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔ اور سلطنت ایران کا تعلق یمن سے کٹ گیا۔ اس کے بعد جلد ہی کسریٰ کی ساری سلطنت اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ جس طرح اس نے نامۂ مبارک نبوی کو ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا۔

نجاشی کا اسلام لانا

نجاشی شاہ حبش کو بھی ایک خط بھیجا گیا۔ ابھی حضرت جعفر وہیں تھے اس خط کے پہنچنے پر نجاشی نے اسلام قبول کیا۔ اور حضرت جعفر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

موتہ کی جنگ

رؤسائے عرب کے نام جو خطوط بھیجے گئے تھے ان کا ذکر میں نے مجملاً کیا ہے۔ لیکن ان میں سے بھی ایک خط خاص اہمیت رکھتا ہے شُرَحبِیل بن عَمرو بُصری کا جو حدود شام پر سے بادشاہ تھا۔ حارث بن عُمَیر اس کے نام کا خط لے کر گئے۔ شُرَحبِیل نے ان کو قتل کر ڈالا۔ قاصد کا قتل کرنا صاف اعلان جنگ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے قبل اس کے کہ دشمن حملہ آور ہو تین ہزار کی ایک فوج تیار کرکے اور اس کے اوپر زَید بن حارِثہ کو مقرر کرکے شام کی طرف روانہ کیا۔ ثَنِیّۃُ الوداع تک آپ خود بھی ساتھ تشریف لے گئے۔ حضرت زید ایک آزاد کردہ غلام کی یہ عزت افزائی اس مساوات کا عملی ثبوت تھی جو اسلام سکھاتا ہے۔ عظیم الشان مہاجر قریشی اور انصار ایک غلام کے ماتحت کئے گئے حالانکہ کمانڈ کے اہل ان میں بھی تھے۔ مگر یہ سبق سکھانا مقصود تھا کہ اسلام مساوات قائم کرنے آیا ہے۔ بڑے بڑے سرداروں کو فرمانروائی کے ساتھ فرمانبرداری کا سبق بھی سکھانا تھا۔ اُدھر شرجبیل نے ایک لاکھ کی فوج جمع کر رکھی تھی۔ اور قیصر روم بھی تیاری کر رہا تھا۔ مُوتہ کے مقام پر جنگ ہوئی۔ زَید شہید ہوئے۔ اس کے بعد حسب قرار داد آنحضرت صلعم حضرت جعفر نے علم لیا۔ وہ بھی اس بے جگری سے لڑے کہ نوّے زخم کھا کر آخر شہید ہوئے۔ اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ افسر

جوسے وہ بھی شہید ہوئے آنحضرت صلعم نے اسی قدر تصریح فرمائی تھی۔ اس کے بعد مشورہ سے حضرت خالد افسر مقرر ہوئے اور نہایت عقلمندی سے اپنی فوج کو جو دشمن کے مقابلہ میں کچھ بھی حیثیت نہ رکھتی تھی بچایا۔ یہ جمادی الاولیٰ سنہ ۸ ہجری کا واقعہ ہے۔

آنحضرت کا یقین اسلام کی آخری کامیابی پر

قابل غور یہ بات ہے کہ سلاطین عالم کو یہ خطوط کس وقت لکھے جاتے ہیں؟ اگر آنحضرت صلعم سارے عرب کو مسخر کر لینے کے بعد باہر کے ملکوں سے خط و کتابت کرتے تو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ کامیابی ہو جانے پر اب آپ کو یوں سوجھی لیکن اس وقت کی حالت کیا ہے؟ ابھی بارہ ماہ پیشتر مدینہ کا ایسا محاصرہ ہو رہا تھا کہ مسلمانوں میں سے کسی متنفس کے بچنے کی اُمید نہ تھی۔ اب بھی یہ حالت ہے کہ حج جیسا رکن اسلام رکا ہوا ہے۔ اور آپ اس کو پورا نہیں کر سکتے۔ کفار کا اس قدر غلبہ ہے کہ جو شرائط چاہتے ہیں منوا لیتے ہیں۔ اور آپ کو ایک مغلوب فریق کی حیثیت قبول کرنی پڑتی ہے۔ عرب میں چاروں طرف دشمن ہیں۔ اور جو خال خال مسلمان ہیں وہ بیدست و پا ہیں۔ لیکن اسلام کی آئندہ کامیابیوں کے متعلق آپ کا ایمان کیسا مضبوط پہاڑ ہے کہ نہ صرف ان اُمید شکن واقعات سے ہی اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ آپ یقین کامل رکھتے ہیں ہاں علی وجہ البصیرت جانتے ہیں کہ اسلام کل دنیا میں غالب ہوگا۔ اور اس وقت کی عظیم ترین سلطنتوں کو تبلیغ اسلام کرتے ہیں کاش اس زمانہ کے مسلمان جو یورپ میں تبلیغ اسلام سے اس لئے مایوس ہو رہے ہیں کہ مسلمانوں کی کوئی عظیم الشان سلطنت باقی نہیں رہی۔ آپ کی زندگی کے ان واقعات پر غور کرتے۔ پھر آپ کے دشمن بھی غور کریں کہ کیا یہ ایمان کسی مفتری کا ہو سکتا ہے؟ اور چند ہی سال میں آپ کے اس خطاب سلاطین کا نتیجہ دیکھتے ہوئے سوچیں کہ کیا کوئی مجنون ایسے خیالات کو دل میں لا کر اس طرح دنیا میں کامیاب ہوا ہے؟ اور اگر یہ واقعات روز روشن کی طرح ثابت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلعم نہ مفتری ہیں نہ مجنون۔ تو پھر یقیناً وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ ابتدا سے ہی اپنے مذہب کے عالمگیر ہونے کا یقین کامل رکھتے تھے۔ جو لوگ حضرت عیسٰے کے مذہب کو عالمگیر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں ان کو کس قدر مشکلات کا سامنا ہے۔ کہ حضرت عیسٰے خود یہ فرماتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوائے اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا اور ایک دوسری قوم کی عورت کے لئے دعا تک کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے سب دعووں کو پورا کر کے دکھاتے ہیں اگر وہ تمام قوموں کے لئے رسول ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں

مہر نبوی

تو خود ہی ساری قوموں کو دعوت دے کر بھی دکھا دیتے ہیں ؞

یہ خطوط محرم سنہ ۷ ہجری میں لکھے گئے۔ اور ان پر ایک مُہر لگائی گئی جس کا نقش تھا محمد رسول اللہ جیسا کہ حدیثوں میں آتا ہے۔ یہ بھی بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نقش میں اللہ کا لفظ سب سے اوپر تھا اور محمد سب سے نیچے اور رسول درمیان میں۔ مُقَوقِس کے خط کا جو عکس ملا ہے اس میں یہ نقش بعینہ اسی صورت میں ہے اللہ رسول محمد

اسی سال سنہ ۷ کے آخر میں آپ نے مطابق شرائط صلح حج کیا۔ اسی سال بقیہ مہاجرین حبش مدینہ میں واپس آئے ؞
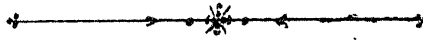
۲۲۔ فتح مکّہ

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ (یوسف۔ ۹۲)

آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب رحم کرنیوالوں سے بڑھکر رحم کرنیوالا ہے ○

{دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ استثناء ۳۳: ۲}

قریش کی عہد شکنی

قریش کی زیادتیوں کا پیالہ اب لبریز ہو چکا تھا۔ آٹھواں سال ہجرت ختم ہونے کو تھا حُدَیبیہ کی صلح پر قریبًا پونے دو سال گزر چکے تھے۔ اسلام کی ترقی کفار کو نہ بھاتی تھی۔ آخر انہوں نے عہد شکنی کی۔ صلح حُدَیبیہ کی شرائط کے موافق خُزاعہ آنحضرت صلعم کے حلیف ہو گئے تھے۔ اور ان کے پرانے دشمن بنو بکر قریش کے حلیف ہو گئے۔ بنو بکر نے پہل کی اور خُزاعہ پر حملہ کیا۔ رؤسار قریش نے ان کو مدد دی اور ان کے ساتھ مل ملکر راتوں کو لڑتے رہے۔ خُزاعہ امن کے لئے حدود حرم میں پہنچے مگر بنو بکر نے ان کو وہاں بھی تہ تیغ کیا اور قریش نے اپنے حلیف کو نہ روکا۔ خزاعہ کا ایک وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور حالات عرض کئے آنحضرت صلعم نے اپنا قاصد قریش کے پاس بھیجا کہ تین شرائط میں سے ایک منظور کریں یا خون بہا دیں یا بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں اور یا اعلان کر دیا جائے کہ معاہدہ حُدَیبیہ ٹوٹ گیا۔ قریش نے بجواب کہلا بھیجا کہ تیسری شرط منظور ہے۔ بعد میں ابو سفیان نے قریش کی اس ناعاقبت اندیشی پر پردہ ڈالنا چاہا۔ کیونکہ علانیہ اس معاہدہ کے توڑنے میں اس کو خطرات نظر آتے تھے۔ اس لئے وہ بھی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ معاہدہ کی تجدید کیجائے۔ آپؐ نے قریش کے عندیہ کو دیکھ لیا تھا۔ تجدید معاہدہ صرف ایک چالبازی تھی۔ مطالبات کی طرف قطعًا کوئی توجہ نہ تھی۔ اسلئے آنحضرتؐ نے اسکو نامنظور کیا اور وہ ناکام واپس گیا

مکہ پر چڑھائی اور حاطب کا واقعہ

آنحضرت صلعم نے مکہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی اور اپنے حلیف قبائل کو بھی بلایا تا کہ اس قوم کو جسے زیادتی کرتے ہوئے اکیس سال گزر گئے تھے ان کے مظالم کا کچھ مزہ چکھایا جائے۔ یہ اس قوم پر چڑھائی تھی جس نے تین مرتبہ مدینہ پر چڑھائی کر کے مسلمانوں کو بالکل نیست و نابود کر دینا چاہا تھا۔ لوگوں نے اس تیاری کو دیکھ کر یہ خیال کیا ہو گا کہ اب اسلام کے ان پرانے دشمنوں کو تہ تیغ اور اس قوم کو جس نے اتنی مدت ظلم کرتے ہوئے کبھی اظہار ندامت نہیں کیا نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ ایک مسلمان حاطب بن ابی بلتعہ کے کچھ عزیز و اقارب مکہ میں

تھے۔ انہوں نے ایک قاصد کو خط دے کر نبی کریم صلعم کی تیاری کی خبر پہنچانے کی کوشش کی
مگر کارکنان قضا و قدر کو یہ منظور نہ تھا کہ دشمن پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار ہو سکے اور کشت و خونریزی
ہو۔ اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین کی تلوار کے ساتھ فتح کو بھی خونریزی سے پاک رکھنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ
نے نبی کریم صلعم کو اس راز سے مطلع کر دیا اور حاطب کا قاصد پکڑا گیا۔ مسلمانوں کو بڑا طیش آیا کہ
اس نے مسلمان ہو کر غداری کی ہے۔ حاطب پکڑے گئے۔ مگر معاملہ کسی دنیوی بادشاہ ایسے
سے نہ تھا کہ کورٹ مارشل ہو کر اڑا دیا جاتا۔ یہ جنگی مہم انتقام لینے کے لئے نہ تھی عفو کے لئے تھی
پھر اپنے ساتھیوں کی خطاؤں سے کیوں عفو نہ کیا جاتا۔ حاطب کا عذر قبول ہوا۔

دس ہزار قدوسی

آخر دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو سرور عالم روانہ ہوئے تاکہ
دو ہزار سال پیشتر کے وہ الفاظ پورے ہوں جو حضرت موسیٰ کی زبان سے سنائے گئے تھے کہ
وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ حضرت موسیٰ کے بعد کی ساری تاریخ ان الفاظ کی صداقت
دکھانے سے عاجز نظر آتی ہے کیا عجیب نظارہ ہے دس ہزار بھی ہیں اور ہیں بھی خدا کے پاک
اور برگزیدہ لوگ جن کی اصل غرض دنیا میں جنگ کرنا نہیں بلکہ خدائے پاک کی تسبیح و تقدیس ہے
مکہ معظمہ سے ایک منزل پر مرالظہران ہے۔ یہاں ڈیرے ڈالے گئے۔ اور تمام حملہ آوروں کے
اصول کے خلاف حکم ہوا کہ تمام ڈیرے جن سے میدان بھرا ہوا تھا الگ الگ آگ روشن کریں
تاکہ قریش حملہ آوروں کی طاقت کو دیکھ کر بے سود مقابلہ سے جس کا نتیجہ خونریزی ہو رکے رہیں۔ اس مہم
میں ایک ایک قدم پر آپ کے دل کا یہ جوش نظر آتا ہے کہ ایک قطرہ خون انسانی کا نہ گرے۔

ابوسفیان کا اسلام لانا

قدرت خداوندی کا عجیب نظارہ ہے کہ سب سے پہلے جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے سامنے لایا جاتا ہے وہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوسفیان ہے۔ جس نے بارہا اسلام کی
بیخکنی کی ٹھانی۔ ابوسفیان جیسا دشمن۔ اور عفو! یہ بظاہر دو متضاد باتیں نظر آتی تھیں مگر رحمۃ للعالمین
کے عفو کی وسعت کے سامنے کوئی حیران ہونی نہ تھی۔ ابوسفیان کو چھوڑ دیا گیا۔ تھوڑے سال پیشتر
جب قیصر کے سامنے گفتگو ہوئی تھی تو ابوسفیان کا دل تو اسی وقت سے کھایا ہوا تھا۔ اب ساری
طاقت کے باوجود اپنی ناکامیوں۔ اور حد درجہ کی بیکسی کے باوجود اسلام کی اس آخری کامیابی کے
نظارہ۔ نبی کریم صلعم کے کمال عفو۔ ان سب باتوں نے ابوسفیان جیسے دشمن کے دل کو بھی آخر
کھینچا۔ وہ زبردست مہر جو بیس سال سے لگی چلی آتی تھی ٹوٹی اور کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔
لشکر اسلامی کی عظمت سے مرعوب ابوسفیان واپس مکہ میں پہنچے اور لوگوں کو جمع کر کے

که مقابلہ بے سود ہے۔ نبی کریم صلعم کا اعلان پہنچا دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائیگا اسے امن دیا جائے گا۔ جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے وہ امن میں ہو گا۔ جو شخص کعبہ میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہو گا۔ یہاں بھی اسلام کے بزور شمشیر پھیلانے کا اعتراض کرنے والوں کو مایوسی ہوگی کہ اس اعلان میں یہ شرط نہیں کہ جو شخص مسلمان ہو جائے اسے امن دیا جائے گا۔ بلکہ کافروں کو باوجود حالت کفر پر رہنے کے امن دینے کا اعلان ہوتا ہے۔ آخر لشکر نبوی مختلف حصوں میں مختلف اطراف سے مکہ پر بڑھا۔ سعد بن عُبادہ کے ماتحت بھی ایک حصہ تھا۔ جب وہ انصار کو لئے ہوئے آگے بڑھے اور ابوسُفیان کے پاس سے گزرے تو بلند آواز سے کہا اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ اَلْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْكَعْبَةُ یعنی آج جنگ کا دن ہے آج مکہ کے لئے امن نہیں۔ نبی کریم صلعم نے فوراً علم ان کے ہاتھ سے لے کر ان کے بیٹے قیس کے ہاتھ میں دے دیا کہ مبادا جوش میں کشت و خون کر بیٹھیں خالد کو حکم تھا کہ فوجوں کے ساتھ بالائی حصہ کی طرف سے آئیں۔ یہ وہ حصہ تھا جہاں آنحضرت صلعم کے سخت ترین اعدا رہتے تھے اور یہی وہ حصہ تھا جو خُزاعہ پر حملہ میں شریک ہوا تھا۔ انہی میں عِکرمہ ابوجہل کا بیٹا بھی تھا۔ یہ لوگ باوجود اعلان عفو کے بھی نہ رُکے۔ اور خالد کی فوج پر تیر برسانے شروع کئے مجبوراً خالد کو حملہ کرنا پڑا کچھ آدمی جن کی تعداد تیرہ سے اٹھائیس تک بیان کی جاتی ہے کفار کی طرف سے مارے گئے۔ مسلمانوں میں سے دو شہید ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک بلند مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں سے شہر نظر آتا تھا خالد کے دستے کی تلواروں کی چمک دیکھ کر آپ کو بہت رنج ہوا۔ اور آپ نے فرمایا کہ کیا میں نے یہ سخت حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی خونریزی نہ ہو؟ خالد سے بازپرس ہوئی مگر وجہ معقول تھی ✦

مکہ کو اب مغلوب پا کر آپ خانہ کعبہ کی طرف بڑھے۔ اور اس مقدس گھر کو جو دنیا کے لئے توحید کا سرچشمہ تھا۔ بتوں کی آلایش سے پاک کیا۔ اور یہ آیت قرآنی جو مدتوں پہلے آپ پر نازل ہو چکی تھی پڑھتے ہوئے بتوں کو توڑتے جاتے تھے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کہو حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل مٹنے والا ہی تھا۔ اور یہ باطل ایسا مٹا کہ سرچشمہ توحید پھر کبھی اس سے آلودہ نہ ہوا اور نہ آیندہ کبھی ہو گا۔ مقام ابراہیم پر آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر عثمان بن طلحہ کو جن کے پاس خانہ کعبہ کی کنجی تھی بلایا اور خانہ کعبہ کو کھول کر دو رکعت نماز اس کے اندر ادا کی۔ پھر کنجی عثمان کو واپس کی اور فرمایا کہ یہ ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس اور تمہاری نسل میں رہے گی۔ اس وسعت اخلاق کو دیکھ کر عثمان مسلمان ہو گیا ✦

اہل مکہ کے لئے آپ کا اعلان

خالد اور عکرمہ کا مقابلہ

بتوں سے خانہ کعبہ کی آخری تطہیر

اس کے بعد آپ نے ایک عام خطبہ پڑھا۔ جس میں توحید الٰہی اور نسل انسانی کی وحدت کو بیان کیا اس کے بعد قریش کے خاص مجمع کو خطاب کیا۔ اس وقت آپ کے سامنے تمام مکہ بحیثیت ایک مجرم کے حاضر تھا۔ کیا کیا دکھ یہاں آپ کو اور آپ کی چھوٹی سی جماعت کو پہنچ چکے تھے۔ کس طرح پر یہ سرزمین آپ کے خون کی پیاسی رہی تھی۔ کس طرح اس کے باشندوں نے تمام اخلاقی اور قومی قوانین کو توڑ کر ایک ایک مسلمان کو ان مظالم کا تختہ مشق بنایا تھا۔ جن کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر نہ صرف اس زمین میں ہی ان کو خطرناک اذیتیں پہنچائی تھیں بلکہ جب ان لوگوں نے دوسری جگہ پناہ لینی چاہی تو وہاں بھی ان کا تعاقب کیا۔ اور پھر بارہا بیشمار فوجوں کے ساتھ خود مدینہ کو تباہ کرنا چاہا۔ ایسے کینہ ور دشمنوں۔ ایسے نسل انسانی کے حقوق کو پامال کرنے والوں۔ بیگناہوں پر ایسے ظلم کرنے والوں کے لئے نرم سے نرم سزا جو تجویز ہو سکتی تھی یہی ہو سکتی تھی کہ کچھ سرغنوں کو عبرتناک سزائیں دی جائیں کچھ شریروں کو تہ تیغ کر کے ہمیشہ کے لئے ان کی شرارتوں کا خاتمہ کیا جائے بہتیروں سے جیل خانے بھر دیئے جائیں۔ ان کی قوت اور شوکت کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا جائے۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک ضرور کیا جائے کہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ مہذب سے مہذب معافی اور رحمدلی یہی ہے کہ کچھ لوگوں کو گنہگار ہوں یا بیگناہ سزا دے کر دوسروں کے لئے نمونہ بنایا جائے۔ اور باقی کو ایک ذلت کی حالت میں چھوڑ دیا جائے یہی سلوک دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ فاتحین عالم نے ان لوگوں سے کیا جن سے ان کو ایک وقت تھوڑا سا دکھ بھی پہنچا ہو۔ یہی سلوک آج مہذب حکومتیں اپنی رعایا سے بھی کرتی ہیں جب ان سے کچھ قصور ہو جائے۔ انتقام کی خواہش انسان میں بڑی زبردست خواہش ہے اور پھر جب اس کا غلبہ ہو اور دوسرا فریق مغلوب تو یہ خواہش بسا اوقات اخلاقی حد بندیوں کو بھی توڑ دیتی ہے مگر قریش کے دل گواہی دیتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سلوک آپ سے نہ کریں گے۔ اس لئے جب آپ نے اس مجرمین کے گروہ سے پوچھا کہ تم اپنی کرتوتوں سے واقف ہو مجھ سے کس سلوک کی امید رکھتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا اَخٌ کَرِیْمٌ وَّابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ۔ آپ کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ وہ اخلاق نبوی سے ناواقف نہ تھے وہ جانتے تھے کہ چالیس سال کی پہلی عمر میں جن اخلاق کا آپ سے ظہور ہوا ان میں باوجود بادشاہت کے کوئی تبدیلی نہیں آئی مگر جو معاملہ آپ نے ان سے کیا وہ ان کی توقع سے بھی بڑھ کر تھا۔ آپ نے فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں۔ کیا وسعت دل ہے سزا ایک طرف رہی ان

افعال قبیحہ پر۔ ان مظالم پر۔ ایک حرف ملامت کا نہیں اشارۃً کچھ سرزنش بھی نہیں۔ ان سے یہ بھی اقرار نہیں لیا کہ ہم آیندہ ایسی کرتوت نہ کریں گے۔ مہاجرین کی جائدادیں کافروں کے قبضہ میں تھیں ان کو بھی واپس نہیں مانگا۔ بلکہ مہاجرین کو ہی حکم دیا کہ سب حقوق کو چھوڑ دو۔ عکرمہ ابوجہل کا بیٹا فتح مکہ کے وقت بھی شرارت سے باز نہ آیا۔ اور اسلامی فوج پر حملہ کرکے دو آدمیوں کو مار دیا۔ پھر اپنی کرتوتوں سے خائف کہیں بھاگ گیا اس کی بیوی نہایت پریشانی کی حالت میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئی اور اپنے خاوند کے لئے معافی چاہی آپ کی وسیع رحمت کے سامنے کوئی درخواست رد نہ ہوتی تھی۔ آپ نے عکرمہ کو بھی معافی کا حکم دے دیا۔ ہندہ جس نے حضرت حمزہ کا جگر چبایا تھا اسے بھی معاف کیا گیا وحشی جس نے حضرت حمزہ کو مارا تھا اسے بھی معاف کیا گیا۔ ہبّار جس نے آنحضرت صلعم کی صاحبزادی کو مکّہ سے مدینہ جاتے وقت پتھر مارے تھے جس کا آخری نتیجہ ان کا انتقال ہوا اسے بھی معاف کیا گیا۔ اس قسم کے شریر مفسدوں کے لئے۔ ایسے ظالموں کے لئے اس قسم کی معافی کی نظیر اگر دنیا کی تاریخ میں کوئی اور نہیں اور یقیناً نہیں تو اس انسان کے سید البشر۔ فخر نوع انسان۔ رحمۃ للعالمین ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ عفو کی تعلیم دنیا میں بہت لوگ دے سکتے ہیں۔ مگر خود اپنے اوپر ظلم کرنے والوں کو۔ اپنی بربادی چاہنے والوں ہی نہیں بلکہ اس کے لئے پورا زور لگانے والوں کو۔ ان پر غلبہ پاکر ایسا معاف کرنا کہ ملامت تک بھی ان کے ان افعال پر نہ کی جائے یہ نہ مسیح کی زندگی میں پایا جاتا ہے۔ نہ کسی مسیحی کی زندگی میں اس کا نمونہ مل سکتا ہے۔ یہ فخر صرف اسلام ہی کے حصتہ میں آیا ہے۔

مکہ فتح ہوگیا۔ اور لوگ حالت کفر پر ہی رہے۔ مگر اس عفو نے تمام دلوں کو فتح کرلیا۔ ابوسفیان جیسے دشمنوں تک کے دلوں میں اسلام اپنی خوبیوں کی وجہ سے پہلے سے گھر کرچکا تھا۔ اب اس آخری نظارہ نے مخالفت کی پیٹھ توڑدی۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس طرح جو کچھ بیکسی کی حالت میں خدا کی نصرتوں کے وعدے محمد رسول اللہ صلعم کو دیئے گئے تھے وہ ان کی آنکھوں کے سامنے پورے ہوئے۔ اور دنیا کی ساری طاقتیں جمع ہوکر آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ یہ آپ کی صداقت کا قطعی ثبوت تھا جس نے رہے سہے وساوس کو دور کردیا۔ آج پھر جب تمام دنیا اسلام کی بیخ کنی پر تلی ہوئی ہے۔ ہاں دنیا کی تمام طاقتیں اس کے نیست و نابود کرنے پر پورا زور لگارہی ہیں۔ وہی نظارہ پھر اللہ تعالیٰ دکھانا چاہتا ہے تاکہ دشمن اپنی آنکھ سے اسلام کی صداقت کا یہ نظارہ دیکھ لیں کہ وہ ان کے مٹانے سے مٹ نہیں سکتا اور نہ ساری دنیا ہی جمع

ہو کر خدا کے دین کا کچھ بگاڑ سکتی ہے۔ غرض جُوق در جُوق لوگ اسلام کے اندر داخل ہونے لگے آپ کوہ صفا پر ایک بلند مقام پر جلوہ افروز تھے۔ اہل مکہ میں سے جو لوگ چاہتے وہ سرور عالم کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتے جاتے تھے۔ مردوں کے بعد عورتوں کی باری آئی اور انہوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ لیکن لوگ صرف اپنی خوشی سے اسلام قبول کرتے تھے ایک شخص پر بھی جبر نہیں ہوا۔ بعض لوگ ایسے بھی رہے کہ بہت دنوں بعد جا کر انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ایسے لوگوں سے کسی نے تعرض نہیں کیا۔ یہاں تک کہ جنگ حُنین میں ان میں سے بہت سے لوگ مسلمانوں کے دوش بدوش جنگ کرنے والے تھے۔ گو وہ ابھی تک اسلام نہ لائے تھے۔ فتح مکہ قطعی طور پر اس الزام کی تردید کرتی ہے کہ کبھی کسی شخص کو بزور شمشیر مسلمان کیا گیا ہو۔ اس سے بہتر اور کونسا موقع تلوار سے مسلمان کرنے کا تھا۔ مگر سارے واقعات فتح میں ایک شخص کے بھی اس طرح مسلمان کرنے کی شہادت نہیں ملتی۔ میور معترف ہے:-

تلوار سے مسلمان کرنا جھوٹا الزام

"گو شہر مکہ نے خوشی سے آپ کی حکومت کو قبول کر لیا تھا مگر تمام باشندوں نے اب تک نیا مذہب قبول نہ کیا تھا اور نہ آپ کا پیغمبر ہونا تسلیم کیا تھا۔ شاید آپ وہی راہ اختیار کرنا چاہتے تھے جو مدینہ میں اختیار کی تھی اور ان کی تبدیلی مذہب میں جبر کو دخل دیئے بغیر تدریج کو کام میں لانا چاہتے تھے۔"
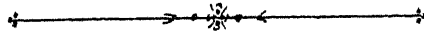
۲۳- جنگ حُنین اور واقعات متعلقہ

وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (التوبۃ ۲۵)

اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت تمہیں اچھی لگی پھر وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی۔

ہوازن کا اجتماع

مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے پورا مہینہ نہ گزرا تھا کہ مکہ کے مشرق کی طرف قوم ہوازن کا خطرناک اجتماع آنحضرت صلعم پر حملہ کرنے کے لئے شروع ہوا۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی جو ترقی شروع ہوئی اس نے ان لوگوں کو مشوش کر رکھا تھا۔ اور فتح مکہ سے مدت پہلے انہوں نے قبائل عرب میں دورہ کر کے اسلام کے خلاف ان کو اُکسانا شروع کر رکھا تھا۔ فتح مکہ کے ساتھ انہوں نے سمجھ لیا کہ اگر فوراً حملہ نہ کیا گیا تو آنحضرت صلعم کی طاقت بہت بڑھ جائے گی۔ جنگجو قوم تھی دنوں میں تیاری ہو گئی آنحضرت صلعم کو اس کی خبر ملی تو آپ نے پہلے تحقیقات کے لئے آدمی بھیجا اور یہ معلوم کر کے کہ بڑے جوش کے ساتھ یہ اجتماع بڑھ رہا ہے فوراً تیاری شروع کر دی دس ہزار آدمی تو پہلے آپ کے ساتھ تھے دو ہزار آدمی اہل مکہ میں سے ساتھ ہو گیا۔ اور کل بارہ ہزار فوج کو لے کر آپ ... وادی حُنین کی طرف بڑھے جہاں قوم ہوازن کا اجتماع ہو رہا تھا۔

کثرت فوج اور سامان جنگ کی افراط

علاوہ کثرت فوج کے مکہ سے سامان جنگ بھی بہت کچھ مل گیا۔ اس ساز و سامان اور کثرت فوج پر لوگوں کو ناز ہوا۔ کہ ہماری طاقت اب اس قدر بڑھ گئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ اسلامی فتوحات محض خدا کی نصرت سے ہیں ایک وہ میدان تھے جہاں اپنے سے تگنی چوگنی بلکہ دس گنی تعداد کو مسلمانوں نے شکستیں دیں۔ مگر حُنین کے میدان میں ابتدائے جنگ میں وہ نظارہ دیکھنا پڑا جس کی تصویر اللہ تعالیٰ نے خود ان الفاظ میں کھینچی ہے جو عنوان باب میں نقل ہوئے ہیں یعنی حُنین کے دن جب تمہاری کثرت تمہیں اچھی لگی پھر وہ تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ اُٹھے۔

آنحضرت صلعم کا تنہا دشمن کا مقابلہ کرنا

ہوازن بڑے تیرانداز تھے۔ مسلمانوں کے پہنچنے سے پیشتر وہ تمام اچھے اچھے مقامات کو روک چکے تھے۔ اور تیراندازوں کے دستے مختلف گھاتوں پر متعین کر دیئے تھے۔ مسلمانوں کے حصہ میں پست زمین آئی۔ جونہی جنگ شروع ہوئی مسلمانوں پر چاروں طرف سے تیر برسنے لگے اور سامنے سے فوج حملہ آور ہوئی۔ مُقدِّمَۃُ الجیش پر خالد بن ولید تھے۔ اور ان کے ماتحت اہل مکہ

کی فوج تھی جس میں وہ لوگ تھے جو اب تک اسلام نہ لائے تھے۔ سب سے پہلے یہی لوگ تیروں کی زد کے نیچے آئے اور مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کے پیچھے ہٹنے سے ساری فوج میں گڑبڑ مچ گئی اور بے ترتیبی کے ساتھ سب پیچھے ہٹنے شروع ہوئے یہاں تک کہ مہاجرین اور انصار کی افواج بھی اس عام پسپائی میں شامل ہوگئیں اور نبی کریم صلعم اکیلے اس خطرناک بڑھتے ہوئے دشمن کے سامنے رہ گئے صرف حضرت عباس اور چند رفقائے خاص آپ کے ساتھ تھے۔

آپ نے دیکھا کہ فوج ساری بھاگی جا رہی ہے مگر آپ کے عزم و استقلال میں ایک ذرہ بھر بھی فرق نہ آیا۔ اگر آپ اکیلے ہیں تو کیا۔ اور دشمن فاتح ہو کر تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے تو کیا سب طاقتوں سے بڑی طاقت آپ کے ساتھ ہے۔ اس تنہائی میں خدائی نصرت کے یقین کا چشمہ پھر متلاطم ہوا اور دشمن کے مقابلہ میں تنہا کھڑے ہو کر آپ نے بار بار بلند آواز سے پکارا أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ میں نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں! دھر اس آواز پر ادھر حضرت عباس کی پکار پر کہ اے انصار کے گروہ اے أَصْحَابُ الشَّجَرَةِ چاروں طرف سے لَبَّيْكَ کی آوازیں آئیں۔ اور آن کی آن میں منتشر افواج رسول اللہ صلعم کے گرد جمع ہوگئیں۔ لوگوں نے نہ گھوڑوں کی پرواکی نہ زرہوں کی اور جوش سے بھرے ہوئے اس طرح بڑھے کہ بڑھتے ہوئے دشمن کے قدم ڈگمگا گئے۔ کچھ حصہ بھاگ نکلا ایک حصہ کچھ زیادہ دیر تک مقابلہ کرتا رہا۔ آخر ان کا علم بردار مارا گیا۔ تو یہ بھی بھاگ نکلے۔

اوطاس

ہوازن جب گھروں سے نکلے تھے تو ان کے سپہ سالار مالک نے جو ایک نوجوان تھا حکم دیا تھا کہ عورتیں اور بچے ساتھ نکلیں اور جنگ میں شریک ہوں۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح فوج عورتوں کی غیرت کی وجہ سے پیچھے نہ ہٹے گی۔ مگر جب وہ وقت آیا تو عورتوں کو اور اموال کو بھی چھوڑ گئے۔ اور چوبیس ہزار اونٹ۔ چالیس ہزار بھیڑ بکری۔ چار ہزار اُوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی آپ کے ہاتھ آئے مال غنیمت کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا کر آپ آگے بڑھے شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ اوطاس میں چلا گیا جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی فوج بھیج دی اور ان کی جمعیت کو وہاں سے منتشر کر کے یہ لوگ واپس آ گئے۔ باقی حصہ نے طائف میں جا پناہ لی جو ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر کے چاروں طرف چار دیواری تھی۔ لوگ فن حرب سے واقف اور نئے قسم کے آلات حرب سے جیسے منجنیق وغیرہ واقف تھے۔ انہوں نے سال بھر کا سامان رسد شہر کے اندر جمع کر کے چاروں طرف آلات حرب لگا دیئے اور جگہ جگہ فوجیں متعین کر دیں۔ آنحضرت صلعم خود

طائف کا محاصرہ

سیدھے اس مقام کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ بعض اقوام کی مدد سے آپ نے بھی جدید آلات حرب کا ان لوگوں کے مقابلہ پر استعمال کرایا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد جب دیکھا کہ محاصرہ طول کھینچ رہا ہے تو آپ نے مشورہ کیا۔ ایک تجربہ کار بدوی شیخ نے یہ رائے دی کہ لومڑی اپنے بھٹ میں چھپ گئی ہے اگر آپ زیادہ دن انتظار کریں تو پکڑی جائے گی۔ اگر اس کو اس حالت پر چھوڑ دیں تو آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ آپ کی اصل غرض تو صرف اسلام کو حملہ وغیرہ سے محفوظ کرنا تھا۔ اس لئے آپ نے فوراً محاصرہ اُٹھا لیا اور واپس ہوئے۔ چلتے وقت کسی نے کہا کہ آپ ان لوگوں کو بد دعا دیں۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں آپ پر پتھر برسائے گئے تھے۔ اور محض کلمۂ حق پہنچانے کی وجہ سے لہولہان کر کے شہر سے نکالا گیا تھا۔ مگر آپ نے چلتے وقت یہ دعا کی اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَّاْتِ بِھِمْ اے خدا تو ثقیف کو ہدایت فرما اور ان کو میرے پاس لے آ یعنی اسلام کو قبول کرنے کی توفیق دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول کی اور تھوڑی ہی دیر بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس سے اندازہ کرو کہ آپ کے دل میں نسل انسانی کی بہی خواہی کے کیسے خیالات موجزن تھے۔ دشمن کے لئے بھی ہدایت کی دعا ہے۔

دشمنوں کیلئے دعا

جائے غور ہے کہ کیا یہ جنگ اسلام قبول کرانے کے لئے کی گئی تھی؟ اگر نبی کریم صلعم کی جنگوں کی غرض تلوار کے زور سے دین کو پھیلانا تھا۔ تو اس کے کیا معنی کہ جو لوگ چند روز محاصرہ کو طول دینے سے مطیع ہو سکتے ہیں ان کو یونہی چھوڑ دیا جائے۔ کیا رسول اللہ صلعم اس آیت کے معنی نہ سمجھتے تھے کہ وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ۔ جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو۔ اگر فتنہ نہ رہنے اور دین اللہ کے لئے ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ دین اسلام کو لوگ قبول کر لیں تو پھر آپ کا سارا عمل اس کے خلاف ہے۔ صلح حُدَیبِیہ میں۔ فتح مکہ میں طائف کا محاصرہ اٹھانے میں۔ آپ نے اس کے خلاف عمل کیا۔ پس حق یہی ہے کہ آپ اس آیت کا مفہوم کچھ اور سمجھتے تھے۔ فتنہ کے نہ رہنے سے یہ مراد تھی کہ لوگوں کو دین اسلام کے قبول کرنے کی وجہ سے دکھ نہ دیا جائے دین اللہ کے لئے ہونے کے یہ معنی تھے کہ مذہب کی آزادی ہو۔ مذہب میں ہر انسان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جو مذہب کوئی چاہے رکھے یہی وجہ ہے کہ جبھی آپ کو یہ رائے دی جاتی ہے کہ اب یہ لوگ مسلمانوں کو دکھ نہیں پہنچا سکتے تو آپ فوراً محاصرہ اُٹھا کر واپس آجاتے ہیں۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ زبردست شہادت ہے کہ خود اس فوج میں جو حُنَین کے مقام پر جنگ کرتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غیر مسلم

اسلامی لڑائیوں کی غرض

جنگ کرنے والے موجود ہیں۔ اگر تلوار سے مسلمان کرنا ہے تو پہلے ان کو کیوں مسلمان نہ کیا۔ یہ واقعہ کھُلی کھُلی شہادت اس بات کی ہے کہ جنگ حُنین بھی حفاظت قومی کے لئے تھی۔ آپ نے بیشک چڑھائی کی مگر نہ بطور ابتدا۔ بلکہ اس وقت جب دشمن کی طرف سے حملہ کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔ اور جب جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ لوگ پیچھے ہٹ کر اپنے شہر میں محفوظ ہو گئے اور ان کی طرف سے خطرہ نہ رہا تو فوراً جنگ کو بند کر دیا۔ اگر فتح ملکی بھی غرض ہوتی تو طائف کو فتح کئے بغیر واپس نہ آتے۔ معلوم ہُوا اس ذریعہ سے اسلام پھیلانا تو ایک طرف رہا فتح ملکی آپ کی غرض نہ تھی۔

رضاعی بہن کا احترام

طائف سے واپس آکر آپ نے مال غنیمت کا حسب قاعدہ پانچواں حصہ بیت المال کے لئے نکال کر باقی کو سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ قیدیوں میں آپ کی دودھ بہن شیمٓا بھی تھیں۔ ان کو آپ کے سامنے لایا گیا۔ آپ نے جب انہیں پہچانا تو فوراً اپنی چادر بچھا دی اور نہایت عزت واحترام کے ساتھ اس پر بٹھایا۔ کس قدر پاسداری حقوق کی آپ کے قلب مقدس میں ہے۔ یہ کوئی حقیقی بہن نہیں مگر آپ اتنی عزت کرتے ہیں کہ حقیقی بہنوں کی بھی اتنی عزت دنیا میں کوئی نہیں کرتا۔ آپ نے چاہا کہ شیمٓا آپ کے ساتھ مدینہ چلیں مگر انہوں نے اپنی قوم میں رہنا پسند کیا اور آپ نے نہایت احترام اور تحائف کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔

چھ ہزار قیدیوں کا بلا فدیہ آزاد کر دینا

اس کے بعد قوم ثقیف کا ایک وفد قیدیوں کی آزادی کے متعلق آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور قوم کے سردار نے اپنی مصائب کو آنحضرت صلعم کے سامنے پیش کیا اگر کوئی دنیا دار مہذب فاتح ہوتا تو یہ معقول جواب دیتا کہ اب تم اپنی مصائب کو پیش کرتے ہو ان کو ہم کیا کریں۔ جب تم نے پہل کر کے ہم کو تباہ کرنا چاہا تھا اس وقت ان مصائب کا کیوں فکر نہ کیا۔ اگر تم غالب آتے تو تم اس سے بھی بدتر سلوک ہمارے ساتھ کرتے کیا آج تمام تہذیب کے دعووں کے ساتھ یہی جواب اپنے مغلوب دشمنوں کو نہیں دیا جاتا؟ مگر قلب مبارک نبوی رحمت مجسم تھا۔ جب اس قبیلہ کی طرف سے نقصان کا خطرہ نہ رہا تو اب دشمن دشمن نہیں اس کے لئے آپ کے دل میں وہی ہمدردی ہے جو ہر انسان کے لئے ہے۔ قلب مبارک کی اگر ایک کیفیت دوسری سے بڑھ کر نمایاں نظر آتی ہے۔ تو وہ ادنیٰ سے ادنیٰ مصیبت انسانی پر پسیج آنا ہے۔ آپ نے فرمایا میں اپنے اور اپنے خاندان کے حصہ کے قیدیوں کو تو ابھی چھوڑتا ہوں لیکن اپنے حصہ پر ہر ایک مسلمان سپاہی خود حق رکھتا ہے مَیں اس کے حصہ کو نہیں لے سکتا کیا مساوات حقوق کا سبق ہے؛ جن لوگوں نے آپ پر جان و مال فدا کر دیا ان کے لئے آپ کے ارشاد پر قیدیوں کو آزاد کر دینا

کونسا مشکل امر تھا۔ مگر مساوات حقوق کا سبق سکھانا تھا۔ بادشاہ کو رعایا کے مال پر کوئی حق حاصل نہیں۔ ساتھ ہی مصیبت زدہ لوگوں کی ہمدردی کا بھی جوش ہے۔ فرمایا نماز ظہر کے وقت آؤ جب لوگ مسجد میں جمع ہوں اور یہ ذکر کردیں سفارش کردوں گا۔ ایسا ہی ہوا اور ایک آن کی آن میں چھ ہزار قیدی آزاد ہوگئے۔ دنیا کی تاریخ میں یہ نظارہ بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ وفد کا فر بُت پرست لوگوں کا۔ ان کی درخواست پر چھ ہزار قیدیوں کو آزاد کردیا جاتا ہے اور عیسائیت کی تعصب کی دھندلی عینک بھی یہاں کوئی تصویر ایسی نہیں دکھا سکتی کہ آپ نے ان چھ ہزار قیدیوں میں سے ایک کے لئے ہی کلمہ پڑھنے کی شرط لگائی ہو۔ حیرت آتی ہے کہ رحم مجسّم کی تصویر کو جس کے رحم کی کوئی نظیر دنیا پیش نہیں کرسکتی ظالم لوگوں نے خونخواری کا رنگ چڑھا کر پیش کیا ہے۔ جس کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے۔ اور دوسرے میں قرآن۔ گویا جو قران کو قبول نہیں کرتا اس کا سر کاٹا جاتا ہے۔ اے خدا تو اس گمراہ کرنے والی قوم کو ہدایت فرما۔

مال غنیمت جب تقسیم ہوچکا تو جو حصہ بیت المال کا تھا اس میں سے آپ نے قریش کے بعض سرداروں اور بعض بدوی سرداروں کو فیاضانہ انعامات دیئے۔ انصار میں کچھ نوجوان تھے۔ انہوں نے بڑبڑانا شروع کیا کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی قوم کو اس قدر انعامات دیئے ہیں ہمیں کچھ نہیں دیا۔ بجائے اس کے کہ ایک جابر خود مختار بادشاہ کی طرح غصہ میں آکر آپ ان کے سر کٹوا دیتے یا کوئی اور سزا دیتے۔ آپ نے نہایت مہربانی سے انصار کو بلایا۔ اور فرمایا کہ میں نے سُنا ہے کہ تم لوگ شاکی ہو کہ میں نے سرداران قریش کے ساتھ ناحق رعایت کی ہے۔ وہ لوگ بھی سچائی کے عاشق تھے۔ عرض کیا ہاں ہم میں ایسی باتیں کرنے والے کچھ لوگ ہیں آپ نے فرمایا کیا یہ سچ نہیں کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گمراہ تھے سو تم کو اللہ نے ہدایت دی۔ اور تم مفلس تھے اللہ نے تم کو غنی کیا۔ اور تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی؟ انصار نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ یہ سب سچ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے انصار تم مجھے کچھ اور جواب دے سکتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کیا جواب دے سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم چاہو تو یوں کہہ سکتے ہو۔ اور تم سچ کہنے والے ہوگے کہ تم ہمارے پاس اس حالت میں آئے جب تمہاری قوم نے تم کو جھٹلایا تھا ہم نے تمہاری تصدیق کی اور تم اس حالت میں آئے جب کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہ تھا۔ ہم نے تمہاری مدد کی۔ اور تم اکیلے گھر سے نکالے گئے تھے

تالیف قلوب اور انصار کی محبت

ہم نے تمہیں پناہ دی۔ اے انصار کیا تمہارے دلوں میں اس بات پر وسوسہ پیدا ہوا کہ میں نے مال دنیا کا کچھ حصہ تالیف قلوب کے لئے دے دیا۔ اور تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کیا۔ اے گروہ انصار کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ اپنے گھروں میں بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم رسول اللہ کو ساتھ لے کر جاؤ؟ قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر لوگ ایک رستہ چلیں اور انصار ایک اور رستہ چلیں تو میں اس رستے چلوں گا جس پر انصار چلیں۔ اس تقریر سے جو صدق دل سے نکلی ہوئی تھی۔ اور محمد رسول اللہ صلعم کے قلب کی کیفیت بتاتی تھی کہ مال دنیا کی آپ کی نگاہ میں کیا وقعت ہے۔ سامعین کے دلوں پر ایسا اثر ہوا کہ کوئی آنکھ نہ تھی جو پُرنم نہ ہو۔ اور بعض کی تو روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔

۴۲- ملک عرب میں اسلام کا چرچا

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (الفتح - ۲۸)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے۔

قریش کی مخالفت کی ناکامی کا اثر عرب پر

ذیقعدہ ۸ھ ہجری میں طائف سے واپس ہوتے ہوئے اور عمرہ کرتے ہوئے اس سال کے آخر میں مدینہ پہنچے۔ مکہ اُم القریٰ کے نام سے موسوم تھا اور گو عرب کا ملکی رنگ میں کوئی دار الخلافہ نہ تھا کیونکہ قبیلہ قبیلہ قوم قوم صوبہ صوبہ میں الگ حکومت تھی۔ مگر روحانی رنگ میں اس کا عزت و احترام اس قدر تھا کہ تمام اطراف عرب سے حج کے موسم میں یہاں لوگ کھنچے چلے آتے تھے اس لحاظ سے ان لوگوں کی بھی خاص عزت تھی جو مکہ میں حاکم ہوں۔ عرب کے لوگ اسلام کی تعلیم کے موٹے اصول سے واقف تھے۔ مگر وہ قریش کو دیکھ رہے تھے کہ ان کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے بلکہ جب حج کے دنوں میں نبی کریم صلعم کسی قبیلہ پر اسلام پیش کرتے تو آپ کو یہ جواب دیا جاتا کہ جب تمہاری قوم تم کو نہیں مانتی تو ہم کیوں مانیں۔ پس جب فتح مکہ کے بعد اہل مکہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے تو اس کا اثر کل عرب پر اچھا پڑا خود اس مقابلہ میں بھی انہوں نے دیکھ لیا کہ کس طرح ایک اکیلا آدمی جس کو قریش مجنون کہتے تھے ان کی ساری مخالفت کے باوجود کامیاب ہو گیا۔ اس لئے اب ان کے اسلام لانے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ اور یہی وجہ ہے کہ نویں اور دسویں سال ہجرت میں اسلام چاروں طرف عرب میں پھیل گیا۔ اس کا آغاز نویں سال کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ جب یکے بعد دیگرے مختلف قومیں اور مختلف قبیلے اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ نویں سال ہجری کی ابتدا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قوموں سے جن کا تعلق اب اسلام سے ہو گیا۔ زکوٰۃ کے وصول کرنے کا انتظام کیا۔ اور اپنے عامل اس غرض کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے زکوٰۃ گو ایک مذہبی فریضہ تھا۔ مگر چونکہ اسلامی بیت المال کا یہی بڑا حصہ تھا اس لئے اس کا انتظام باقاعدہ کیا گیا اور اس کو مرکزی حکومت کے ماتحت کیا گیا۔

زکوٰۃ کی وصولی

آپ کے عامل ایک قوم میں زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے گئے۔ جب وہ ان کی بھیڑ بکریوں وغیرہ کو جمع کر رہے تھے تو قریب کی ایک قوم بنی تمیم نے مسلح ہو کر ان پر حملہ کیا اور انکو وہاں

وفد تمیم

سے بھگا دیا۔ عُیَینَہ ایک سردار نے فوراً ان پر جوابی حملہ کر کے ان کے پچاس آدمی قید کر لئے بنی تمیم گو اب تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر حُنین کی جنگ میں انہوں نے نبی کریم صلعم کو مدد دی تھی۔ انہوں نے فوراً ایک وفد بارگاہ نبوی میں بھیجا۔ یہاں انہوں نے اپنے خطیب اور شاعروں کو آنحضرت صلعم کے خطیب اور شاعر کے مقابلہ میں پیش کیا۔ مگر دونوں کی فوقیت کو تسلیم کیا۔ آنحضرت صلعم کے خطیب اور شاعر کا مضمون سوائے دین اسلام اور توحید کے کچھ نہ تھا اس کا اثر ان کے دلوں پر ہؤا اور مدت سے مسلمانوں کے حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے اب انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ دین اسلام کو قبول کرنا چاہئے۔ اور مسلمان ہو گئے۔ درحقیقت نہ صرف وہ لوگ جن کا تعلق مسلمانوں سے پڑتا تھا۔ دین اسلام سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ بلکہ اسلام کی تعلیم کا شہرہ اب ہر طرف پھیل چکا تھا۔ اور سالہا سال سے حج کو آنے والے لوگ اس تعلیم کو اپنی قوم میں واپس لے جاتے تھے۔ صرف پرانا تعصب اسلام کے خلاف کام کرتا تھا سو جہاں جہاں وہ دور ہوتا جاتا تھا لوگ خودبخود مسلمان ہوتے چلے جاتے تھے۔

بنی طے اور حاتم طائی کی بیٹی سے حسن سلوک

انہی ایام میں بنی طے کی طرف سے کچھ شرارت کے آثار معلوم ہوئے تو آپ نے حضرت علیؓ کو دو سو سوار کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے بھیج دیا۔ قیدیوں میں حاتم طائی کی (جس کی سخاوت شہرہ آفاق تھی) بیٹی بھی تھی جس کا نام سفّانہ تھا۔ جب نبی کریم صلعم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اسے بلا کر نہایت عزت و احترام سے رخصت کرنا چاہا۔ مگر فیاض باپ کی بیٹی نے پسند نہ کیا کہ نبی کریم صلعم کی فیاضی سے اکیلی فائدہ اٹھائے اس نے کہا جب تک میرے ساتھ کی عورتیں قید میں ہیں میں واپس جانے کی نسبت ان کے ساتھ قید میں رہنے کو ترجیح دیتی ہوں۔ نبی کریم صلعم نے فوراً حکم دیا کہ کل قیدی چھوڑ دیئے جائیں۔ اس کا بھائی عدی بن حاتم شام کی طرف بھاگ گیا تھا وہ اس کی تلاش میں نکلی۔ اور جب اس کو نبی کریم صلعم کے حالات اور آپ کے وسعت اخلاق کی خبر ملی تو وہ فوراً دربار نبوی میں حاضر ہؤا اور اسلام قبول کیا۔ اور قوم کی سرداری پر بحال ہؤا۔

کعب بن زہیر کا اسلام

انہی ایام میں کعب بن زُہیر نے جو ایک مشہور شاعر تھا اور اب تک اسلام کی مخالفت میں شعر کہتا رہا تھا اسلام قبول کیا اور مشہور قصیدہ بُردہ آنحضرت صلعم کی مدح میں کہا جس نے کعب کے نام کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

اب اسلام تمام ملک عرب میں ہر دلعزیز ہو چکا تھا۔ اور اس کی آخری کامیابی کی شہرت

عرب کے کناروں تک پہنچ چکی تھی دور دور کے لوگ ان حالات سے ناواقف نہ تھے جو قریش اور رسول اللہ صلعم کے درمیان پیش آتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ کس طرح توحید الٰہی اور نیکی کی تعلیم کی وجہ سے قریش نے آپ کی مخالفت کی کس طرح لوگوں کو آپ کی بات سننے سے روکا کس طرح آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو دکھ دے کر نکال دیا گیا۔ کس طرح ان کے تباہ کرنے کی کوشش مدینہ میں آجانے کے بعد بھی آٹھ سال متواتر جاری رہی۔ ایام حج کے اجتماع نے ان تمام باتوں کو عرب کے کناروں تک پہنچا دیا تھا اور ان کو یہ بھی علم تھا کہ رسول اللہ صلعم اس بات کے مدعی ہیں کہ آپ کی مخالفت میں جس قدر طاقتیں ہیں اللہ تعالےٰ ان سب کو نیچا دکھائے گا اور آخری کامیابی اسلام کو عطا فرمائے گا۔ اس لئے اب چاروں طرف سے مختلف قوموں اور قبیلوں سے وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہونا شروع ہوئے۔ آپ ان وفود کی نہایت عزت و احترام کرتے اور ان کو نرمی سے اسلام کی تعلیم سے واقف کرتے تب جو لوگ اسلام قبول کرتے ان کے ساتھ آپ ایک حافظ قرآن بھیج دیتے تاکہ ان کو تعلیم دین سے کما حقہٗ آگاہ کرے چنانچہ اسی سال کے پہلے نصف میں ایسے ایسے دُور کے علاقوں سے جیسے یمن اور حضرموت۔ بحرین اور عمان۔ حدود شام۔ حدود ایران سے آپ کی خدمت میں وفد آئے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اور اسلام چاروں طرف ملک عرب میں پھیلنے لگا۔ تاریخ اسلامی سے ناواقف لوگ حق سے کس قدر دور چلے گئے جب انہوں نے یہ خیال کیا کہ جنگ و پیکار سے اسلام پھیلا۔ جنگ کا زمانہ وہ تھا جب اسلام کی ترقی رکی رہی۔ جوں ہی ملک میں امن قایم ہُوا۔ دین اسلام اس طرح چاروں طرف پھیلنا شروع ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی طاقتِ بالا لوگوں کے دلوں کو اسلام کے سامنے جھکاتی جارہی ہے کوئی مہم ان مقامات پر نہیں بھیجی گئی جہاں سے وفد قبول اسلام کے لئے نبی کریم صلعم کی خدمت میں خود حاضر ہورہے تھے۔ اور یہ ایک ایسا حق ہے جس پر آج تک ایک زبردست پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مذہبی آزادی اور امن کی حالت یہ دو چیزیں ہی ہمیشہ اسلام کے پھیلنے میں معاون ثابت ہوئی ہیں اور آیندہ بھی ثابت ہوں گی ◆

۲۵- جنگ تبوک
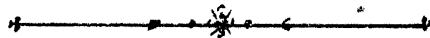
لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ (التوبہ - ۴۲)

اگر فائدہ جلد ملنے والا اور سفر میانہ ہوتا تو ضرور تیرے پیچھے ہو لیتے لیکن مشقت کا سفر انہیں بہت دور کا معلوم ہوا۔

سلطنت روما کے غلبہ کی پیشگوئی

جب ملک عرب میں اس طرح چاروں طرف اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو سب سے پہلے پاس کی عیسائی سلطنت کو فکر ہوا اور اس نے اسلام کی اس ترقی کو حسد کی نظر سے دیکھا حالانکہ اسلام کی ہمدردی بت پرستوں اور آتش پرستوں کے خلاف اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے تھی۔ چنانچہ اس وقت جب ایرانی فوجیں سلطنت روما کے تمام ایشیائی مقبوضات اور ملک مصر کو فتح کر کے قسطنطنیہ کے دروازوں کو کھٹکھٹا رہی تھیں۔ اور سلطنت روما کی تباہی میں کوئی شبہ نہ رہ گیا تھا۔ نبی کریم صلعم پر قرآن کی وہ آیات اُتری تھیں جن میں آپ نے نو سال کے اندر اندر سلطنت روما کے ایران پر غالب آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہوگئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر غالب آئیں گے۔ نو سال کے اندر اندر[1] اور ساتھ ہی اس کے دوسری پیشگوئی یہ سُنائی گئی کہ اس دن مومن بھی اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے[2] چنانچہ جس سال بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اسی سال سلطنت روما اپنے مقبوضات مفتوحہ کو واپس لیتی ہوئی ایران کے اندر داخل ہوئی پس مسلمان تو سلطنت رُوما کی کامیابی پر خوش ہوتے تھے مگر سلطنت روما کو اسلام کی کامیابی اچھی نہ لگی۔ ایک مرتبہ پہلے بھی موتہ کے مقام پر مٹ بھیڑ ہو چکی تھی۔ اب جب یہ خبریں ملک شام میں پہنچیں کہ عرب

عیسائیوں کی تیاری کی خبریں

سب کا سب اسلام کے آگے گردن جھکاتا جاتا ہے تو پرستاران صلیب نے یہ خیال کیا کہ ہم تلوار کے زور سے عرب کو اپنے دین میں لے آئیں گے۔ اور کم از کم اسلام کی ترقی کو روک دیں گے۔ چنانچہ عرب میں متواتر خبروں کے ذریعہ یہ مشہور ہو گیا کہ قیصر نے ایک بڑی فوج اسلام کی بیخکنی کے لئے جمع کی ہے اور تمام قبائل عرب جو عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے اس مہم میں شامل ہیں۔ غسانیوں کی طرف سے بالخصوص ہر وقت عرب میں خطرہ لگا رہتا

---

[1] الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ (الروم - ۱-۲)
[2] وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ (الروم - ۴-۵)

تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خبروں کی بنا پر ملک شام کی سرحد کی طرف اپنی افواج
کی تیاری کا حکم دیا۔ قرآن شریف کا حکم تھا کہ اپنی سرحدوں کو مضبوط رکھو۔ کیونکہ اگر سرحد پر کمزوری
واقع ہو تو ملک نہیں بچ سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کا
اتقا عطا فرمایا تھا کہ آپ اپنی قوم کی حفاظت شیطان کے تمام امکانی حملوں سے بھی
کرتے تھے۔ اسی طرح ملکی رنگ میں بھی آپ کو وہ اعلیٰ درجہ کی احتیاط عطا فرمائی تھی جس
سے قوم کو دشمن سے بچایا جا سکتا تھا۔ آپ ادنیٰ خطرہ پر تمام شیطانی منصوبوں کا قلع قمع کرنے
کے لئے تیار رہتے تھے اس لئے قیصر کی تیاری کی ان متواتر خبروں کو آپ سرسری نگاہ سے
نہ دیکھ سکتے تھے۔ اگر ایک دفعہ عرب کے اندر اس کا قدم آجاتا تو پھر ان لوگوں کے حوصلے
بڑھ جاتے اور مسلمانوں کو خطرناک مشکلات کا سامنا ہوتا۔

غزوہ تبوک کی مشکلات

آپ نے تمام قبائل عرب کو مہم میں شمولیت کے لئے بلایا کیونکہ یہ خطرہ صرف مدینہ یا
صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ کل عرب کیلئے تھا مگر کئی ایک رکاوٹیں بھی تھیں سفر بڑا لمبا تھا
موسم سخت گرمی کا تھا ادھر فصل بالکل پکی ہوئی اور کاٹنے کے لئے تیار تھی سب سے بڑھ کر یہ
کہ قیصر روم کی باقاعدہ اور منتظم افواج کا مقابلہ۔ منافق تو ویسے ہی طرح طرح کے عذر کر کے رہ
گئے۔ آپ کی عادت تھی کہ جب آپ کے سامنے عذر کیا جاتا تو آپ انکار نہ کرتے تھے
علاوہ ازیں دور کے سفر میں بغیر سواری کے چارہ نہیں اور بہت سے لوگ بوجہ غربت سواری
مہیا نہ کر سکتے تھے۔ وہ روتے تھے کہ ہمیں شمولیت کا موقع نہیں ملا۔ مگر نبی کریم صلعم نے فرمایا۔
سواری نہیں میں کیا کر سکتا ہوں۔ حضرت عثمان نے ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار دینار
اس مہم کی تیاری کے لئے دیئے۔ غرض تیس ہزار فوج تیار ہوئی اور رجب ۹ سنہ ہجری میں
مدینہ سے شام کی طرف کوچ کیا۔ صحابہ کو رسول اللہ صلعم سے کس قسم کی محبت تھی۔ کئی ایک
واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایک صحابی اپنے باغ میں ٹھنڈی چھاؤں میں دوپہر کے
وقت آرام کر رہے تھے۔ ہر قسم کی نعمتیں مہیا تھیں۔ معاً دل میں ایک اُبال اُٹھا اور پکار
اُٹھے کہ رسول اللہ صلعم تو اس گرمی میں حالت سفر میں ہوں اور میں یہاں بیٹھا سایہ میں آرام
کروں فوراً سواری لی اور ساتھ مل گئے۔ غرض محبان صادق اس امتحان میں پورے اُترے
اور کسی تکلیف کی پرواہ نہ کر کے ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں حجر کا مقام تھا جہاں قوم ثمود پر عذاب اُترا
تھا۔ آپ نے فرمایا یہاں سے جلدی گزر جاؤ یہ قوم کو سبق تھا کہ ظالموں کے ساتھ کسی قسم کا

تعلق نہ رکھیں +

مدینہ اور دمشق کے درمیان مدینہ سے چودہ منزل کے فاصلہ پر مقام تبوک ہے۔ یہاں پہنچکر آپ نے ڈیرہ ڈال دیا۔ اور دشمن کے ارادہ کی تحقیقات کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس اثنا میں آپ کی تیاری اور جرار فوج کو دیکھ کر اور اس واقعہ کو یاد کرکے جب مُوتہ کے مقام پر تین ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ کے قریب فوج کا مقابلہ کیا تھا غسّان۔ لخم۔ جذام وغیرہ قبائل کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ اور قیصر نے حالت تذبذب میں کوئی قطعی فیصلہ نہ کیا تھا غرض آپ نے سرحد کو بالکل حالت امن میں پایا۔ اگر آپ کا مسلک یہ ہوتا کہ تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان کیا جائے تو اس سے بہتر کون سا موقع ہو سکتا تھا۔ تیس ہزار آدمی ہر طرح سے مسلح مرنے مارنے پر تیار ساتھ تھے۔ جدھر رُخ کرتے تلوار کے زور سے مسلمان کرتے چلے جاتے۔ مگر ساری مہم میں ایک فرد واحد کا بھی اس طرح مسلمان کیا جانا ثابت نہیں۔ اگر آپ کو فتوحات ملکی کا شوق ہوتا تو ظاہر ہے کہ اس قدر تکلیف اُٹھا کر تیس ہزار فوج کو ساتھ لے کر سرحد شام پر پہنچ چکے ہیں۔ دشمن آگے مقابلہ کے لئے تیار نہیں فوراً حملہ کرکے مُلک شام میں داخل ہو جاتے اور قبل اس کے کہ دشمن مقابلہ کے لئے تیاری کرتا بہت سا ملک لے لیتے یہی لوگ تھے جنہوں نے بعد میں بڑے بڑے جرار رُومی لشکروں کو شکستیں دیں۔ مگر ہوس ملک گیری آپ کے قلب کے کسی کونہ میں نہ تھی۔ اس قدر خرچ اور تکلیف اٹھانے کے بعد جب دیکھا کہ دشمن نے پہل نہیں کی تو آپ نے بھی قرآن کریم کے اس حکم کی تعمیل کی کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ بیس دن تک آپ نے مقام تبوک میں قیام کیا پھر وہاں سے واپس آ گئے۔ ہاں اس اثنا میں بعض چھوٹی چھوٹی عیسائی حکومتوں سے آپ کے معاہدات ہو گئے جس سے سرحد پر امن کا اطمینان بڑھ گیا +

۲۶۔ منافق اور ان کا انجام

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ ۔ (التوبۃ ۶۶)

اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کریں گے تو ایک گروہ کو عذاب دینگے اس لئے کہ وہ مجرم ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تو کسی قدر آزادی کے ساتھ وہ چند مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ قریش کی دشمنی پہلے تو مسلمانوں کو دُکھ دینے تک محدُود تھی اب وہ ان کو نیست و نابود کرنے پر تل گئے۔ قبائل عرب اب تک اسلام کے خطرناک مشکلات میں ہونے کی وجہ سے خاموش تھے۔ اسلام کی ترقی نے اب انہیں بھی اٹھا دیا۔ یہودی دور بیٹھے خاموش تھے۔ اب گھر میں اسلام کی ترقی نے ان کے حسد کی آگ کو بھڑکا دیا۔ عیسائی بھی اسلام کی کامیابیوں کو دیکھ کر اب مخالفت کرنے لگے۔ مگر ایک نرالے رنگ کی دشمنی ان لوگوں کی طرف سے شروع ہوئی جو اصطلاح اسلام میں منافق کہلاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس قدر جرأت نہ رکھتے تھے کہ اسلام کا کھلے طور پر مقابلہ کریں انہوں نے ظاہر میں تو اسلام قبول کر لیا مگر اندرونی طور پر کفر پر قایم رہے اور نہ صرف یہی بلکہ اس رنگ میں انہوں نے اسلام کو سخت نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ ان کا سردار ایک شخص عبداللہ بن ابی تھا۔ نبی کریم صلعم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے عبداللہ بن اُبی کا رسوخ اس قدر بڑھا ہوُا تھا کہ لوگ اسے اپنا بادشاہ بنانے کو تیار تھے۔ مگر آنحضرت صلعم کی ہجرت کے ساتھ ہی یہ نقشہ پلٹ گیا اور عبداللہ بن ابی بالکل ایک معمولی انسان کی حیثیت میں رہ گیا۔ شروع میں اس نے کسی قدر مخالفت بھی کی مگر یہ دیکھ کر کہ اسلام ترقی پکڑتا جاتا ہے اس نے بھی بظاہر اسلام قبول کر لیا۔ اور اس وقت سے لے کر ۹ سنہ ہجری یعنی اپنی وفات تک ہر ایک ممکن کوشش اسلام کو نقصان پہنچانے کی کرتا رہا۔ بیرونی دشمن سے تو احتیاط کر لی جاتی ہے۔ مگر اس قسم کے اندرونی دشمن نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔ گویا یہ مذہبی انارکسٹ ہیں جو ہر وقت تباہی کی فکر میں لگے رہتے ہیں اندر ہونے کی وجہ سے حالات سے بھی واقف ہوتے ہیں اور بیرونی دشمنوں سے بھی ساز باز رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ابتدا میں ہر قسم کے دشمنوں کو جو امکانی طور پر ہو سکتے ہیں اسلام کی مخالفت کا موقعہ دے کر یہ دکھا دیا کہ جس پودہ کو وہ سرسبز

منافقوں کی مخالفت اسلام میں برابر کوشش

کرنا چاہتا ہے اسے کوئی برباد نہیں کرسکتا۔

عبداللہ بن اُبیّ کی عداوت نے اُحد کے موقعہ پر زیادہ نمایاں رنگ اختیار کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ قریش تین ہزار جوانوں کے ساتھ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے آئے ہیں تو اس نے اپنے تین سو آدمی الگ کر لئے اور مدینہ واپس چلا آیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح سے مسلمان اور بھی کمزور ہو جائیں گے اور کافر اب کے ان کا فیصلہ کر دیں گے بنی نضیر نے جب شرارت کی تو اس وقت عبداللہ بن اُبیّ نے ان کو مدد دینے کا وعدہ کیا تھا گو اس کا ایفا نہیں کیا۔ غزوہ اَحزاب میں جب چوبیس ہزار دشمن مدینہ کو گھیرے پڑے تھے اور مسلمان نہایت خطرہ کی حالت میں تھے تو یہ لوگ یہ کہہ کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں ایسا نہ ہو کہ غنیم ان پر حملہ کر دے یہ محض جھوٹا بہانہ تھا۔ بنی مصطلق کی مہم میں عبداللہ نے پھر علانیہ دشمنی کا اظہار کیا۔ اور انصار اور مہاجرین میں فساد ڈالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس مہم سے واپسی پر جو حضرت عائشہ صدیقہ پر افک باندھا گیا۔ اس کا اصل مرتکب بھی عبداللہ اور اس کا گروہ تھا اور بعض مسلمان بھی ان کی باتوں میں آ گئے۔ کہیں کوئی شورش ہوتی تو یہ لوگ منتظر رہتے کہ مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ ہر وقت اس بات کے لئے تیار رہتے کہ باہر سے کوئی دشمن ذرا بھی کامیابی حاصل کرے تو اندر سے یہ کھڑے ہو جائیں غزوۂ تبوک میں یہ عذر کرکے رُک گئے کہ گرمی بڑی سخت ہے۔ اور اصل منشا ان کا یہ تھا کہ مسلمان سب چلے جائیں گے۔ تو پیچھے شرارت کا موقع ملے گا۔ مگر اُن کی تمام تر کوششیں بکلی ناکام ہوئیں۔ علاوہ بریں یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ استہزا کرتے۔ اور اسلام کے خلاف خفیہ منصوبے بھی کرتے رہتے جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ نبی کریم صلعم ایک ہی انسان ہیں جنہوں نے اس فقرہ پر عمل کرکے دکھایا ہے کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو۔ اس قسم کے خطرناک دشمنوں کے ساتھ بھی نہایت نرمی کا سلوک کرتے رہے اور ہمیشہ معافی اور درگزر سے کام لیتے رہے اور کبھی ان کی شرارتوں پر سزا نہیں دی۔ جب عبداللہ بن اُبیّ نے مہاجرین اور انصار میں پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ کیوں ایسے شریر کو مروا نہ دیا جائے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ لوگ کہیں کہ محمد صلعم اپنے صحابہ کو مرواتے ہیں البتہ جب منافقوں نے ابو عامر کی سازش سے مدینہ میں ایک مسجد بنائی جہاں ان کا منشا جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بازیاں کرنا تھا تو خدا کے حکم

سے آپ نے اس مسجد کو جلوا دیا۔ یہ مسجد آپ کی تبوک کو روانگی سے پہلے بنائی گئی تھی۔ اور آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ خود پہلے چل کر اس میں ایک نماز پڑھا دیں۔ آپ نے فرمایا تبوک سے واپسی کے بعد دیکھا جائے گا۔ اس اثنار میں وحی الٰہی سے آپ کو علم ہوگیا کہ یہ مسجد نہیں بلکہ محض اسلام کو تباہ کرنے کے لئے ایک منصوبہ بازی کی جگہ بنائی گئی ہے۔ اس لئے آپ نے تبوک سے واپس ہوتے ہی اس کو جلانے کا حکم دیا۔

عبداللہ بن ابی جیسے دشمن پر رحم

غزوہ تبوک سے واپسی کے کوئی دو ماہ بعد عبداللہ بن اُبیؔ فوت ہوگیا۔ مسلمان اس کو راس رئیس منافقین جانتے اور کہتے تھے۔ اور اس کے اندرونی طور پر خطرناک دشمن اسلام ہونے میں کسی کو شبہ نہ تھا۔ مگر بظاہر وہ کلمہ شہادت کا مقر تھا۔ اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا۔ اس کا بیٹا ان کا نام بھی عبداللہ تھا اور وہ سچے دل سے مسلمان تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کی طرف سے دو درخواستیں پیش کیں اول یہ کہ آپ اپنا کرتہ دیں جس میں اس کو کفن پہنایا جائے اور دوسرے یہ کہ آپ خود اس کے جنازہ کی نماز پڑھیں۔ ایسا دشمن اور سلوک وہ چاہتا ہے جو سب دوستوں کو بھی میسر نہیں آتا مگر چونکہ ظاہر میں مسلمان تھا اس لئے آنحضرت صلعم نے دونوں درخواستوں کو منظور کیا۔ اور اپنا کرتہ دے دیا۔ جب آپ جنازہ کے لئے چلنے کو تیار ہوئے تو حضرت عمرؓ نے آپ کا دامن پکڑ لیا کہ ایک دشمن اسلام کا جنازہ آپ پڑھنے جاتے ہیں مگر رحمۃ للعالمین کا قلب تو دشمن کے لئے بھی محبت سے بھرا ہوا تھا آپ نے فرمایا ہاں ہم جنازہ پڑھیں گے حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کرو تو اللہ ان کو معاف نہیں کریگا۔[۱۵] آپ نے فرمایا میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ اہل مکہ سے وہ سلوک۔ سب سے بڑے اندرونی دشمن سے یہ سلوک۔ کیا یہ وسعت قلب دنیا کے کسی اور انسان میں نظر آتی ہے؟ دنیا میں ایک ہی انسان ہے جو واقعات کی روشنی میں رحمۃ للعالمین کہلانے کا مستحق ہے۔ اس کے دل میں دوستوں کے لئے ہی رحم نہیں بلکہ دشمنوں کے لئے بھی رحم بھرا ہوا ہے*

منافقوں کا انجام

عبداللہ بن اُبیؔ کی وفات کے ساتھ منافقین کا زور ٹوٹ گیا۔ اسلام کی حقانیت کے جسقدر پہلو روز بروز زیادہ واضح ہوتے جاتے تھے۔ اسی قدر منافقین کے دل میں بھی اسلام کی

---

[۱۵] ان تستغفر لہم سبعین مرۃ لن یغفر اللہ لہم (التوبہ۔ ۸۰)

محبت پیدا ہوتی چلی جاتی تھی۔ اب تک انہوں نے اندرونی طور پر ہر ایک قسم کی کوشش کر کے دیکھ لیا تھا کہ وہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ اس لئے اب جو ان کا سردار ناکام فوت ہوا تو ان کے دل بول اُٹھے کہ اسلام حق ہے۔ ان میں بہت سے لوگ سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ ہاں چند ایک شقی القلب باقی رہ گئے جن کو آخر کار اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے لے کر مسجد سے نکال دیا کہ فلاں فلاں منافق ہیں چلے جائیں ان لوگوں کو قتل نہیں کیا گیا۔ شہر سے خارج نہیں کیا گیا۔ صرف مسلمانوں کو ان کی شرارت سے کھلے طور پر آگاہ کر دیا گیا۔ ہاں ان سے زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی۔ اور یہی ایک سزا تھی جو اُن کو ملی ایک طرف اس حکم کو رکھو کہ اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور دوسری طرف آنحضرت صلعم کے اس عمل کو رکھو تو جہاد کے معنی پر خود روشنی پڑتی ہے۔ یوں آنحضرت صلعم کی زندگی میں منافقوں کا آخری فیصلہ ہو گیا۔ اور اسلام اندرونی اور بیرونی دونوں قسم کے دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے پاک ہو گیا۔ بیرونی دشمنوں کو تو قوت و طاقت سے صاف کیا جا سکتا ہے مگر اندرونی دشمنوں سے کسی تحریک کو پاک کر دینا طاقت انسانی سے بالاتر ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک ملک کے ملک کو نہ صرف دشمنوں سے صاف کر دیا بلکہ انہی دشمنوں کو جاں نثار دوست بنا دیا۔ یہ انسانی طاقت کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ ایک انسان اس ناممکن کام کو سرانجام دے سکے ۔

۲۷۔ وفدوں کا سال

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۔ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (النصر)

جب اللہ کی مدد اور فتح آگئی اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوتے دیکھ لیا تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور اس کی حفاظت مانگ وہ رجوع برحمت کرنیوالا ہے

عروہ کا اسلام اور اہل طائف کی شرارت

ہجرت کے نویں سال کا آخری حصہ اور دسواں سال مختلف اقوام اور قبائل کے وفدوں کی مدینہ میں آمد کا سال ہے نویں سال کے آخر میں ہی طائف کے باشندوں کا وفد آنحضرت صلعم کی خدمت میں آیا۔ یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد جب ہوازن سے جنگ پیش آئی تو بقیہ قوم ثقیف کے طائف میں محصور ہو جانے سے نبی کریم صلعم کو محاصرہ کرنا پڑا۔ مگر جب آپ کو یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کی طرف سے اب مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ نہیں رہا تو آپ نے محاصرہ اُٹھا لیا۔ اس محاصرہ میں عُروہ جوان کے سرداروں میں سے ایک تھے غیر حاضر تھے۔ اور یمن میں فن حرب کی بعض باتیں سیکھنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر انہوں نے سیدھا مدینہ کا رُخ کیا۔ اسلام کی خوبیوں سے وہ واقف تھے اور خود بھی حدیبیہ میں آنحضرت صلعم کو دیکھ چکے تھے اور شروع سے ان پر اسلام کا اچھا اثر تھا اس لئے اب وہ سیدھے مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہوتے ہی ان کی پہلی بڑی خواہش یہ ہوئی کہ اپنی قوم کو بھی اسلام کی برکات سے متمتع کریں۔ آنحضرت صلعم نے ان کو روکا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ طائف کے لوگ بہت سخت ہیں مگر ان کو اپنی ہر دلعزیزی پر بھروسہ تھا۔ اور عرض کیا کہ میں ان میں ان کی کنواری لڑکیوں سے زیادہ عزیز ہوں چنانچہ طائف پہنچتے ہی انہوں نے سب لوگوں کو جمع کر کے اسلام کی دعوت دی۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے اذان دی جس پر شوریدہ سروں نے ان کے گھر کا محاصرہ کر کے ان پر تیر برسائے اور انہوں نے شہادت پائی۔

اہل طائف کا وفد

اس سے اہل طائف کی مخالفت اور بھی بڑھ گئی۔ اور ہوازن کے ساتھ ان کی جنگ شروع ہو گئی۔ جو اس وقت تک مسلمان ہو چکے تھے۔ آخرکار انہوں نے دیکھا کہ چاروں طرف

مسلمان ہی مسلمان ہیں۔ اس لئے انہوں نے مشورہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب اسلام کی مخالفت بے سود ہے اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور ایک وفد جس میں چھ سردار اور کوئی بیس آدمی تھے آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اُن سے عُروہ کے خون کے متعلق بھی باز پرس نہیں کی انہوں نے اسلام پر اپنی رضامندی ظاہر کی مگر کہا کہ جاہل اور عورتیں لات کی تباہی پر راضی نہیں ہوں گے اسے تین سال تک یوں ہی چھوڑ دیا جائے آپ نے اسے نامنظور کیا۔ آخر انہوں نے ایک ماہ کی مہلت مانگی مگر اسلام اور بُت پرستی ایک جگہ جمع نہ ہو سکتے تھے۔ آخر کار آنحضرت صلعم نے مُغیرہ کو بھیجا کہ وہ اپنے ہاتھ سے جا کر اس بت کو توڑ دیں کیونکہ یہ لوگ خائف تھے کہ ہمارے توڑنے سے کچھ نقصان پہنچے گا ٭

اسی سال بنی تمیم کا وفد نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہُوا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

یمن مہرہ عمان بحرین یمامہ کے وفود

نویں سال کے اختتام سے پہلے ہی جزیرہ نمائے عرب کے جنوب اور مشرق میں اسلام کا چرچا پھیل چکا تھا۔ یمن اور مہرہ اور عُمان اور بحرین اور یمامہ کے بہت سے سرداروں نے خطوط کے ذریعہ یا وفد بھیج کر اسلام قبول کر لیا۔ عرب کے لوگ چونکہ ہمیشہ سے خود مختاری کے عادی چلے آئے تھے۔ اس لئے ایک قبیلہ کبھی دوسرے کو خراج کے رنگ میں کچھ دینا عار سمجھتا تھا۔ اس لئے زکوٰۃ کی وصولی ان میں سے بعض کے اسلام قبول کرنے میں روک ہو گئی وہ اسلام کو پسند کرتے تھے مگر یہ پسند نہ کرتے تھے کہ خراج کے رنگ میں کچھ دیں۔ مہرہ اور یمن کے عیسائیوں نے بھی اس سال کے آخر میں اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے مُنذر بحرین کے سردار کے پاس بھی ایک مبلغ بھیجا اور منذر نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی بنی حَنیفہ نے جو عیسائی تھے اور دوسری اقوام یمامہ نے ایک وفد آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیجا۔ اسی وفد میں مسیلمہ تھا جو بعد میں کذاب کے نام سے مشہور ہُوا۔ اس نے خیال کیا کہ محمد رسول اللہ صلعم یوں بیٹھے بیٹھے مُنہ سے بات کرکے پیغمبر بن گئے ہیں اور اسی طرح میں بھی بن سکتا ہوں نتیجہ یہ ہُوا کہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں مقتول ہُوا۔ اور اس کے ساتھی سب تتر بتر ہو گئے ٭

مسیلمہ کذاب

بنو تغلب اور نجران کے عیسائیوں کے وفود

سولہ آدمیوں کا ایک وفد بنی تغلب سے بھی آیا جو عیسائی تھے۔ بعض لوگ ان میں سے مسلمان ہو چکے تھے آپ نے اجازت دی کہ جو عیسائی ہیں وہ اپنے مذہب پر رہیں۔ مگر عیسائی اقوام میں سے سب سے زیادہ مشہور نجران کے عیسائیوں کا وفد ہے جس میں

کوئی ستر کے قریب آدمی تھے۔ ان کے سردار عبدالمسیح اور عبدالحارث تھے جو بنی کندہ اور بنی حارث میں سے تھے۔ یہ لوگ رومن کیتھولک عیسائی تھے۔ آنحضرت صلعم تمام وفود کو عزت کے ساتھ صحابہ کے گھروں میں اتارتے تھے مگر اس وفد کو مسجد نبوی میں اُتارا۔ بلکہ ان کو وہیں عبادت کرنے کے لئے بھی اجازت دی۔ آپ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے بحث کرنی چاہی۔ چنانچہ بحث بھی ہوئی۔ آخر جب انہوں نے کھُلے کھُلے دلائل کو تسلیم نہ کیا تو آنحضرت صلعم نے بحکم الٰہی ان کو مباہلہ کے لئے بلایا اور خود میدان میں نکل بھی آئے۔ مگر عبدالمسیح اور عبدالحارث ان کے سردار مباہلہ سے ڈر گئے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت معلوم کر چکے تھے مگر اپنے مذہب کو چھوڑنا پسند نہ کرتے تھے آخر معاہدہ کرکے واپس ہوئے۔

بجیلہ کا وفد

دسویں سال یمن کے بعض اور قبائل کے وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان میں بجیلہ کا ایک وفد تھا جن کا مشہور مندر ذوالخلصہ تھا اور یہ مندر یمن کا کعبہ کہلاتا تھا۔ اس کا بت خلصہ بھی توڑا گیا۔

وائل اور اشعث

حضرموت سے دو سرداران قوم یعنی وائل اور اشعث ایک جمعیت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ یہ ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم اسلام قبول کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اسی غرض کے لئے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا پھر یہ ریشمی لباس اُتار دو۔ چنانچہ وہ لباس فوراً اُتار دیا گیا۔ اور یہ لوگ مسلمان ہوئے۔ نبی کریم صلعم صرف چند اصول کی تعلیم دے دینا کافی نہ سمجھتے تھے بلکہ ان کے حالات عادات اخلاق میں ایک نیا رنگ پیدا کر دیتے تھے۔ اور تمام پرانی باتوں کو مٹا کر سب کو ایک دین پر۔ ایک اصول پر۔ یکساں عادات پر جمع کر دیتے اور ان میں یکساں رنگ زندگی کا پیدا کر دیتے اور تمام پرانی عادات کو یکسر تب چھڑا دیتے۔

عامر بن الطفیل

اسی طرح قبیلہ کے بعد قبیلہ کا اور قوم کے بعد قوم کا وفد آتا اور خود اسلام میں داخل ہونے کی خواہش کرتا اور اپنی قوم کی تعلیم اور زکوٰۃ کی وصولی کے لئے رسول اللہ صلعم سے معلم اور محصل مانگتا۔ ان سب کی تفصیل ضروری نہیں۔ ہاں عامر بن الطفیل کا قصہ بتاتا ہے کہ کس طرح اب بھی بعض لوگ اسلام کو تباہ کرنے کے درپے تھے۔ عامر اور اربد گھر سے یہ مشورہ کرکے چلے تھے کہ رسول اللہ صلعم کو ناگہاں قتل کر دیں گے۔ عامر نے اربد کو کہا کہ میں رسول اللہ صلعم کو

باتوں میں لگاؤں گا۔ تم تلوار مار کر ان کا کام تمام کر دینا۔ چنانچہ عامر نے ایسا ہی کیا مگر اَربد کو جرأت نہ ہوئی۔ آخر جب عامر نے دیکھا کہ یوں موقعہ نہیں ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں آپ سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مگر آپ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان لانے کا اقرار نہ کرو۔ یہ شخص ایک بڑی زبردست قوم کا سردار تھا۔ چلتے وقت کہنے لگا کہ میں اس قدر سوار اور پیادے تم پر چڑھا کر لاؤں گا کہ جن کے مقابلہ کی تم میں طاقت نہ ہوگی۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے صرف اس قدر دعا کی۔ اے اللہ تو عامر بن الطفیل کے مقابلہ میں میرے لئے کافی ہو جائیو۔ خدا کی قدرت کہ قبل اس کے کہ یہ دشمن اسلام اپنی قوم کو جا کر اُبھارتا خود ہی فنا ہو گیا۔ رستہ ہی میں طاعون نمودار ہُوا اور ہلاک ہو گیا۔

عرب میں اسلام کا غلبہ

غرض نویں سال کے آخر اور دسویں سال میں جنگوں کا سلسلہ قریبًا بکلی بند ہُوا۔ اور دین اسلام کے اندر لوگ گروہ در گروہ داخل ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ دو سال کے عرصہ میں سوائے چند ایک یہود اور نصاریٰ کے ملک عرب میں ایک ہی دین یعنی دین اسلام ہو گیا۔ اور چاروں طرف اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ کیا عجیب نظارہ ہے کہ وہ شخص حج کے دنوں میں خود ہر ایک قوم کے پاس جاتا ہے اور کوئی اس کی بات نہیں سُنتا آج ہر ایک قوم خود اپنا وفد اس کے پاس بھیجتی ہے اور اس کے دین میں داخل ہونا اپنے لئے موجب فخر خیال کرتی ہے۔ جس کو بیکس اور مجنون کہہ کر دھتکار دیا جاتا تھا آج اس سے ایک بات کر لینا دین و دنیا کی عزت کا موجب ہے۔ اگر بہت سی اور باتوں میں تاریخ محمد رسول اللہ صلعم کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے تو اس قسم کے عظیم الشان انقلاب کی نظیر بھی پیش کرنے سے عاجز ہے کہ ایک سارے کا سارا ملک دو سال کے عرصہ میں جب جنگ و جدال کا خاتمہ ہو چکا ہے نہ صرف ایک نیا مذہب قبول کرے بلکہ اس کے سارے کے سارے حالات بدل جائیں اس کی ساری پرانی عادات ایسی مٹ جائیں کہ گویا ان کا وجود ہی نہ تھا یہ فضیلت بھی خدا نے دنیا کے کل مصلحین پر محمد رسول اللہ صلعم ہی کو دی ہے۔
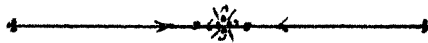
۲۸- حجۃ الوداع

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدۃ-۳)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا۔

نویں سال کے آخر تک ملک عرب کے اندر کچھ مشرک لوگ باقی تھے۔ اس لئے اس وقت تک آپ نے جتنے حج کئے وہ عمرہ کے رنگ میں تھے۔ یعنی ایام حج میں آپ نے حج نہیں کیا۔ نویں سال میں جب اسلام کثرت سے پھیل گیا اور مشرک قومیں تھوڑی رہ گئیں تو آپ نے حضرت ابوبکر کو مسلمانوں کا امیر مقرر کر کے حج کرنے کے لئے بھیجا۔ اور اس کے بعد ہی سورۃ براۃ کی ابتدائی آیات کے اعلان کے لئے حضرت علی کو بھیجا۔ کہ اب آیندہ کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہ کرے گا۔ اس میں درحقیقت ایک پیشگوئی بھی تھی کہ ایک سال کے اندر کل عرب مسلمان ہو جائے گا۔ اور کوئی مشرک باقی نہ رہ جائے گا جو حج کرے گا۔ چنانچہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ دسویں سال میں کل عرب مسلمان ہو گیا۔ اس سال نبی کریم صلعم خود حج کے لئے نکلے کیا عجب نظارہ تھا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انسان مختلف اطراف عرب سے حج کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ان میں ایک بھی مشرک نہیں۔ وہی مقام جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے پھرتے اور کوئی آپ کی بات نہ سنتا تھا آج یہ کیفیت ہے کہ ہر طرف جاں نثاروں کے جمگھٹے نظر آتے ہیں۔ اور ایک اسلام ہی اسلام نظر آتا ہے۔ قدرت خداوندی کا کیا کرشمہ تھا۔ اور کس قدر اس سے ان لوگوں کے دلوں میں جو یہاں جمع تھے عظمت الٰہی کا پرتو پڑا ہوگا۔ جب یہ کامیابی کا بے نظیر نظارہ آنحضرت صلعم کو ان کی آنکھوں سے دکھا دیا۔ اور کل ملک عرب کو بھی دکھا دیا گیا۔ تو یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ آپ کا کام اب پورا ہو چکا۔ اور وہ کامیابی آپ کو مل چکی جو نہ آپ سے پہلے کسی انسان کو ملی نہ بعد میں ملے گی۔ اس لئے اب آپ کے رخصت ہونے کا وقت آتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ کامیابی۔ یہ کل عرب کا اسلام کے آگے گردن جھکا دینا۔ منشاء الٰہی کے عین مطابق اور عین اپنے وقت پر ہوا ہے کیونکہ ایک طرف اگر کل عرب مسلمان ہو گیا۔ تو دوسری طرف دین بھی اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اب تا قیامت دنیا کو یہ ضرورت

نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفارت کے منصب پر مامور ہو۔ نبوت کا کام کمال کو پہنچ چکا۔ اور خدا کی نعمتیں پوری ہو چکیں۔ انسان کی ساری مذہبی ضروریات کا انتظام قرآن شریف میں کر دیا گیا۔ اور اس ایک ہی چشمہ سے لوگ ہمیشہ کے لئے سیراب ہوں گے بلاشبہ کمالِ دین کی خوشخبری سنانے کے لئے اس سے بہتر کوئی جگہ اور کوئی مجمع تجویز نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ وہ مقام تھا جو دنیا کے فسادوں سے اور دنیوی جنگ وجدل سے ہمیشہ خالی رہا اور یہ وہ مجمع تھا جو سارے کا سارا تمام تعلقات دنیوی کو قطع کر کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک جگہ جمع ہوا تھا اور جس میں مساوات کا یہ عالم تھا کہ فقیر اور بادشاہ کا کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا کل کے کل ایک حیثیت میں اپنے خالق کے حضور حاضر تھے اور دلوں میں عظمت الٰہی کا رعب تھا۔

اس حج میں نبی کریم صلعم نے اپنا مشہور خطبہ پڑھا۔ آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ اور سب لوگ آپ کے ارد گرد میدان منا میں جمع تھے۔ آپ جو کچھ فرماتے جاتے دوسرے لوگ بلند آواز سے دہراتے جاتے تھے تاکہ سارے مجمع کو آپ کی بات پہنچ جائے۔ اس وقت عرب کی ساری اقوام اور قبائل کے لوگ جمع تھے۔ اور یوں یہ آواز گویا عرب کے کناروں تک پہنچا دی گئی۔ آپ نے فرمایا:۔

"اے لوگو میری بات کو اچھی طرح سن لو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد پھر بھی میں کبھی اس موقع پر تمہارے درمیان ہوں گا۔"

آپ نے اپنی وفات کے قرب کو نہ صرف اس سے سمجھ لیا تھا کہ آپ کا جو کچھ کام تھا ہو چکا۔ بلکہ اس سے بھی کہ آپ پر آیت تکمیل دین نازل ہو گئی۔ یہ آیت میدان عرفات میں نویں ذی الحج کو نازل ہوئی تھی اور یہ خطبہ اس کے بعد پڑھا تھا۔ آپ کو مبعوث اس لئے کیا گیا تھا کہ تا آپ دین کو کمال پر پہنچا دیں۔ پس ظاہر تھا کہ جب آپ کو یہ بتا دیا گیا کہ آج کے دن دین کامل ہو چکا تو اب آپ کے دنیا میں اور قیام کی ضرورت نہ رہی۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

"تم جانتے ہو یہ کونسا دن ہے؟ یہ یوم النحر یعنی قربانی کا دن ہے۔ تم جانتے ہو کونسا مہینہ ہے۔ یہ شہر حرام یعنی حرمت والا مہینہ ہے۔ پس میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح ایک دوسرے پر حرمت کا استحقاق رکھتی ہیں جیسے اس حرمت والے شہر میں اس حرمت والے مہینہ میں یہ حرمت والا دن۔ دیکھو حاضر غائب کو یہ بات پہنچا دے اور

تم اپنے رب سے ملنے والے ہو سو وہ تم کو تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا"

"آج تمام سود کی رقمیں چھوڑی جاتی ہیں۔ اور عباس بن عبدالمطلب کی رقم سود بھی چھوڑی جاتی ہے۔ آج تمام خون جو جاہلیت میں ہو چکے ان کا قصاص موقوف کیا جاتا ہے۔ اور سب سے پہلے ربیعہ ابن الحرث ابن عبدالمطلب کے خون کا قصاص موقوف کیا جاتا ہے"

"اے لوگو آج شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ تمہاری سرزمین میں اس کی عبادت پھر کبھی ہو لیکن اس کے سوائے (یعنی بت پرستی کو چھوڑ کر) اگر اور امور میں اس کی اطاعت کی گئی۔ ایسے اعمال میں جن کو تم حقیر خیال کرو تو یہ اس کی خوشی کا موجب ہوگا۔ پس اپنے دین میں اس سے بہت احتیاط کرو"

"پھر اے لوگو۔ تمہارے تمہاری بیبیوں پر حق ہیں اور تمہاری بیبیوں کے تم پر حق ہیں وہ تمہارے ہاتھوں میں خداتعالیٰ کی امانت ہیں پس تم ان سے نیک سلوک کرو اور تمہارے غلام۔ دیکھو تم ان کو وہ خوراک دو جو خود کھاتے ہو۔ اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو"

"اے لوگو میری باتوں کو سن لو اور ان کو سمجھ لو۔ جان لو کہ ہر مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے۔ اور تم سب بھائی یکساں ہو (یعنی ایک سے حقوق اور ذمہ واریاں رکھتے ہو) اور تم سب ایک ہی سلسلہ اخوت میں ہو۔ پس کسی شخص کے لئے اپنے بھائی سے کچھ لینا جائز نہیں مگر وہی جو وہ اپنے نفس کی خوشی سے خود دے پس اپنے لوگوں پر کوئی ظلم مت کرو یعنی اُن کا کوئی حق مت چھینو"

تب آپ نے بلند آواز سے کہا اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ۔ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔ اور ہزار ہا انسانوں کی زبان سے اس جواب نے اَللّٰھُمَّ نَعَمْ بیشک آپ نے پہنچا دیا۔ وادی میں ایک گونج پیدا کر دی۔ اگر وہ پیغام کامل تھا جو آپ لائے۔ تو اس کے پہنچانے میں بھی کمال کر دیا۔

۲۹۔ وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران۔ ۱۴۳)

اور محمد صلعم ایک رسول ہی ہیں اس سے پہلے سب رسول گذر چکے ہیں پھر اگر وہ مرجائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم اس لئے پاؤں پھر جاؤ گے۔

حجۃ الوداع سے آپ واپس ہوئے جہاں نہ صرف آپ کو دین کے کامل ہو جانے کی بشارت دی گئی بلکہ جہاں آپ نے خود تبلیغ کو بھی کامل کر دیا۔ اس کے بعد آپ اپنے مولیٰ سے ملنے کے انتظار میں تھے کہ ۱۱ سنہ ہجری ماہ صفر کے آخری ایام میں آپ بیمار ہوئے۔ اس وقت آپ شام کی حدود کی طرف فوج کی تیاری کا حکم دے چکے اور اس لشکر پر اُسامہ بن زید کو مقرر کر چکے تھے۔ جن کے والد زید اسی طرف کی ایک مہم میں شہید ہوئے تھے باوجود بیماری کے اگلے دن آپ نے خود عَلم اُسامہ کو دیا اور ابوبکر و عمر جیسے عظیم الشان انسان بھی سپاہی کی حیثیت میں اُسامہ کے ماتحت کئے گئے یہ اپنی زندگی کے آخر میں پھر مساوات کا سبق سکھانے کے لئے تھا۔ لشکر نے مدینہ سے باہر پڑاؤ ڈالا مگر نبی کریم صلعم کا مرض زیادہ تشویشناک ہو گیا۔ اس لئے لشکر کی روانگی بھی رک گئی اسی حالت میں آپ نے اپنی بیبیوں کو جمع کیا اور سب نے اس بات کو پسند کیا کہ آپ حالت بیماری میں حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر میں رہیں اور آپ کی وفات تک حضرت عائشہ ہی آپ کی تیمارداری کرتی رہیں سات آٹھ روز تک بیماری ہی کی حالت میں آپ مسجد میں آکر نماز کی امامت کراتے رہے۔ مگر زیادہ گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ ایک دن آپ نے بہت سا پانی سر پر ڈلوایا اور پھر سر باندھ کر باہر نکلے۔ نماز کے بعد آپ نے لوگوں کو کچھ وعظ کیا اس وعظ کے اثنا میں آپ نے فرمایا کہ ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی زندگی میں اور جو اس کے پاس ہے اس میں اختیار دیا سو اس بندہ نے جو اللہ کے پاس ہے اسے چن لیا۔ حضرت ابوبکر نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلعم اپنی وفات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اور وہ رو پڑے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مسجد میں جس قدر دروازے کھلتے ہیں وہ سب سوائے ابوبکر کے دروازہ کے بند کر دیئے جائیں۔ پھر آپ نے مہاجرین کو نصیحت کی کہ وہ انصار سے نیک سلوک کریں۔

اگلے دن آپ زیادہ کمزور ہو گئے۔ جب نماز کے وقت بلال کے بلانے پر آپ نے

ابوبکرؓ کو امام مقرر کرنا

وضو کے لئے اٹھنا چاہا تو اپنے آپ کو اس قابل نہ پایا اس لئے آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ابوبکر کی آواز ہلکی ہے۔ اور وہ قرآن پڑھتے وقت روتے زیادہ ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا کہ ابوبکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے پھر اسی طرح عرض کیا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اسی طرح ہوگا۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت ابوبکر نماز پڑھاتے رہے۔ ایک دن ذرا سا افاقہ ہونے پر آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور مسجد میں قدم رکھا لوگ اس وقت نماز میں مصروف تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک خوشی کے مارے شگفتہ ہو گیا۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس طرح وہ لوگ جن کی ہدایت آپ کے سپرد ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ جھکتے ہیں اور اپنے فرائض میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر آپ اپنے آپ کو کم طاقت پا کر واپس ہو گئے یہ پیر کا دن تھا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ آپ کی طبیعت نسبتاً اچھی ہے۔ حضرت ابوبکر بھی اپنے اہل میں سنح کو چلے گئے اور لوگ بھی اپنے کاروبار پر چلے گئے۔ مگر نبی کریم صلعم کا ضعف بڑھ گیا۔ حضرت عایشہ نے آپ کو سہارا دے رکھا تھا اتنے میں حضرت ابوبکر کے گھر والوں میں سے ایک شخص کے ہاتھ میں آپ نے مسواک دیکھی اشارہ سے اسے طلب کیا اور خوب منہ کو صاف کیا۔ اس کے بعد حضرت عایشہ کہتی ہیں آپ زیادہ بوجھل ہو گئے۔ اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى کے لفظ آپ کی زبان پر تھے۔ انسانوں کے ساتھ حق رفاقت ادا کر کے اور ان کو اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر پہنچا کر اب آپ خود رفیق اعلےٰ سے جا ملے۔ یہ دوشنبہ کا دن تھا اور دوسری ربیع الاول تھی آپ کی عمر وفات کے وقت ۶۳ سال کی تھی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

وفات

عمرؓ کا انکار اور ابوبکرؓ کا خطبہ

آپ کی وفات کی خبر مشہور ہو گئی لوگ مسجد میں جمع ہو گئے۔ حضرت عمرؓ بھی آموجود ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ صلعم فوت ہو گئے ہیں اس کا سر تلوار سے کاٹ دوں گا۔ آپ نے خیال کیا کہ شاید کسی نے یوں ہی تشویش پیدا کرنے کے لئے یہ خبر مشہور کر دی ہے۔ سب لوگ حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ تھے کہ اتنے میں حضرت ابوبکر آئے اور سیدھے حضرت عایشہ صدیقہ کے حجرہ میں داخل ہوئے۔ رخ مبارک سے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو آپ فوت ہو چکے تھے۔ آپ نے پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔ اور کہا کہ اللہ تعالےٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ پھر آپ باہر نکلے اور منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا يَآ اَيُّهَا النَّاسُ

اِنَّہٗ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ

اے لوگو اگر کوئی شخص محمدؐ کی عبادت کرتا تھا تو محمدؐ وفات پا گئے اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا۔ کیا توحید کی شیدا قوم تھی۔ اور حضرت ابوبکر خود کس قدر جری تھے کہ ایک طرف عمرؓ کی کھنچی ہوئی تلوار ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کا نام مت لو دوسری طرف آپ ایسے الفاظ میں نبی کریم صلعم کی وفات کا ذکر کرتے ہیں کہ اگر توحید کی غیرت لوگوں کے دلوں میں سب غیرتوں پر غالب نہ ہو تو ان الفاظ کو وہ سُننا بھی گوارا نہ کر سکتے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے وہ آیت قرآنی تلاوت فرمائی جو عنوان میں درج ہے "اور محمد صرف ایک رسول ہیں ان سے پہلے سب رسول گزر چکے پس کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر واپس ہو جاؤ گے"۔ یعنی وہ تو کچھ اصول دین سکھانے آئے تھے۔ ان کی وفات سے ان اصول دین میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ پس اس بات پر گھبراہٹ ہی کیسی ہے۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ نے بتا دیا کہ خدا کا یہ قانون نہیں کہ موت کے معاملہ میں رسولوں کے ساتھ دوسرے انسانوں سے الگ معاملہ کرے۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ اگر پہلے کوئی رسول زندہ رہا ہوتا تو آنحضرت صلعم کا زندہ رہنا ضروری ہوتا مگر جب پہلے سب رسول فوت ہو چکے تو نبی کریم صلعم کی فوتیدگی سے کیوں گھبراتے ہو۔ اس خطبہ اور اس آیت نے تمام طبیعتوں میں تسکین پیدا کر دی اور یہی آیت ہر ایک شخص کے منہ پر تھی ایک اللہ کا نام باقی رہے گا۔ باقی سب اپنا کام کر کے رخصت ہوں گے۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم کا پوری کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہونا تاریخ عالم میں ایک بےنظیر واقعہ رہے گا۔

۳۰- ازواج مطہرات

(الاحزاب ۔ ۲۸)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝

اے نبی اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تمہارا مقصد دنیا کی زندگی اور اس کی زینت ہے تو آؤ میں تمہیں سامان دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں

خدیجہؓ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی شادی اس وقت ہوئی جب آپ کی عمر پچیس سال کی تھی حضرت خدیجہؓ جن کے ساتھ یہ شادی ہوئی اس وقت چالیس سال کی تھیں۔ اور سوائے ابراہیم کے آپ کی ساری اولاد انہی کے بطن سے تھی ہجرت سے تین سال پیشتر حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا۔ گویا آپ نے پچیس سال ان کے ساتھ گزارے حضرت خدیجہ کی وفات کے وقت آپ کی عمر پچاس سال کی تھی اور حالانکہ ملک عرب میں عام رواج کئی کئی نکاحوں کا تھا مگر آپ نے اس عرصہ میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا ۰

عایشہؓ

حضرت خدیجہ آپ کے لئے پہلے ہی دن سے بڑی تقویت کا موجب ثابت ہوئی تھیں۔ اور ان کی وفات آپ کے لئے بڑا صدمہ تھا۔ آپ بعد کے زمانہ میں ہمیشہ ان کا ذکر خیر کرتے اور ان کی سہیلیوں کو تحفے بھیجا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر نے اپنی بیٹی عایشہ کا نکاح آنحضرت صلعم سے کر دیا۔ یہ نکاح گویا ان تعلقات محبت پر مہر تھی جو حضرت ابوبکر صدیق اور آنحضرت صلعم کے درمیان تھے۔ حضرت عایشہ کی عمر اس وقت چھوٹی تھی۔ اس لئے وہ اپنے والد کے ہاں رہیں یہاں تک کہ ہجرت سے کوئی سات آٹھ ماہ بعد مدینہ میں پہنچکر وہ نبی کریم صلعم کے گھر میں آئیں۔ آپ کی ازواج میں صرف حضرت عایشہ ہی کنواری تھیں ۰

سودہؓ

حضرت عایشہ سے نسبت ہو جانے کے بعد حضرت سودہ سے آپ کا نکاح مکہ ہی میں ہو گیا سودہؓ عمر رسیدہ بی بی تھیں وہ اور ان کا خاوند سکران ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے وہاں سے واپسی پر سکران وفات پا گیا۔ اور سودہؓ بیوہ رہ گئیں۔ اور نہایت تنگی کی حالت میں تھیں۔ مسلمانوں کی تعداد اس وقت کس قدر تھی جو کوئی محافظ ان کو ملتا؛ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی درخواست کی۔ اور آپ نے اسے منظور کر لیا۔ چنانچہ سودہؓ ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں ۰

حفصہؓ زوجہ

ہجرت کے بعد جب مدینہ میں آئے تو یہاں لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے جنگ بدر ہوئی اور اس جنگ میں حضرت عمرؓ کی صاحبزادی بیوہ رہ گئیں۔ یعنی ان کا خاوند خُنَیس ابن حُذافہ مارا گیا۔ نکاح کرنے والے مردوں کی اس وقت کس قدر کمی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود پہلے حضرت ابو بکرؓ سے اور پھر حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ وہ ان کی بیوہ صاحبزادی سے نکاح کرلیں مگر دونوں بزرگوں نے منظور نہ کیا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ سنہ ہجری میں ان کو اپنی زوجیت میں لیا ٭

زوجہ زینب بنت خزیمہ

اسی سال عبداللہ بن جحش جنگ اُحد میں شہید ہوئے اور ان کی بی بی زینب بنت خُزیمہ بیوہ رہ گئیں اور آپ نے ان کو اپنی زوجیت میں لیا ٭

اُم سلمہؓ زوجہ

۴ سنہ ہجری میں ابو سلمہ فوت ہوگئے اور ان کی بیوہ اُم سلمہ سے جن کا اصل نام ہند تھا آنحضرت صلعم نے اسی سال نکاح کیا ٭

زوجہ زینب بنت اُمیمہ

زینب بنت اُمیمہ بنت عبدالمطلب رشتہ میں آنحضرت صلعم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں آپ نے خود ان کا نکاح زید سے جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے کرایا گو وہ نکاح خود حضرت زینب اور ان کے بھائی کے خلاف منشا تھا۔ حضرت زینب اعلیٰ خاندان قریش میں سے تھیں اور مزاج میں کسی قدر سختی زیادہ تھی۔ ان کے خاوند زید عرب کے پرانے خیالات کے مطابق کسی اعلیٰ خاندان سے نکاح کا تعلق نہ پیدا کر سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زید نے زینب کو طلاق دیدی اور اس کے بعد ۵ سنہ ہجری میں آنحضرت صلعم نے ان سے نکاح کیا ٭

جویریہ زوجہ

اسی سال غزوہ بنی المُصْطَلِق پیش آیا۔ اور اس میں بہت سے مرد اور عورتیں قید ہوگئے ایک رئیس عرب حارث کی بیٹی جُوَیریہ نام بھی قیدیوں میں آئی۔ حارث اپنی قوم کا سردار تھا۔ وہ اپنی بیٹی کا فدیہ لے کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہاں آکر مع اپنے دو بیٹوں کے مشرف باسلام ہوا۔ حضرت جویریہ کا پہلا خاوند مرچکا تھا اس لئے حارث نے خود جُوَیریہ کو آپ کے نکاح میں دیا۔ چنانچہ اُن کو آپ نے آزاد کرکے ان سے نکاح کرلیا۔ اس نکاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی المصطلق کے کوئی سو گھرانوں کے قیدی مسلمانوں نے یہ کہہ کر آزاد کردیئے کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی ہے وہ غلام نہیں ہوسکتا ٭

اُم حبیبہؓ زوجہ

جو لوگ ہجرت کرکے حبش میں چلے گئے تھے ان میں اُم حَبِیبہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں ان کا خاوند عبیداللہ بھی وہیں تھا اور وہ وہاں عیسائی ہوگیا۔ اس کی وفات پر جب ابھی حضرت اُم حَبِیبہ

حبش ہی میں تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کرلی اور اس کے بعد وہ ۷؁ ہجری کے شروع میں مدینہ پہنچ گئیں ؛

صفیہ رضہ

۷؁ ہجری کے شروع میں غزوہ خیبر پیش آیا اور یہاں کے سردار حُیَیّ بن اخطب کی بیٹی صفیہ کنانہ کی زوجہ جو جنگ میں مارا گیا تھا۔ قیدیوں میں آئیں۔ یہودیوں کی طرف سے اس قدر شرارتیں ہوتی رہتی تھیں کہ آنحضرت صلعم نے ان کے خاندان میں تعلق زوجیت پیدا کرکے ان کا سدباب کرنا چاہا۔ چنانچہ اس غزوہ سے واپسی پر آپ نے صفیہ کو آزاد کرکے اس سے نکاح کیا ؛

ماریہ قبطیہ رضہ

اسی سال ماریہ قبطیہ بھی جن کو شاہ مصر نے بطور تحفہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ اور ان کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے عام طور پر مسلمانوں میں اور غیر مسلموں میں یہ ایک غلط خیال پھیلا ہوا ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ کو آپ نے لونڈی کی حیثیت میں رکھا۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس غلط خیال کی تردید کرتا ہے آپ نے کسی مرد کو بھی جو آپ کے پاس غلام کی حیثیت میں آیا غلام نہیں رہنے دیا بلکہ آزاد کردیا تو ایک ایسی بلند مرتبہ بی بی کو جس کے بطن سے آپ کے ہاں اولاد بھی ہوتی ہے آپ کس طرح لونڈی کی حیثیت میں رکھ سکتے تھے۔ آپ کی یہ تعلیم ہے۔ اور صحیح حدیث میں یہ ارشاد موجود ہے کہ جس شخص کے پاس لونڈی ہو پھر وہ اسے اچھی تربیت دے اور آزاد کرکے اس کا نکاح کردے وہ دہرے اجر کا مستحق ہے اب اس میں مسلمانوں کو یہی ترغیب دی ہے کہ لونڈی کو آزاد کرکے اس سے نکاح کریں یا اس کا نکاح کردیں پس اب جب دوسروں کو ایسی تعلیم دیتے تھے تو خود کس طرح اسکے خلاف کرسکتے تھے۔ صفیہؓ۔ جویریہؓ بھی لونڈیاں تھیں انکو بھی آپ نے خود آزاد کرکے ان سے نکاح کیا۔ ماریہ قبطیہؓ تو جنگ کی قیدی بھی نہ تھیں پھر اول آنحضرتؐ کا عمل اور دوسرے صحابہ کا عمل دونوں سے قطعی شہادت ملتی ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ ازواج میں داخل تھیں اور لونڈیوں کا سا سلوک ان سے نہیں ہوا۔ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اپنی ازواج کو پردہ کا حکم دیں یعنی وہ باہر نکلیں تو چادر اوڑھ کر نکلیں اور مردوں کو حکم ہوا کہ وہ نبی کے گھروں میں جائیں تو پردہ کے پیچھے سے جو چیز مانگنی ہو مانگیں[۵۱] یہ حکم صاف الفاظ میں ازواج کے لئے ہے لونڈیوں

---

[۵۱] یا یھا النبی قل لازواجك و بنتك و نساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن (الاحزاب - ۵۹) اے نبی اپنی ازواج (بیویوں) اور بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی بڑی چادریں لے لیا کریں - واذا سالتموھن متاعا فسئلوھن من وراء حجاب (الاحزاب ۵۳) اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو ؛

کے لئے نہیں لیکن یہ ثابت ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ بھی پردہ کرتی تھیں۔ پس رسول اللہ صلعم کے طرزِ عمل نے بتا دیا کہ آپ نے ان کو بیویوں میں داخل کیا۔ پھر یہ بھی قرآن شریف میں حکم اُترا کہ مسلمان آپ کی ازواج سے آپ کے بعد نکاح نہ کریںؔ[1] تو جس طرح دوسری بیبیوں نے اس حکم کی پابندی کی اسی طرح ماریہ قبطیہ نے بھی کی۔ گویا انہوں نے خود بھی اپنے آپ کو ازواج میں قرار دیا اور صحابہ نے بھی۔ اور جب آنحضرت صلعم کے بعد امہات المؤمنین کو نفقہ دیا جاتا تھا تو جو اور بیبیوں کو دیا جاتا تھا۔ پس یہ تمام تاریخی واقعات صاف بتاتے ہیں کہ حضرت ماریہ قبطیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے تھیں لونڈی نہ تھیں +

میمونہؓ

اسی سال میمونہ بنت الحارث سے جو بیوہ ہو چکی تھیں آپ کا نکاح ہوا۔ حضرت میمونہ نے خود نبی کریم صلعم سے نکاح کی درخواست کی۔ ان کی ہمشیرہ حضرت عباس کے گھر میں تھیں آپ نے ان کی درخواست کو قبول کیا۔ یہ ایک غیر قریشی قبیلہ میں سے تھیں +

حضرت خدیجہ اور زینب بنت خزیمہ آنحضرت صلعم کی زندگی میں فوت ہوئیں اور آپ کی وفات کے وقت ماریہ قبطیہ کو شامل کر کے آپ کی دس بیویاں تھیں +

پیغمبروں میں تعدد ازدواج کے نمونے

بڑے بڑے مقدس انسانوں کی زندگی میں ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ فعل فی نفسہ بُرا نہیں کہلا سکتا۔ حضرت ابراہیم جن کی عزت جن کی پاکیزگی کا اعتراف نصف دنیا سے زیادہ کو ہے ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے تھے حضرت یعقوب۔ حضرت موسیٰ بھی۔ اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی طرف سینکڑوں منسوب ہیں۔ حضرت عیسیٰ کا انجیل سے تو نکاح بھی ثابت نہیں اس لئے ان کی مثال نمونہ کے لئے کچھ کام نہیں دے سکتی۔ اگر ان کے نمونہ پر ساری دنیا چلے تو دنیا کا خاتمہ چند سالوں میں ہو جائے۔ پس ایک سے زیادہ بیویوں کی وجہ سے آنحضرت صلعم پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک پہلو اس سوال کا ہے +

بہت لوگ ہیں جن کے دلوں میں یہ اعتراض اُٹھتا ہے کہ آپ نے اس قدر نکاح کیوں کئے۔ اور انکے دلوں میں یہ وسوسہ گزرتا ہے کہ اس کی وجہ شہوانی خیالات کے غلبہ کے سوائے اور کچھ نہیں ہو سکتی اور اس ایک وسوسہ سے ہی آپ کی زندگی کا روشن پہلو اور بیشمار خوبیاں ان کے نزدیک ملیامیٹ ہو جاتی ہیں۔ قبل اس کے کہ آپ کے متعدد نکاحوں کی وجوہات کو

---

[1] ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا (الاحزاب ۳۳: ۵۳) اور اس کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح نہ کرو +

کو بیان کیا جائے اس وسوسہ کا ازالہ ضروری ہے۔ نکاح کے معاملہ میں آپ کی زندگی کے تین حصے ہیں پہلا حصہ یعنی پچیس سال کی عمر حالت تجرد میں گذرتی ہے۔ دوسرا حصہ جب آپ نے نکاح کیا اور ایک ہی بیوی آپ کے گھر میں تھی ۲۵ سال تک ہے یعنی ۲۸ سال کا زمانہ۔ تیسرا حصہ جب آپ کے گھر میں زیادہ بیویاں تھیں جن کی تعداد آخرکار دس تک پہنچ گئی آخری دس سال کا زمانہ ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ شہوانی خیالات کے بے قابو ہونے کا وقت بلوغت کے بعد ابتدائے جوانی کا زمانہ ہے۔ گرم ملکوں میں عموماً پندرہ سال تک انسان حالت بلوغت کو پہنچ جاتا ہے اور پندرہ سے لے کر پچیس سال کی عمر ایسی ہے کہ جن لوگوں کے طبائع میں شہوانی خیالات کا غلبہ ہو اسی عمر میں ان کے اخلاق بگڑتے ہیں۔ اس زمانہ میں انسان پر حیوانیت کا غلبہ ہوتا ہے اور فرض کا احساس بہت ہی کم ہوتا ہے۔ اور ایک خیال کے غلبہ کے ماتحت وہ اپنی ساری عمر کو تباہ کر لیتا ہے۔ سو اول آپ کی زندگی کے اس حصہ پر جو دس سال کے عرصہ پر ممتد ہے غور کرنا چاہئے کہ اس وقت آپ کے قدم میں کوئی لغزش آتی ہے کیا کوئی شخص ہے جو آپ کے چال چلن پر اس زمانہ میں حرف رکھ سکے نہیں بلکہ اس کے برخلاف آپ کی زندگی کا یہ حصہ سارے ملک میں ایسی شہرت رکھتا ہے کہ آپ اپنی اعلیٰ درجہ کی پرہیزگاری کی وجہ سے الامین کے نام سے مشہور ہو جاتے ہیں جو شخص اس غلبہ حیوانیت کے زمانہ میں اپنی عفت کو قایم رکھ سکتا ہے وہ شہوانی خیالات سے مغلوب نہیں ہو سکتا بلکہ اپنے قوائے شہوانی پر غالب ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ دوسرا حصہ عمر کا جو پچیس سال سے لے کر پچاس سال تک کی عمر ہے اس میں آپ ایک بیوہ سے نکاح کر کے اعلٰے درجہ کی خوبصورت معاشرتی زندگی بسر کرتے ہیں حالانکہ یہ بی بی عمر میں آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں یعنی نکاح کے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور وفات کے وقت پینسٹھ سال مگر باایں آپ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ جب آپ کے گھر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ آچکی تھیں اور اور بھی نکاح ہو چکے تھے۔ اس وقت بھی آپ حضرت خدیجہ سے محبت کا اکثر اظہار فرماتے رہتے۔ پس یہ حصہ آپ کی عمر کا بھی یہی بتاتا ہے کہ شہوانی خیالات آپ کے نزدیک پھٹکنے تک نہیں۔ اور پچیس سال تک آپ کا تعلق اپنی بیوی سے اعلٰے درجہ کی پاک محبت پر مبنی تھا جو ممکن طور پر متصور ہو سکتی ہے اور پچاس سال کے بعد بڑھاپے کا زمانہ ہے جس میں قوائے حیوانی خود بخود دب جاتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ جو شخص پچیس سال تک

تجرد کی زندگی بسر کرکے اور پچاس سال تک ایک بیوی سے جو عمر میں اس سے پندرہ سال بڑی ہے گزارتا ہے اور دوسری عورت کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا ناممکن ہے کہ اس کی عادات میں اس کے بعد ایسا انقلاب عظیم واقع ہو کہ وہ شہوانی خیالات سے مغلوب ہو کر نکاح پر نکاح کرتا جائے۔ افسوس یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایسا اعتراض کیا ہے انہوں نے آپ کی زندگی کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ اس کا ایک ایک واقعہ اس وسوسہ کو جھٹلاتا ہے کہ آپ نے شہوانی خیالات کے غلبہ سے اس قدر نکاح کئے۔

دنیا کی سادہ زندگی اور دولت نفس کی کشش سے بالا ہونا

ایک اور امر جو بتاتا ہے کہ آپ کو شہوات اور جذبات پر پورا قابو حاصل تھا۔ اور آپ اس دنیا میں رہتے ہوئے اس دنیا سے بیگانہ تھے۔ آپ کی طرز زندگی ہے بچپن سے لے کر وفات تک آپ اس قدر حالات مختلفہ میں سے ہو کر گزرتے ہیں کہ ایک انسان کی زندگی میں اس قدر حالات مختلفہ کا جمع ہونا مشکل ہے۔ یتیم ہونے کی حالت اس انسان کی بیکسی کی انتہائی حالت ہے اور بادشاہ ہونے کی حالت اس کی انتہائی طاقت کی حالت ہے۔ آپ حالت یتیمی سے نکل کر بادشاہت پر پہنچتے ہیں۔ مگر آپ کی ضروریات خورونوش۔ لباس ورہائش جس قسم کی حالت یتیمی میں ہیں وہی بادشاہت کی حالت میں ہیں بلکہ بادشاہت کی حالت میں دنیا کی آسائشوں کو اور بھی کم کر دیا ہے۔ بادشاہت کو چھوڑ کر فقیر ہو جانا اس قدر دشوار نہیں جس قدر یہ کہ بادشاہ ہو کر انسان فقیر کی زندگی بسر کرے۔ مال و دولت اس کے قبضہ میں ہو اور پھر اسے اپنے مصرف میں نہ لائے اور نہایت درجہ کی فیاضی سے دوسروں پر صرف کرے۔ ہر وقت وہ اشیاء آنکھوں کے سامنے ہوں جو فطرت انسانی کو اپنا غلام بنا لیتی ہیں مگر کوئی چیز اس کے لئے کسی وقت بھی لالچ کا موجب نہ ہو سکے۔ اس زمانہ میں جب آپ مدینہ اور اس کے اردگرد کی بادشاہت حاصل کر چکے ہیں آپ کے گھر کا سامان ایک چارپائی جس پر کھجور کی موٹی چٹائی لگی ہوئی ہے اور ایک پانی کی ٹھلیا ہے۔ آپ بعض وقت فاقہ سے رات کاٹتے ہیں گھر میں کئی کئی دن تک کھانا پکانے کے لئے آگ نہیں جلتی۔ کھجوروں پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر آپ اپنی آسایش کیلئے مال کے خواہاں ہوتے تو نہ صرف بیت المال سے آپ جس قدر چاہتے لے سکتے بلکہ آپ کے جان نثار ہر ایک چیز حاضر کرنے کے لئے تیار تھے۔ مگر آپ کی نظر دنیا کی ان حقیر چیزوں سے بہت بلند تھی۔ دنیا کی کوئی خواہش کبھی آپ پر غالب نہیں آئی۔ نہ حالت عسر میں نہ یُسر میں۔ جس طرح دنیا کے

مال و دولت اور دنیوی لالچوں پر اس وقت لات ماری جب قریش صرف بت پرستی کے خلاف وعظ چھوڑ دینے پر مال حکومت عزت خوبصورتی پیش کرتے تھے اسی طرح اس وقت بھی لات ماری جب اللہ تعالیٰ نے یہ سب سامان اپنے فضل سے آپ کو خود عطا کر دیئے۔ پس آپ کی یہ طرز زندگی اور مال و دولت کے ہوتے ہوئے اس کی طرف آپ کی آنکھ کا نہ اُٹھنا دوسری شہادت اس بات پر ہے کہ آپ کو ان لوگوں سے کوئی نسبت نہیں جن کو دنیا کا مال یا دنیا کا حُسن اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔

تیسری بات جو اس معاملہ میں فیصلہ کن ہے اس کی طرف قرآن کریم کی آیت مندرجہ صدر میں توجہ دلائی گئی ہے۔ مدینہ میں آنے کے کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کی حالت وہ پہلی سی نہ رہی۔ کچھ تو کاروبار تجارت میں لگ جانے سے اموال میں ترقی ہوئی۔ پھر بدر کی جنگ میں قیدیوں کا فدیہ اور مال غنیمت ہاتھ آیا پھر یہودی جب جلاوطن ہوئے تو ان کی جائدادیں بھی اُن کے قبضہ میں آئیں۔ ان اسباب سے کچھ مال و دولت میں۔ کچھ آسایش کے سامانوں میں ترقی شروع ہوئی۔ مگر نبی کریم صلعم کی اپنی زندگی اور آپ کے اہل بیت کی زندگی میں کوئی تغیر نہ آیا۔ آپ کی بیویوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اب جب آسایش کے سامان سب مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ میسر ہیں تو ہم بحصہ رسدی ان سے فائدہ کیوں نہ اُٹھائیں۔ مشورہ کرکے درخواست آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کی۔ مگر حکم الٰہی یوں آیا۔ اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کے سامانوں کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو سامان دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں نبی کریم صلعم کو اپنی بیویوں سے کس قدر محبت تھی۔ یہ خود اس فقرہ سے ظاہر ہے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ تم میں سے سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی سے اچھا ہے۔ مگر جب وہ بیویاں ایک جائز مطالبہ کرتی ہیں۔ کہ دوسروں کی طرح ہمیں بھی مال و دولت سے زیادہ حصہ ملے تو جواب یہ ملتا ہے کہ بہتر ہے تم مال لے کر رخصت ہو جاؤ۔ کیا یہ لفظ اس شخص کے منہ سے نکل سکتے ہیں۔ یہ خیال اس قلب کے اندر آسکتا ہے جو شہوات نفسانی کا غلام ہو؟ ایک نفس پرست بلکہ ایک معمولی دنیادار بھی اپنی عورت کو زیادہ آرائش کی حالت میں دیکھنا پسند کرتا ہے۔ مگر یہاں حکم ہوتا ہے کہ اگر زیب و زینت چاہتی ہو تو محمد رسول اللہ صلعم کے گھر سے چلی جاؤ اور وہ سب بیبیوں کو ایک ہی وقت رخصت کرنے کے لئے تیار ہے۔ معلوم ہوا جذبہ شہوت اس کے دل کے کسی کونہ میں

نہیں کوئی نفسانی خیال اس کے پاس تک نہیں پھٹک سکتا۔ اس کی غرض ان بیبیوں کو اپنی زوجیت میں لانے سے کچھ اور ہے "

وہ غرض کیا ہے؟ اس کا جواب خود قرآن شریف دیتا ہے۔ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۔ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب ۲۹-۳۴) اور اگر تمہاری غرض اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بڑا اجر رکھا ہے۔ اور یاد کرو وہ جو اللہ کی آیات اور حکمت کی باتوں سے تمہارے گھروں میں پڑھا جاتا ہے۔ گویا پہلی آیات اور ان آیات میں بتایا یہ ہے کہ تمہاری غرض نبی کریم صلعم کی زوجیت میں آنے سے یہ نہیں کہ زندگی کے چند دن آرام سے بسر کر لو اور معمولی آسایش کے سامان تم کو میسر آجائیں اگر محمد رسول اللہ صلعم کی غرض تم کو زوجیت میں لانے سے محض دنیا کی زندگی تک ہی محدود ہوتی تو پھر تمہارے اس کے گھر میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تم کو رخصت کر دینے کا حکم دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کے تمہیں اپنی زوجیت میں لانے کی غرض کچھ اور ہے۔ یعنی اللہ اور رسول کی باتیں پھیلانا اور اپنے ہمجنسوں کو آخرت کے گھر کی طرف متوجہ کرنا۔ تو پھر تم دنیا کی آسایشوں پر لات مار کر اصل غرض کی طرف متوجہ رہو۔ تمہارا اجر بھی بڑا ہے۔ اس لئے تم ہمہ تن قرآن کو یاد رکھنے میں اور ان حکمت کی باتوں کو محفوظ رکھنے میں مصروف ہو جاؤ جن کا تمہارے گھروں میں چرچا ہے یعنی جو تم خود پیغمبر سے سنتی ہو۔ کیا پاک غرض ہے؟ بیوی کا خاوند سے اور خاوند کا بیوی سے سکون حاصل کرنا ایک معمولی غرض زوجیت ہے مگر نبی کریم صلعم کی غرض صرف اس قدر نہیں وہ اس سے بھی بہت بلند ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ باتیں جن کو پہنچانے کی عورتیں ہی اہل ہیں یا وہ اخلاق انسانی جو عورتوں کے سامنے ہی ظاہر ہو سکتے ہیں ان کو دنیا میں پہنچانے کا سامان ہو۔ شریعت کی جو باتیں آپ نے سکھائی ہیں ان میں سے بہتیری ایسی ہیں کہ آپ خود بھی کھول کر عورتوں سے بیان نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ احادیث میں کئی ایک واقعات پائے جاتے ہیں کہ جہاں کسی عورت نے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے اپنی کسی بیوی کو حکم دیا کہ تم سمجھا دو۔ پھر نبی کریم صلعم کے وہ اخلاق جن کا تعلق خانہ داری سے ہے صرف ازواج مطہرات کی بدولت ہی ہم تک پہنچے ورنہ ہم ایک بڑے حصہ سے محروم رہ جاتے حضرت عائشہ صدیقہ کے منہ سے ایک بڑا حصہ دین کا ہم کو ملا ہے اور اسی طرح

تعدد ازواج کی غرض

علیٰ حسب مراتب دیگر ازواج مطہرات سے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ایک ہی بیوی اس کام کو سرانجام دے سکتی تھی تو یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ جب تک مختلف طبائع کے افراد نہ ہوں مختلف امور سب محفوظ نہیں رہ سکتے۔ پھر ایک ایسے شخص کی تعلیم جو تمام دنیا کیلئے ہادی ہو کر آیا۔ ایک اکیلی عورت کا اس کو محفوظ رکھنا مشکل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے انبیاء نے عموماً ایک سے زیادہ بیویاں اپنی زوجیت میں رکھی ہیں۔ یہ لوگ نفسانی شہوات کے لئے یہ کام نہیں کرتے بلکہ خدا کی باتیں مخلوق تک پہنچانے کے لئے ان کو یہ ضرورت پیش آتی ہے پھر خاتم النبیین کے لئے یہ ضرورت سب سے بڑھ کر تھی جس کے اقوال وافعال ہمیشہ کے لئے دنیا میں باقی رہنے ضروری تھے تاکہ دنیا کے لئے موجب ہدایت ہیں۔ اسلام ایک تاریخی مذہب اور محمد رسول اللہ صلعم ایک تاریخی انسان ہیں۔ اگر ان کی خانگی زندگی کو محفوظ رکھنے والی ان کی بیبیاں نہ ہوتیں تو نسل انسانی ہدایت کے اس حصہ سے ہمیشہ کے لئے محروم رہ جاتی جس پر انسانوں کی خوشی کا بڑا دارومدار ہے۔ کیونکہ جس انسان کو اپنے گھر میں راحت میسر نہیں اس کو دنیا میں کبھی بھی راحت میسر نہیں آسکتی پس ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلعم کی زندگی میں ان سامانوں کے محفوظ رہنے کا سامان پیدا کر دیتا اور وہ سوائے اس صورت کے کہ آپ کے گھر میں بہت سی بیویاں ہوں پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

متعدد نکاحوں کی ضرورت

اگر غور کیا جائے تو آپ کی زندگی میں تعدد ازواج کے نمونہ کا پایا جانا ضروری تھا۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور ہر قسم کی ضروریات پیش آمدہ کا علاج کرتا ہے۔ ایک ایسے شخص کے لئے جو پچیس سال کی عمر تک تجرد میں بسر کرتا اور اپنی عفت کا ثبوت دیتا ہے اور ترپن سال کی عمر تک ایک بیوی کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی وفاداری کے ساتھ زندگی گزار دیتا ہے جو عمر میں بھی اس سے بہت بڑی ہے۔ کوئی ذاتی ضرورت زیادہ نکاحوں کی وہم میں بھی نہیں آسکتی۔ لیکن دینی ضرورت یقیناً موجود ہے آپ نے تجرد کا نمونہ بھی دکھا دیا اور اپنے پیرووں کو بتا دیا کہ کس طرح وہ اپنی عمر کا پہلا حصہ تجرد میں بسر کریں اور عفت سے زندگی گزاریں۔ آپ نے اپنی عمر کا بڑا اور اصلی حصہ جو پچیس سے قریباً پچپن سال تک ہے ایک ہی بیوی کے ساتھ گزار کر یہ نمونہ بھی دے دیا کہ عام حالات انسانی میں ایک ہی نکاح پر اکتفا کرنا چاہیئے اور بتا دیا کہ محض شہوانی خیالات سے نکاح پر نکاح کرتے جانا آپ کی سنت نہیں نہ تعدد ازواج کی یہ غرض ہے کہ ایک بیوی کے گھر میں ہوتے ہوئے دوسری

کا خیال بھی دل میں لائے ہاں آپ کی تعلیم عالمگیر تھی اور اس عالمگیر تعلیم میں ان ضروریات کو پورا کرنے کا سامان بھی موجود ہونا چاہیئے تھا جو بعض وقت پیش آجاتی ہیں۔ بلاشبہ اصل قانون نکاح کا اسلام کے نزدیک یہ ہے کہ ایک مرد ایک ہی عورت سے نکاح کرے اور اس کے ساتھ وفاداری اور محبت کے ساتھ پیش آئے۔ لیکن کبھی کبھی جو افراد کو خاص ضرورتیں پیش آجاتی ہیں مثلاً جب بیوی بانجھ ہو یا جب قومی ضرورتیں پیش آجاتی ہیں جب لڑائیوں وغیرہ کی وجہ سے مردوں کی تعداد میں کمی واقع ہو جائے اور عورتوں اور یتیم بچوں کی خبر گیری کرنے والے قوم میں کم ہو جائیں یا اور وجوہات سے عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے جیسے آجکل بیشتر یوروپین ممالک میں ہے تو ایسے اوقات میں قوم کو خطرناک بیماریوں سے بچانے کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ استثنا کے طور پر ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کی اجازت دی جائے۔ نرے جذبات سے کام لینے والا انسان یا ایک طرف جھک جاتا ہے یا دوسری طرف لیکن حکیم انسان اعتدال کو کسی صورت میں نہیں چھوڑتا۔ آج عیسائی ممالک میں تعدد ازواج کو علاج کے طور پر قبول نہ کرنے والے لوگ قوم کے اندر خطرناک بیماریاں پھیل جانے کو قبول کرتے ہیں۔ زناکاری کے پھیلنے پر ان کے دلوں میں کوئی تنفر کی حد پیدا نہیں ہوتی مگر جائز طور پر ایک ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک مرد کے ہاں دو بیویوں کا ہونا ان کے نزدیک سب سے بڑا جرم ہے۔ عورتیں قدرتی خواہش کی اقتضا سے یا معاش کی تنگی سے اپنی عفت کو بیچیں۔ لاکھوں کی تعداد میں زناکاری کا پیشہ اختیار کریں لاکھوں کی تعداد میں حرامکاری کے ذریعہ سے بچے پیدا ہوں جن کی خبر گیری کرنے والا کوئی ماں باپ نہ ہو اس پر یورپ کے فلاسفروں کا دل نہیں کڑھتا لیکن اسلام نے جو ان بیماریوں کا علاج بتایا اس پر غیظ و غضب میں آتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کسی بیمار قوم یا بیمار انسان کی بدقسمتی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ بیمار رہنا قبول کرے لیکن دوائی کے استعمال سے نفرت کرے۔ قرآن ایک پر حکمت کتاب ہے اور اس نے ہر چیز کو اپنے مرتبہ پر رکھا ہے۔ اس نے زناکاری کی بیماری کے علاج کے لئے تعدد ازواج اور طلاق کے دو نسخے دیئے ہیں۔ ان دونوں نسخوں سے عیسائی یورپ متنفر رہا لیکن آہستہ آہستہ ایک نسخہ اب اختیار کرتا جا رہا ہے اور وہ وقت دور نہیں کہ دوسرے نسخے کو بھی اختیار کرے گا اور آخر عقلمند لوگ یہ سوال کریں گے کہ آیا قوم کے اندر خطرناک طور پر زناکاری کی کثرت، قابل برداشت چیز ہے یا استثنا

کے طور پر دوسری بیوی سے نکاح کر لینا۔ اب ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی ہر تعلیم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر کے دکھایا۔ اس لئے تعلیم قرآن کے اس حصہ کا جو تعدد ازواج سے تعلق رکھتا ہے آپ کو اپنے عمل میں لا کر دکھانا ضروری تھا۔ آپ کا پچیس سال تک تجرد کی حالت میں عفت سے بسر کرنا پچپن سال تک ایک بیوی کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی وفاداری سے زندگی گزار دینا بتاتا ہے کہ آپ کو اپنی ذات کے لئے ۔شہوت کی قدرتی خواہش کو پورا کرنے کے لئے ۔تعدد ازواج کی ضرورت نہ تھی بلکہ اپنی قوم کی رہنمائی کے لئے آپ کو وہ بات اختیار کرنی پڑی جس سے آپ ساری عمر مجتنب رہے۔

یہ صرف ایک ہی بات نہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذاتی خواہش کے خلاف ایک امر اپنی قوم کے لئے اختیار کرنا پڑا ہو جس طرح پچیس سال تک آپ کا تجرد میں تعفف اور پچپن سال تک ایک بیوی سے جو آپ کی جوانی کے وقت بڑھاپے کو پہنچی ہوئی تھی وفاداری سے زندگی بسر کرنا اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ آپ کی طبیعت کا میلان شہوانی خیالات کی طرف کبھی نہیں ہوا اور بڑھاپے میں آپ کو اپنی طبیعت کے میلان کے خلاف قومی اور دینی ضرورتوں کے لئے تعدد ازواج اختیار کرنا پڑا۔ اگر آپ کی طبیعت میں ذرہ بھر بھی میلان شہوانی خیالات کی طرف ہوتا تو ایک ایسے ملک میں جہاں زنا عیب شمار نہ ہوتا تھا بلکہ اس پر فخر کیا جاتا تھا آپ پچیس سال کی عمر حالت تجرد میں تعفف کے ساتھ بسر نہ کرتے اور جہاں ایک مرد کے ہاں کئی کئی بیویوں کا ہونا ملک کی عامہ حالت تھی وہاں پچپن سال تک آپ ایک بیوی پر اکتفا نہ کرتے۔جن لوگوں نے واقعات تاریخی پر غور نہیں کیا انہیں تعدد ازواج کا لفظ سنتے ہی دھوکہ لگتا ہے۔جس طرح آپ کی لڑائیوں سے انہیں دھوکہ لگتا ہے۔ آپ کی زندگی کے تمام واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ لڑائی سے متنفر تھے۔ ایک ایسے ملک میں اور ایسے شہر میں جہاں لڑائی انسان کا سب سے بڑا کام تھا اور روزمرہ کا شغل تھا۔ آپ چالیس سال کی عمر قبل از نبوت بسر کرتے ہیں مگر آپ کی طبیعت میں جنگ میں حصہ لینے کا میلان قطعاً نہیں پایا جاتا۔جاہل عیب شمار خوبیوں کو بھی عیب بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں آپ بزدل تھے اسلئے آپ لڑائیوں میں حصہ نہ لیتے تھے۔کہتے ہیں دشمن کے مقابلہ میں کھڑے نہ ہو سکتے تھے لیکن جب لڑائی کیلئے قومی اور دینی ضرورت پیش آئی تو آپ نے اپنی شجاعت کا وہ ثبوت دیا جسکے سامنے عرب جیسے جنگجو ملک کے عظیم الشان شجاع شرمندہ تھے ساری فوج بھاگ اٹھتی

آپ کی زندگی میں دو عجیب نمونوں کا اجتماع

ہے آپ تنہا فاتح دشمن کے مقابلہ پر کھڑے ہی نہیں بلکہ اس کی طرف بڑھتے جاتے ہیں۔ مدینہ میں ڈاکے کا خطرہ ہوتا ہے تو آپ اندھیرے منہ اکیلے گھوڑے پر چڑھ کر خبر لانے کے لئے نکل جاتے ہیں۔ آپ کی پہلی زندگی نے بتا دیا کہ آپ کی طبیعت کا میلان جنگ کی طرف نہیں آپ حتی الوسع اس سے بچنا چاہتے ہیں آپ کی پچھلی زندگی نے بتا دیا کہ آپ بزدل نہیں شجاعت کا جوہر آپ میں اتنا بڑا ہے کہ ایک جنگجو قوم کے بہادر سے بہادر آدمی میں بھی وہ شجاعت نہیں۔ دشمن کے مقابلہ سے آپ ڈرتے نہیں بلکہ تنہا ہزار ہا دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت آپ کے اندر ہے اسی طرح آپ نے تجرد میں تعفف اختیار کر کے اور پچپن سال کی عمر تک ایک سن رسیدہ بیوی سے وفاداری کی زندگی بسر کر کے یہ دکھا دیا کہ آپ کی طبیعت کا میلان شہوانی خیالات کی طرف نہیں۔ اور جب قومی اور دینی ضرورت پیش آئی تو دس بیویوں سے نکاح کر کے یہ بتا دیا کہ آپ میں وہ قوت اعلیٰ درجہ کی موجود ہے آپ نامرد یا کم طاقت نہیں اور فی الحقیقت عفت بھی وہی قابل قدر ہے جو باوجود زبردست قوائے شہوانی کے اختیار کی جائے اور دشمن پر تلوار نہ اٹھانا بھی وہی قابل قدر ہے جب شجاعت اس قدر اندر موجود ہو کہ ہزارہا دشمنوں کا اکیلا مقابلہ کر سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی اور پچھلی زندگی انہی صداقتوں کا بین ثبوت ہے۔ آپ شجاع ہیں لیکن باوجود اس کے دشمن پر تلوار نہیں چلاتے لڑائی میں حصہ نہیں لیتے۔ آپ جوانمرد صاحب قوت ہیں لیکن باوجود اس کے تجرد میں عفت کو قائم رکھ سکتے ہیں اور آپ کے قوائے شہوانی آپ کے غلام ہیں۔ نہ تو آپ اس معنے سے نامرد ہیں کہ آپ کے قوائے شہوانی ہی حد درجہ کے کمزور ہوں اور نہ آپ اس معنے سے نامرد ہیں کہ آپ قوائے شہوانی کے غلام ہوں۔

تعدد ازدواج کی فوقانی وجوہات۔ مردوں کی قلت

اگر متعدد نکاحوں میں آپ کی وہ پاک غرض تھی اور وہ دینی اور قومی ضرورت تھی جو اوپر بیان ہوئی اور جس کے بغیر اسلام کا عالمگیر مذہب ہونے کا دعویٰ صحیح نہ رہتا تھا تو وجوہات اور بھی تھے۔ منجملہ ان کے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ ان میں سے اگر کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو اس کو کفار کے سپرد تو کیا نہیں جا سکتا تھا۔ اب لڑائیوں کے ساتھ ہی ایک بڑا انقلاب اس اسلامی سوسائٹی میں یہ آیا کہ مرد لڑائیوں میں مارے جاتے تو عورتیں بیوہ رہ جاتیں ان کی خبر گیری کا کیا انتظام ہو سکتا تھا۔ پھر آخر جو خواہشات فطرت نے انسان کے اندر ودیعت کی ہیں۔ ان کا پورا ہونا بھی ضروری ہے بعض ناعاقبت

اندیش مدبر ایسے حالات میں جب عورتوں کی تعداد لڑائیوں سے یا کسی اور وجہ سے مردوں سے بڑھ جائے تو صرف ان کی خوراک اور لباس کا انتظام کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم میں خطرناک بیماری پیدا ہو جاتی ہے اور بعض وقت قومیں اس سے تباہ ہو گئی ہیں۔ لیکن ایک مصلح جو اخلاق کی فکر خورونوش سے بھی زیادہ کرتا ہے۔ یہ کبھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ غریب عورتوں کے کھانے پینے کا انتظام کر کے ان کو مردوں کے جذبات کا ناجائز شکار بنا دے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قریبًا ساری شادیاں مدنی زمانہ میں بیوہ عورتوں کے ساتھ ہیں۔ ورنہ اگر آپ کے قلب مقدس کے کسی کونہ میں شہوات نفسانی کا خیال ہوتا تو کیا آپ کو کنواری عورتیں نہ مل سکتی تھیں۔ کون مسلمان باپ ہوتا جو نبی کریم صلعم کا خسر ہونے پر فخر نہ کرتا۔ آپ کو کنوارے رشتوں کی کوئی کمی نہ تھی مگر آپ کی غرض چونکہ اپنے دوستوں کی بیواؤں کی حفاظت تھی اس لئے آپ نے پانچ ایسی بیبیوں کو اپنے عقد زوجیت میں لیا جن کے خاوند لڑائیوں میں یا دوسری طرح فوت ہو چکے تھے۔ پس نہ صرف ایک عظیم الشان دینی غرض ہی ان نکاحوں میں تھی بلکہ اس کے لئے اور بھی قوی دینی وجوہات تھے۔ اور آنحضرت صلعم کو بلکہ کل مسلمانوں کو سوائے تعدد ازدواج اختیار کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اور طریقوں سے وہ عورتوں کی خورونوش کا انتظام کر سکتے تھے مگر عورت کے نہایت قیمتی خزانہ عفت و عصمت کی حفاظت سوائے تعدد ازدواج کے طریق کو اختیار کرنے کے اور کوئی نہ تھی ؛

مصلحت ملکی کا تقاضا

پھر ایک اور وجہ یہ تھی کہ بعض وقت مصلحت ملکی کا تقاضا بھی یہی ہوتا تھا۔ حضرت جویریہ سے شادی اور قبیلہ بنی مصطلق کا اس کے ساتھ ہی مسلمانوں سے ایسا تعلق ہو جانا کہ وہ ان کے کسی ممبر کو بطور غلام کے نہیں رکھ سکتے۔ پھر خطرناک دشمنوں کا دوست بن جانا یہ ایک چھوٹا سا کرشمہ اس نکاح کا تھا۔ پس کیا یہ غرض دینی نہ تھی ؛ ایسا ہی یہودی عرب کے اندر مسلمانوں کے خطرناک دشمن تھے۔ اور آپ نے ان کا آخری علاج یہی سوچا کہ ان کی ایک معزز خاتون کو اپنی زوجیت میں لے کر ان کے ساتھ قرابت کا تعلق پیدا کر لیا گو اس بدقسمت قوم نے اس کے بعد بھی اپنی شرارتوں کو نہ چھوڑا مگر آپ نے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ کی میمونہ بھی ایک غیر قبیلہ کی بی بی تھیں گو ان کے نکاح میں آنے کے حالات کسی قدر مختلف ہیں مگر

وہ بھی بیوہ تھیں۔ اور ان کی اپنی خواہش آنحضرت صلعم کی زوجیت میں آنے کی تھی اور ان کی ہمشیرہ چونکہ حضرت عباسؓ کے گھر میں تھیں اس لئے اس قرابت کے تعلق کی وجہ سے آپ انکار نہ کر سکے۔

طلاق کے نام سے بدنامی کو دور کرنا

اگر آپ نے اس قدر بیوہ عورتوں سے شادی کی اور ان کو اپنی حفاظت میں لیا۔ تو آپ نے یہ بھی چاہا کہ مطلقہ عورت کے نام سے جو ذلت لگی ہوئی ہے اس کو بھی دُنیا سے دور کر دیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ طلاق ناپسندیدگی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور اسلئے مطلقہ عورت کسی قدر بدنام ہو جاتی ہے۔ پھر جہاں انسان کا اپنا کوئی عزیز یا دوست ہی اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو وہاں اور بھی زیادہ مشکلات ہوتی ہیں۔ اب حضرت زید کا جو تعلق محمد رسول اللہ صلعم سے تھا وہ ظاہر ہے لوگ اس کو آپ کا بیٹا کہتے تھے۔ کیونکہ آپ اس سے حد درجہ کی محبت کرتے تھے آپ نے خود ہی اپنی ایک عزیز اعلیٰ خاندان کی خاتون زینب سے اس کی شادی کر دی تھی۔ لیکن میاں بی بی میں نہ بنی۔ زید نے طلاق دینے کا ارادہ کیا۔ آنحضرت صلعم نے اسے روکا جیسا کہ قرآن شریف میں صراحت سے مذکور ہے[1] پس آپ کا ان کو نکاح میں لینا یہ ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ اگر عورت کا ایک خاوند کے ساتھ اتفاق نہ ہو تو اس کی وجہ سے اس کے نام پر کوئی ذلت کا داغ نہیں آنا چاہیئے۔ آپ نے اس کی یہ عزت افزائی کی کہ ایسی مطلقہ کو فوراً اپنے نکاح میں لے لیا۔ وہ بہت ہی ناواقف ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت زینب آپ کو اس قدر پسند آئیں کہ اس وجہ سے زید کو طلاق دینی پڑی۔ ایسی صورت میں زید مسلمان نہ رہ سکتا تھا چہ جائیکہ ایسا جان نثار رہتا کہ آپ اپنی افواج کی کمانڈ اس کے ہاتھ میں دیتے۔ پھر زینب آپ کی پھوپی کی بیٹی تھیں۔ اور بچپن سے آپ اس کو جانتے اس کے حالات سے واقف تھے۔ خود آپ نے ہی اس کا نکاح زید سے کیا تھا۔ حالانکہ ان کا بھائی اس وقت بھی چاہتا تھا کہ نبی کریم صلعم خود اپنی زوجیت میں اسے لے لیں۔ وہ کونسی بات تھی کہ ایک خاتون کو آپ اس کے کنوارپن کی حالت میں نہیں بیاہتے۔ حالانکہ وہ خود اور اس کا بھائی خواہشمند ہیں اور پھر جب وہی عورت مطلقہ ہو جاتی ہے تو اس سے نکاح کر لیتے ہیں۔ بلکہ یہ نکاح ان حالات میں کس قدر صفائی سے فیصلہ کرتا ہے کہ خواہشات نفسانی کو ایک ذرہ بھی دخل آپ

---

[1] امسك عليك زوجك واتق الله (الاحزاب - ۳۷) اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو (یعنی طلاق نہ دو) اور اللہ کا تقوی کرو۔

کے خیالات بین نہ تھا۔ اگر نفسانی خواہش ہوتی تو جب زینب کنواری تھیں تب ان سے نکاح کرتے نہ یہ کہ جب مطلقہ ہوکر بدنام ہوگئیں پہلی صورت میں انکار کرنا اور دوسری صورت میں ان سے نکاح کرلینا صاف بتاتا ہے کہ آپ کا مطلب صرف یہ تھا کہ مطلقہ عورت کے نام سے لوگ نفرت نہ کیا کریں۔ کیونکہ طلاق حالات انسانی میں پیش آہی جاتی ہے۔ بیواؤں اور مطلقہ عورت سے خود نکاح کرکے آپ نے دنیا میں ایک عظیم الشان اصلاح کی بنیاد رکھی *

غیر قوموں کی عورتوں کو برابر عزت دینا

شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ماریہ قبطیہ کو حرم نبوی میں کیوں داخل کیا گیا۔ اس کے لئے تو کوئی ایسی وجہ نہ تھی۔ یہ سچ ہے مگر اس کے لئے ایک اور وجہ تھی۔ اور وہ یہ کہ ماریہ قبطیہ ایک غیر قوم میں سے تھیں اور عرب کے رہنے والی نہ تھیں۔ آنحضرت صلعم کی ازواج میں قریشی عورتیں بھی تھیں۔ اور عرب کی ہی غیر قریشی عورتیں بھی۔ صفیہ بنی اسرائیل میں سے تھیں مگر پھر بھی عرب کی تھیں لیکن آپ نے یہ بھی دکھا دیا کہ آپ دوسری قوموں کی اسی طرح عزت کرتے ہیں جس طرح اپنی قوم عرب کی۔ اس لئے جب ایک غیر قوم کی عورت آئی تو آپ نے اس کی بھی قریشیوں کے برابر عزت افزائی کرکے ان کو اپنی زوجیت میں لیا۔ اور یوں اپنے پیروؤں کیلئے ایک نمونہ قائم کیا کہ وہ غیر قوموں کی عزت اپنی ہی قوم کی طرح کریں اور ان کو مسلمان عورتوں کے برابر حقوق دینے میں کوئی مضائقہ نہ کریں بلکہ غیر قوموں کی اجنبی عورتوں کو اپنی ازواج میں داخل کرکے اپنی بے لوث اور پاک زندگی کا ثبوت دیدیا کیونکہ عورت سے مرد کے حالات مخفی نہیں رہ سکتے اور عیسائی قوم کی ایک بی بی کو یہ مقام دیکر آپ نے گویا اپنی زندگی کو اس قوم کے سامنے کھولکر رکھ دیا *

پس ان تمام نکاحوں میں آپ کی غرض ایک نہایت ہی بلند دینی غرض تھی علاوہ ازیں اور وجوہات بھی ایسے پیدا ہوگئے کہ ان حالات میں ایک سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں نہ لینا جنس عورت کو ایک ذلت کی حالت میں چھوڑ دینا تھا جس کو دنیادار جو اغراض نفسانی اور خواہشات شہوانی کے پیرو ہوتے ہیں اختیار کریں تو کریں مگر وہ شخص جو اخلاق انسانی کی اصلاح کیلئے آیا تھا۔ اس کا ایسا کرنا ناممکن تھا۔ اس کے سارے کام حکمت پر نسل انسانی کی بہتری پر مبنی تھے۔ اس نے دنیا کی ملامت کو برداشت کیا۔ مگر اصلاح کے کام کو نہ چھوڑا اس نے اپنی ساری جوانی اور بڑھاپے کا بھی بڑا حصہ ایک بی بی کے ساتھ گزار کر دکھا دیا کہ معمولی حالات انسانی میں ایک ہی بی بی کا تعلق ایک خاوند سے ہونا چاہیئے۔ پھر جب قومی اور دینی ضروریات پیش آئیں تو تعدد ازواج پر عمل کرکے یہ بھی دکھا دیا کہ نسل انسانی کی بہتری کیلئے عورت کی عزت قائم رکھنے کیلئے۔ اس کی عفت اور عصمت کو بچانے کیلئے۔ لوگوں کی ملامت کی پروا نہیں کرنی چاہیئے *

۳۱۔ آنحضرت صلعم کے عادات و اخلاق

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ

یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں نیک نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہے اور

ذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (الاحزاب ۲۱)

اللہ کو بہت یاد کرتا ہے

اخلاق قرآن کی عملی تصویر

آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات کی تصویر آپ کی بہترین راز دار آپ کی بیوی حضرت عایشہ صدیقہؓ نے ان الفاظ میں کھینچی ہے کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ آپ کا خلق قرآن تھا یعنی قرآن کریم کی تعلیم عملی رنگ میں آپ کی روزمرہ زندگی میں نظر آتی تھی اور آپ قرآن شریف کی تعلیم مجسّم تھے۔ پس جس طرح قرآن شریف زندگی کے سارے شعبوں میں اور قوائے انسانی کی ساری شاخوں کی پرورش کے لئے اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم دیتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلعم کی زندگی ہر قسم کے اخلاق کا مکمل مجموعہ ہے۔ اور ایک مسلمان کے لئے اگر علمی رنگ میں تعلیم قرآن شریف میں موجود ہے تو عملی رنگ میں آنحضرت صلعم کی زندگی میں موجود ہے۔

سادگی اور اخلاص۔ ہر قسم کا کام خود کرلیتے

آپ کی عادات اور اخلاق کی روح سادگی اور اخلاص تھے گویا نیکی سے محبت اور اخلاق فاضلہ آپ کی فطرت میں ودیعت کئے گئے تھے۔ یہ باتیں آپ کی جبلت میں داخل تھیں کچھ اکتساب سے حاصل نہ ہوئی تھیں آپ ہر قسم کا کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے اگر کسی سائل کو کچھ دینا ہوتا تو اپنے ہاتھ سے اس کے ہاتھ میں دیتے۔ خانگی امور میں اپنی بیویوں کو مدد دیتے تھے۔ خود اپنی بکریوں کا دودھ دوہ لیتے اپنے کپڑوں کی مرمت کر لیتے اپنی جوتی گانٹھ لیتے خود گھر میں جھاڑو دے لیتے۔ اپنے اونٹ کو باندھ لیتے اور اس کے آگے گھاس ڈال دیتے تھے۔ دنیا کے کسی کام کو آپ نے ذلیل نہیں سمجھا۔ جب مسجد بنائی گئی تو آپ خود مزدوروں کے ساتھ ٹوکری اٹھاتے تھے۔ دشمن سے حفاظت کے لئے خندق کھودنی پڑی تو آپ اپنے سپاہیوں کے اندر ایک معمولی مزدور کی حیثیت میں کام کرتے نظر آتے تھے۔ آپ بازار سے اپنا سودا خود خرید لاتے بلکہ دوسروں کا بھی خرید کر دیتے تھے۔ غرض کسی قسم کے کام کو باوجود اس کے کہ آپ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی

اپنے لئے ذلیل نہیں سمجھا۔ اور یوں بتادیا کہ انسان کی شرافت یا ذلت کا معیار کوئی پیشہ نہیں بلکہ اس کا برتاؤ۔ اور اس کی راست روی ہے۔ ایک موچی ایک درزی ایک مزدور جو ٹوکری اٹھاتا ہے۔ اسی طرح اسلامی سوسائٹی کا ایک فرد ہے جس طرح ایک تاجر یا ایک ملازم یا ایک عہدہ دار۔

بے تکلفی

تکلف آپ کے کسی کام میں نہ تھا۔ آپ جانور پر سوار ہوتے تو دوسرے کو پیچھے بٹھا لیتے قیس بن سعدؓ کہتے ہیں ایک دفعہ آپ سعدؓ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ چلتے وقت سعدؓ نے اپنا گدھا آنحضرت صلعم کو سواری کے لئے دیا اور قیس سے کہا کہ تم ساتھ جاؤ آپ نے قیس سے فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ بلکہ آگے تم ہو کیونکہ جانور کا مالک اس کا زیادہ حقدار ہے اور چونکہ آپ نے شرط لگا دی کہ ساتھ چلو تو ساتھ سوار ہو کر چلو ورنہ پھر جاؤ اس لئے میں ساتھ نہ گیا۔ جب مجلس میں آتے تو پسند نہ کرتے کہ صحابہ آپ کے لئے کھڑے ہوں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میرے لئے کھڑے نہ ہوا کرو جس طرح عجمی لوگ کرتے ہیں۔ اور فرمایا میں بندہ ہوں جس طرح بندے کھاتے ہیں میں کھاتا ہوں اور جس طرح وہ بیٹھتے ہیں میں بیٹھتا ہوں ایک شخص ایک دفعہ آپ کا ہاتھ چومنے کے لئے آگے بڑھا تو آپ نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور فرمایا یہ عجمی لوگ اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں۔ غلام بھی اگر آپ کو دعوت دیتا تو آپ چلے جاتے۔ کھانے پر بیٹھتے تو بالکل بے تکلفی سے۔ ہر قسم کے لوگوں حتیٰ کہ غلام تک کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو بعض اوقات بہت بہت دیر خاموشی میں گزر جاتی کوئی بات آ جاتی تو کر لیتے۔ ہر وقت گفتگو کرتے رہنا جیسا کہ تکلف سے لوگ مجلس کو مشغول رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کی عادت میں نہ تھا۔ جب چلتے تو لوگ آپ کے آگے اور پیچھے چلتے۔ جب بیٹھتے تو بھی دوسروں کے اندر ایسے ملے ہوئے ہوتے کہ کوئی نو وارد آپ کو پہچان نہ سکتا تھا اور پوچھنے کی ضرورت پیش آتی کہ نبی صلعم کون ہیں۔ آپ کا زانو اپنے اصحاب سے آگے نہ بڑھتا۔ جب کوئی دوسرا بات کرتا تو آپ اس کی بات کو کاٹتے نہ تھے۔ جب لوگ کسی بات پر ہنستے تو آپ بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے۔ آپ گفتگو اس قدر آہستہ کرتے کہ آپ کے لفظ گنے جا سکتے تھے۔ اور اس قدر تیز چلتے کہ آپ کے ساتھ والوں کو بعض اوقات دوڑنا پڑتا تھا۔

آپ کے کھانا کھانے کے عادات میں اسی طرح سادگی موجود تھی جس طرح دیگر عادات

کھانا کھانے کی عادات

ہیں۔ کوئی چیز کھانے کے لئے سامنے آتی تو اگر اسے اس قابل پاتے کہ کھالیں تو کھا لیتے اگر اس میں کوئی نقص ہوتا کہ کھانے کے قابل نہ ہوتی تو اسے نہ کھاتے لیکن اس کا نقص نہ نکالتے۔ کھجور۔ جو۔ گیہوں۔ گوشت دودھ جو چیز بلا تکلف مل جاتی اسے کھا لیتے۔ اگر کوئی مہمانی میں اچھی چیز سامنے رکھ دیتا تو اسے بھی کھا لیتے۔ یہ تکلف نہ کرتے تھے کہ اسے نہ کھائیں ہاں عموماً صرف ایک ہی کھانا کھاتے تھے۔ نظافت پسند تھے میلے برتن میں کھانا پسند نہ کرتے تھے۔ سڑی ہوئی یا بودار چیز کے قریب نہ جاتے تھے۔ شہد آپ کو خاص طور پر مرغوب تھا۔ سبزیوں میں کدو کو بہت پسند کرتے تھے۔ ایسی چیزیں جن کے کھانے سے منہ سے بُو آئے آپ پسند نہ کرتے تھے جیسے پیاز، سرکہ۔ کھانے پر بیٹھتے تو ٹیک لگا کر نہ بیٹھتے۔ اگر آپ کی دعوت کہیں ہوتی اور آپ کے ساتھ اور لوگ بھی ہوتے تو کھانے سے پہلے بلا تکلف صاحب خانہ سے کہہ دیتے کہ اتنے آدمی مدعو ہیں اور یہ زاید ہیں۔ کھانے سے پہلے اور پیچھے ہاتھ دھوتے اور منہ کو خوب صاف کرتے۔

لباس

آپ کے لباس میں بھی سادگی تھی۔ پیوند لگا ہوا کپڑا پہن لینے میں مضائقہ نہ کرتے۔ اچھا کپڑا مل جاتا تو اسے پھینک نہ دیتے۔ البتہ ریشمی لباس آپ مردوں کے لئے پسند نہ کرتے تھے۔ جس کپڑے میں ذرا بو ہو جائے آپ اُسے فوراً اتار دیتے۔ اور لباس کو سادہ مگر صاف رکھتے تھے۔ انگوٹھی آپ نے اس وقت بنوائی اور پہنی جب بادشاہوں کو خطوط لکھنے کے لئے مہر لگانے کی ضرورت پیش آئی بعدہ یہ انگوٹھی آپ پہنتے رہے۔

عادات میں سادگی اور صفائی

دیگر عادات میں بھی اسی طرح سادگی اور صفائی کو آپ جمع رکھتے تھے۔ مکان جس میں رہتے تھے نہایت سادگی سے بنے ہوئے تھے۔ کچی اینٹ اور گارے کے چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ ان کے اندر سامان کوئی نہ تھا۔ ایک چارپائی ایک پانی کی ٹھلیا اور بس۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب آپ خیبر فتح کر چکے تھے۔ خیبر کی فتح سے واپس آتے ہوئے حضرت صفیہؓ کے ساتھ شادی کے بعد دعوت ولیمہ کی تو صحابہ کو فرمایا کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے دسترخوان پر لے آئے ستو اور کھجوریں جمع ہو گئیں اور یہ دعوت ولیمہ تھی۔ آپ کے گھروں میں برابر کئی دن تک آگ نہ جلتی تھی صرف کھجور کھا کر اور پانی پی کر گزارہ کرتے تھے۔ دنیا کو آپ ایک عارضی آرام گاہ سمجھتے تھے۔ فرمایا کہ دنیا میں میری مثال اس سوار کی ہے جو چلتے چلتے دوپہر کے وقت ایک درخت کے سایہ کے نیچے کچھ آرام کرلے۔ دنیوی مال اور

دنیوی آسائشوں کی کوئی محبت آپ کے دل میں نہ تھی۔ مسواک کا استعمال آپ بہت کرتے تھے۔ اور دن میں کئی کئی مرتبہ منہ کو صاف کرتے تھے جیسا کہ اب معلوم ہؤا ہے انسان کی صحت کا بہت کچھ انحصار منہ کی صفائی پر ہے۔ جسم کو بھی آپ نہایت صاف رکھتے تھے داڑھی اور سر کے بالوں کو کنگھی کرنے اور دھونے سے صاف رکھتے تھے۔ خوشبو کا استعمال بھی کرتے تھے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والے یہ شہادت دیتے ہیں کہ کبھی آپ کے جسم سے۔ لباس سے یا منہ سے بُو نہیں آئی بلکہ آپ کے پسینہ تک میں خوشبو تھی۔ آپ اپنے جسم۔ لباس وغیرہ کو ہر طرح پاک صاف رکھتے تھے۔ حوائج ضروریہ سے فراغت کے بعد مٹی اور پانی کا استعمال کرتے اور آبدست کے بعد ہاتھ کو مٹی سے رگڑ کر صاف کرتے۔ آپ کا باطن تو بہت ہی پاک اور نرا نور ہی نور تھا مگر آپ کا ظاہر بھی باوجود سادگی کے نہایت پاکیزہ تھا۔

دوستوں سے تعلقات

آپ کے تعلقات اپنے دوستوں سے حد درجہ کی محبت کے تھے۔ جب کوئی شخص آپ سے مصافحہ کرتا تو آپ اس کا ہاتھ چھوڑنے میں پہل نہ کرتے جس سے ملتے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ جریر بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے جب آپ کو دیکھا تبسم کرتے ہوئے دیکھا یعنی ہر وقت خندہ پیشانی پایا۔ آپ اپنے اصحاب سے مزاح کر لیتے اور بے تکلف بات چیت کرتے تھے پیروں کی طرح تکلف کی خاموشی اختیار نہ کرتے اور نہ بات کرنے میں اپنی بڑائی کا اظہار کرتے تھے۔ اپنے صحابہ کے بچوں کو گود میں لیتے اور ان کو پیار کرتے بسا اوقات بچے آپ پر پیشاب بھی کر دیتے مگر آپ کے چہرہ پر شکن نہ آتا۔ اپنے پاس بیٹھنے والوں سے فرماتے کہ میرے پاس کسی میرے دوست کی بُرائی بیان نہ کرو کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ سب کی طرف سے میرے سینے میں صفائی ہو۔ آپ اپنے اصحاب سے سلام کرنے اور مصافحہ کرنے میں پہل کرتے تھے۔ ان کو پکارتے تو عزت کے لئے کنیت سے مخاطب کرتے یا ان کا محبوب نام لیتے۔ جس شخص نے ایک دفعہ آپ سے دوستی کی آپ نے اس کی دوستی کی ہمیشہ قدر کی حضرت ابوبکر سے آپ کا تعلق شدید محبت اور دوستی کا تھا۔ حضرت خدیجہ کی رفاقت کو اس وقت یاد کرتے تھے جب آپ کے ہاں کئی بیویاں موجود تھیں۔ زید ایک آزاد کردہ غلام سے جب اس کے باپ نے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ تو اس نے گھر جانے پر رسول اللہ صلعم کی رفاقت کو ترجیح دی۔ اگر آپ کے

کسی دوست سے کوئی خطا ہو جاتی تو آپ بہت چشم پوشی کو کام میں لاتے۔ اور اشارۃً بھی اس کا قصور اس کو نہ جتلاتے۔ ہاں عام نصیحت میں سمجھا دیتے کہ کس طرح انسان کو ایسی باتوں سے بچنا چاہئے۔ جھوٹ سے آپ کی طبیعت بہت متنفر تھی اور ایسا ہی اس شخص سے متنفر ہو جاتے جو جھوٹ بولتا۔ لیکن محض قصور پر خواہ کتنا ہی بڑا ہو آپ گرفت نہ کرتے تھے جب اُحد کے میدان میں تیر اندازوں کے جگہ چھوڑ دینے کی وجہ سے مسلمانوں پر سخت مصیبت آئی آپ کے خود زخم بھی لگے آپ کے بہت سے عزیز دوست بھی مارے گئے تو آپ نے اس وقت بھی نہ ان نافرمانی کرنے والوں پر کورٹ مارشل کیا۔ نہ ان کو کوئی سزا دی حتیٰ کہ ملامت تک بھی نہیں کی۔ جو لوگ میدان جنگ سے بھاگ گئے ان سے جب وہ تیسرے دن واپس آئے صرف اس قدر کہا کہ تم بہت دور چلے گئے۔

دشمنوں تک سے آپ اس قدر فیاضی سے پیش آتے کہ اس کی نظیر کسی دوسرے انسان کی زندگی میں نہیں مل سکتی عبداللہ بن اُبَیّ جس کی ساری عمر آپ سے سخت عداوت رکھنے میں کٹی اور بارہا یہودیوں کو اور کفار کو مسلمانوں کے خلاف اُکساتا رہا جب وہ فوت ہوا تو آپ نے اس کے لئے دعائے مغفرت کی اور اپنی قمیص عطا کی جس کا اسے کفن پہنایا گیا۔ مکہ کے خطرناک دشمن جنہوں نے ایسے ایسے ظلم مسلمانوں پر اور خود آپ پر کئے تھے جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جب آخر کار ان پر فتح حاصل کرتے ہیں تو اُن کے قصور پر ان کو ملامت تک بھی نہیں کرتے۔ ایسے حالات میں کوئی دوسرا فاتح ہوتا تو عبرتناک سزا اہل مکہ کو دیتا مگر بیس سال کے لگاتار مظالم کو۔ ہاں ان منصوبوں کو جو اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے گئے بغیر کسی درخواست کے معاف کر دیا۔ دشمنوں کے چھ چھ ہزار قیدی بعض وقت صرف ان کی درخواست پر آزاد کر دیئے حضرت عائشہ کہتی ہیں آپ نے اپنی ذات کے متعلق کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں ایسے لوگوں کو بعض وقت سزائیں بھی دیں جنہوں نے غداری کر کے اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہا تھا۔ جہاں عفو سے اصلاح ہوتی وہاں آپ عفو کرتے لیکن جہاں سزا کی ضرورت ہوتی وہاں سزا بھی دیتے۔ ان شریروں کو جو شرارت سے باز نہ آتے تھے سزا نہ دینا بدی کی اعانت کرنا تھا۔ آپ کی فیاضی بلا تفریق قوم و ملت کام کرتی تھی۔ ایک عیسائی ایک یہودی ایک مشرک سے آپ اسی طرح فیاضی کا اظہار کرتے جس طرح ایک مسلمان سے مسلمانوں

دشمنوں سے عفو

کی خیرات کو آپ نے مسلمانوں تک محدود نہیں کیا *

انصاف

انصاف کے معاملہ میں آپ ایسے اعلیٰ اصول پر قایم تھے کہ سخت سے سخت دشمن اور عزیز سے عزیز دوست میں کوئی فرق نہ کرتے تھے۔ بعثت سے پہلے بھی آپ کی انصاف پسندی اور دیانت و امانت اس قدر مسلم تھی کہ لوگ اپنے جھگڑوں کے فیصلے آپ سے کراتے تھے۔ مدینہ میں جب تشریف لائے تو مشرکوں اور یہودیوں نے بھی آپ کو اپنے مقدمات اور تنازعات میں حکم تسلیم کیا یہود کو جس قدر عداوت اسلام سے تھی وہ گزشتہ صفحات میں ظاہر ہو چکی ہے۔ لیکن ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ آپ کے سامنے آتا ہے تو آپ فیصلہ یہودی کے حق میں کرتے ہیں اور اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ ایک ایک مسلمان اس وقت اسلام کی حفاظت کے لئے کس قدر قیمتی معاون ہے۔ اور بعض وقت ایک کی علیحدگی ایک قبیلہ کی علیحدگی ہے۔ آپ نے اپنی بیٹی سیدۃ نساء الجنۃ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارے عمل ہی تمہارے کام آئیں گے اور فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں۔ وفات سے پیشتر عام مجمع میں فرمایا کہ کسی کا کچھ قرضہ مجھ پر ہو تو وہ وصول کرے کسی کو مجھ سے تکلیف پہنچی ہو تو وہ قصاص لے لے *

برائی سے احتراز

آپ دوسروں کے ساتھ معاملات میں کسی قسم کی بڑائی اختیار نہ کرتے تھے لین دین اور تمام اور معاملات میں اپنے تئیں ایک معمولی انسان کی طرح رکھتے تھے ایک یہودی کا آپ پر کچھ قرضہ تھا وہ طلب کرنے آیا اور نہایت خشونت اور بداخلاقی سے پیش آیا اور کہا کہ تم بنی ہاشم جب کسی سے کچھ لے لیتے ہو تو دینے میں نہیں آتے۔ یہ مدینہ کا واقعہ ہے جہاں آپ بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کی گستاخی پر بہت غصہ آیا مگر آپ نے فرمایا کہ اے عمرؓ مناسب تھا کہ تم ہم دونو کو نصیحت کرتے۔ قرضخواہ کو یہ کہ مطالبہ کرنے میں سہولت سے کام لینا چاہئیے۔ اور مجھ کو یہ کہ قرضہ نیکی کے ساتھ واپس ادا کرنا چاہئیے۔ پھر اس کے قرضہ سے بڑھ کر رقم اس کو ادا کی اس حسن اخلاق کا ایسا اثر اس پر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ ایک موقعہ پر آپ اپنے احباب کے ساتھ کسی جنگل میں تھے۔ کھانا تیار کرنے کی ضرورت پیش آئی تو سب کے سپرد ایک ایک کام کر دیا اور فرمایا کہ ایندھن کے لئے لکڑیاں میں چن لاتا ہوں۔ باوجود بادشاہ اور معلم

روحانی ہونے کے رعایا کے ایک معمولی آدمی کی طرح کام کرتے تھے اپنے ماتحتوں اور نوکروں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرتے تھے حضرت انس کہتے ہیں میں دس سال آپ کی خدمت میں رہا مگر آپ نے کبھی مجھے جھڑکا تک نہیں۔ نوکر سے کوئی قصور ہو جائے تو اسے ملامت نہیں کرتے تھے۔ آپ نے کوئی غلام اپنے پاس نہیں رکھا جو آیا اس کو آزاد کر دیا۔ آپ نے ساری عمر کبھی کسی نوکر یا عورت کو نہیں مارا۔

غریبوں سے ہمدردی اور مظلوموں کی حمایت

فیاضی آپ کی طبیعت میں اس قدر تھی۔ کہ لکھا ہے۔ کسی سائل کو آپ نے کبھی نفی میں جواب نہیں دیا۔ اگر پاس کچھ نہ ہو تو اس انتظار میں رہتے تھے کہ کہیں سے کچھ آ جائے تو اس کے سوال کو پورا کریں خود تکلیف اور بھوک اُٹھا کر بھی سائل کے سوال کو پُورا کر دیتے تھے۔ مال دنیا کو اپنے پاس رکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ وفات سے پیشتر فرمایا کہ جو کچھ ہمارے گھر میں ہے وہ نکال لاؤ۔ اور جو کچھ تھا اسے خدا کی راہ میں دے دیا۔ غربا سے محبت آپ کی فطرت میں تھی۔ یتیموں۔ بیکسوں۔ بیواؤں کی آپ جائے پناہ تھے اور یہ بات بچپن سے آپ کی طبیعت میں تھی۔ غریبوں ضعیفوں اور ناتوانوں کا ایسا کوئی ہمدرد پیدا نہیں ہوا۔ آپ فرمایا کرتے تھے اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ کَھَاتَیْنِ جو شخص یتیم کی خبر گیری کرتا ہے وہ میرے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہے جس طرح انگلی سے اُنگلی۔ قرآن شریف میں ایک سورت میں ہے کہ جو شخص یتیم کو دھتکارتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا وہ دین کو جھٹلاتا ہے[1] قرآن شریف یتیموں اور ناتوانوں مسکینوں کی ہمدردی کے قوانین سے بھرا پڑا ہے۔ آپ پر جو بڑی سے بڑی مصیبت آتی آپ اُسے آسانی سے برداشت کر لیتے۔ مگر دوسروں کی مصیبت پر آپ کا دل بہت پگھلتا تھا۔ جس شخص پر ظلم ہوتا دیکھا اسی کی حمایت میں آپ کھڑے ہو گئے۔ بچوں اور عورتوں کے حقوق آپ نے مردوں پر قائم کئے غلام کے حقوق آقا پر قائم کئے۔ محکوم کے حقوق حاکم پر قائم رعایا کے حقوق بادشاہ پر قائم کئے۔ عجیب دل خدا نے آپ کے سینے میں دیا تھا کہ جس میں مخلوق خدا کی ہمدردی جوش مار مار کر پھوٹتی تھی۔ بچوں سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ راستے میں چلتے چلتے بچوں کو پیار کرتے۔ کسی دوست کی بیماری کا حال سنتے تو فوراً عیادت کے لئے جاتے اور تسلی دیتے۔ کوئی فوت ہو جاتا تو جنازہ کے ساتھ جاتے۔

[1] ارایت الذی یکذب بالدین فذلک الذی یدع الیتیم (الماعون)

حیوانات پر رحم

صرف بیکس انسانوں سے ہی آپ کو ہمدردی نہ تھی بلکہ بیزبان مخلوق خدا پر رحم بھی آپ کے اندر بھرا ہُوا تھا۔ ملک عرب میں جو ظلم جانوروں پر ہوتے تھے ان کو موقوف کیا۔ ایک عورت کے متعلق فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے اس لئے کہ وہ بلی کو بھوکا باندھ رکھا کرتی تھی جانوروں کا باہم لڑانا ان کا نشانہ بنانا بھی منع فرمایا۔ ایک صحابی نے ایک پرند کا انڈا اٹھالیا تو فرمایا کہ اسے وہیں رکھ دو۔ ایک نے کسی پرند کے چھوٹے چھوٹے بچے جھاڑی سے نکال لئے تو آپ نے حکماً وہیں رکھوا دیئے۔ لاغر جانور کو دیکھتے تو فرماتے کہ بے زبانوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی کی صفت بھی آپ میں کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ اپنے مہمان کی ہر قسم کی خاطر مدارات خود کرتے تھے جس قدر گنجایش آپ کے ہاں ہوتی اس قدر مہمانوں کو رکھ کر باقی کو صحابہ پر تقسیم کر دیتے جو وہ بھی اپنے آقا کے اخلاق کے رنگ میں رنگین تھے۔ اور بعض وقت ایسا ہُوا ہے کہ خود بھوکے سو رہے ہیں اور گھر میں جو کھانا ہے وہ مہمان کو کھلا دیا ہے۔

کلام میں نرمی

آپ نے کبھی کسی کو گالی نہیں دی۔ بلکہ سخت کلامی سے بھی آپ کسی سے پیش نہ آتے تھے۔ جس کو سمجھانا ہوتا نہایت نرمی اور محبت سے سمجھاتے۔ بلکہ دوسروں کو بھی سخت کلامی سے روکتے۔ یہودی آپ کو بجائے السلام علیکم کے السام علیکم کہا کرتے تھے۔ یعنی تم پر موت آئے حضرت عایشہ نے سُنا تو بے اختیار بول اُٹھیں کہ خدا تمہیں ہلاک کرے تمہیں پر موت آئے آپ نے فرمایا عایشہ خدا سخت کلامی کو پسند نہیں کرتا۔

امانت صدق و راستبازی

امانت۔ صدق اور راستبازی آپ کی سارے عرب میں مشہور تھی۔ یہاں تک کہ آپ کا نام ہی الامین ہو گیا تھا۔ خود ابوجہل کا اعتراف موجود ہے۔ جب اس نے نبی صلعم سے کہا کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اس پیغام کو جھوٹا کہتے ہیں جو آپ لائے ہیں۔ نضر ابن الحرث نے خود اپنے ساتھیوں کو جب وہ رسول اللہ صلعم کے خلاف مشورے کر رہے تھے یوں ملزم کیا کہ محمد صلعم تم میں ایک لڑکا تھا سب سے پسندیدہ۔ بات میں سب سے سچا۔ امانت میں سب سے بڑھ کر اور جب وہ بوڑھا ہو گیا اور تمہارے پاس کچھ پیغام لایا تو تم اسے ساحر کہتے ہو خدا کی قسم وہ ساحر نہیں۔ آپ نے جو عہد کیا اس کو بڑے بڑے نقصان اُٹھا کر بھی پورا کیا۔ کفار کے ساتھ جو حدیبیہ میں عہد ہُوا کہ اہل مکہ میں سے کوئی مسلمان

ہو کر آپ کے پاس آئے تو اسے واپس کر دیں گے۔ اس کو آپ نے ایسے ایسے حالات میں پورا کیا کہ خود مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔ عفت اور پرہیزگاری کے لحاظ سے بھی آپ نے کامل نمونہ دکھایا۔ پچیس برس کی عمر تک شادی نہیں کی۔ مگر آپ کی عفت پر کوئی شخص ہلکے سے ہلکے دھبہ کا نشان بھی نہیں بتا سکتا۔

عفو کی صفت کا اظہار آپ میں اس درجہ کمال پر ہوا کہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آپ کو قرآن میں یہ حکم دیا جاتا ہے خُذِ العَفْوَ جس کی تفسیر یوں بتائی گئی کہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ قطع رحمی کا معاملہ کرتا ہے اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرو۔ اور جو شخص تم کو محروم کرتا ہے اسے تم دو۔ اور جو شخص تم پر ظلم کرتا ہے اسے معاف کرو۔ منہ سے عفو کی تعلیم دینے والے بہت گزرے ہیں مگر اس کو موقعہ پر عمل میں لانے والے بہت کم ہیں۔ جنگ اُحد میں آپ کے دانت مبارک شہید ہو گئے۔ منہ زخمی ہو گیا۔ آپ گر گئے۔ بعض صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ان لوگوں پر جنہوں نے خدا کے رسول کو اس قدر دکھ پہنچایا ہے بد دعا کیجئے۔ فرمایا۔ مجھے لعنت کرنے کیلئے نہیں بھیجا گیا بلکہ داعی خیر بنا کر اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اے خدا میری قوم کو ہدایت کر کیونکہ وہ جانتے نہیں۔ کس قدر رحمت قلب میں جوش زن ہے کہ سخت دکھ اٹھاتے ہوئے بھی صرف بد دعا سے خاموشی اختیار نہیں کی۔ بلکہ اپنے دشمنوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک اعرابی نے آپ کے گلے میں چادر ڈال کر زور سے کھینچا۔ جب آپ نے اس سے کہا کہ کیا اس کا تجھ سے بدلہ لیا جائے تو اس نے کہا کہ نہیں اس لئے کہ آپ بدی کا مقابلہ بدی سے نہیں کرتے۔ فتح مکہ میں جو عفو کا نمونہ آپ نے دکھایا۔ کمال غلبہ کے وقت جو نرمی ان دشمنوں سے کی جنہوں نے مسلمانوں کو اذیت دینے میں ان کو قتل کرنے میں اسلام کو نیست و نابود کرنے میں خود رسول اللہ صلعم کو قتل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا۔ بے نظیر ہے۔ ایسا معاف کیا کہ ان سے باز پرس تک بھی نہ کی۔ ابو سفیان جیسا دشمن جب سامنے آیا تو اس کے کسی فعل پر گرفت نہیں کی۔ حالانکہ وہ اسلام کو تباہ کرنے کیلئے پورا زور لگا چکا تھا اور جنگ اُحد میں حضرت حمزہ کی لاش کا مثلہ اسی کی عورت سے وقوع میں آیا بلکہ یوں فرمایا کہ اے ابو سفیان تجھ پر افسوس کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟

حیا آپ میں اس قدر تھی کہ صحابہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلعم پردہ میں بیٹھنے والی کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ حیادار ہیں۔ قرآن شریف میں شہادت موجود ہے کہ آپ کو جب بعض لوگوں کی ناسمجھی سے بڑی بڑی تکلیف بھی پہنچتی تو آپ ان کو کچھ نہ کہتے اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ اس بات سے نبی کو ایذا

پہنچتی ہے مگر وہ تم سے حیا کرتے ہیں. نام لیکر کسی کا عیب بیان نہ کرتے بلکہ یوں سمجھا دیتے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسا کرتے ہیں۔ ایک شخص پر کچھ رنگ دیکھا تو دوسروں کو فرمایا کہ بہتر ہو کہ کوئی اسے سمجھا دے کہ وہ اس کو دھوڈالے۔ آپنے حیا کو ایمان کی ایک شاخ قرار دیا اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَان مگر دین کے معاملے میں بہت غیور تھے۔ دین کے خلاف کوئی امر دیکھتے تو روک دیتے۔ جب آپکے صاحبزادہ ابراہیم فوت ہوئے تو اسی دن سورج کو گرہن لگا ایسا کہ بالکل تاریک ہو گیا۔ لوگوں نے آپس میں باتیں کرنی شروع کیں کہ حضرت ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ آپنے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ سورج کو گرہن کسی کی زندگی یا موت کی وجہ سے نہیں لگتا ہاں یہ خدا کی طرف سے نشانیاں ہیں یوں توہم پرستی کو جڑ سے کاٹا۔

رافت و رحمت

آپ کی کمال شفقت اور رافت اور رحمت کی شہادت قرآن کریم کے ان الفاظ سے ملتی ہے کہ آپ کو رؤف و رحیم کا خطاب دیا گیا ہے۔ آپ کو اپنی امت کا بہت خیال رہتا تھا کہ آپ کی کسی ہدایت سے ان پر کوئی ایسا بوجھ نہ ہو جو وہ برداشت نہ کر سکیں اپنی امت کیلئے آپ نے دعائیں بھی بہت کی ہیں اور آخر زمانہ میں جو ان پر مصائب آنیوالے تھے اُن کا نقشہ بھی کھینچ دیا ہے اور ان کو ان مصائب کے اندر تسلی بھی دی ہے۔ اپنوں پر شفقت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جب غیروں پر اس قدر شفقت ہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر دوگے کہ لوگ حق کو نہیں مانتے؛ جن لوگوں کے تعلقات آپ کے دوستوں سے ہوئے یا ان پر کوئی احسان انہوں نے کیا۔ ان کے احسان کو نہیں بھلایا حضرت خدیجہ کے ساتھ جن بیبیوں کے کوئی تعلقات محبت تھے آخر عمر تک ان کو تحفے بھیجتے رہے نجاشی شاہ حبش کی طرف سے جب ایک وفد آیا تو آپ اپنے ہاتھ سے ان کی خدمت کرتے جب صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم ہر طرح خدمت کو تیار ہیں تو فرمایا کہ ان لوگوں نے میرے اصحاب کی عزت کی اسلئے میں چاہتا ہوں کہ میں خود انکی خدمت کروں۔ حاتم طائی کی بیٹی قیدیوں میں آئیں تو آپنے فرمایا ایسے سخی آدمی کی بیٹی قید میں نہیں رہ سکتی۔ اور پھر اس کی خاطر سب قیدیوں کو آزاد کر دیا +

بڑوں اور چھوٹوں کی عزت

بڑوں اور چھوٹوں کی یکساں عزت کرتے تھے ایک طرف اگر اپنی رضاعی والدہ اور رضاعی والد اور رضاعی بہن کی خاطر کھڑے ہو جاتے اور اپنی چادر ان کے بیٹھنے کے لئے بچھا دیتے تو دوسری طرف اپنی بیٹی کی بھی اسی طرح عزت کرتے۔ آپ کی تعلیم میں ہے اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ اپنی اولاد کی عزت کرو۔ جب ماں باپ اولاد کی عزت کرتے ہیں تو اولاد لازماً ان کی عزت کرتی ہے۔ ماں کی اس قدر عزت سکھائی کہ فرمایا جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے باوجود سادگی اور بے تکلفی کے ہر شخص سے اس کے قدر اور مرتبہ کے مطابق سلوک کرتے +

فروتنی اور حلم کی صفات بھی آپ میں کمال کو پہنچی ہوئی تھیں۔ مگر باوجود اس کے شجاع تھے دشمن کا خوف کبھی آپ کے دل میں جاگزین نہیں ہوا۔ جب مکہ میں آپ کو قتل کرنے کے منصوبے ہوتے تھے۔ تب بھی آپ اسی آزادی سے دن کو اور رات کی تاریکی میں باہر نکلتے تھے۔ مکہ سے سب دوستوں کو رخصت کر دیا اور آپ دشمنوں کے اندر اکیلے رہے۔ غار ثور میں جب دشمن سر پر تھا تب بھی آپ کے منہ سے یہ کلمہ نکلا کہ لَا تَحْزَنْ کوئی غم کی بات نہیں۔ میدان جنگ میں جب ساری فوج زغہ میں آ گئی تو آپ نے نہایت درجہ کی شجاعت سے آواز دے کر سب کو اکٹھا کر لیا۔ ایک اور موقعہ پر جب فوج بھاگ نکلی تو آپ اکیلے دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے اور بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ میں رسول اللہ ہوں۔ ڈاکہ کا خطرہ ہوا تو آپ سب سے پہلے بغیر زین کے گھوڑے پر بیٹھ کر پتہ لانے کے لئے باہر نکل گئے۔ کسی سفر میں اکیلے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے کہ ایک دشمن سر پر آ پہنچا اور تلوار کھینچ کر اور آپ کو جگا کر کہا کہ اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے۔ آپ ذرہ بھر نہیں گھبرائے اور فرمایا خدا۔ قدرت کی بات۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑتی ہے۔ تب آپ اسی تلوار کو اٹھا کر اس سے وہی دریافت کرتے ہیں تو وہ عاجزی کا اظہار کرتا ہے آپ اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں۔

فروتنی حلم و شجاعت

دکھوں اور مصیبتوں میں جو استقلال آپ نے دکھایا ہے اس پر آج آپ کے دشمن سوانح نویس بھی عش عش کر اٹھتے ہیں۔ سخت سے سخت مایوس کن حالات میں مایوسی آپ کے پاس نہیں پھٹکی۔ اور چاروں طرف سے ناکامی کے نظاروں نے ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کی آخری کامیابی کے یقین کو متزلزل نہیں کیا۔ آپ ایک پہاڑ کی طرح تھے اور زبردست سے زبردست مصیبت کی آمد بھی آپ کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکی۔ آپ اسباب سے کام لیتے تھے اور پھر نتیجہ کو خدا پر چھوڑتے تھے۔ اور کبھی اس بات سے گھبراتے نہ تھے کہ نتیجہ خلاف امید ہوا۔ اُحد کے میدان میں اس قدر مصیبت اٹھا کر اگلے ہی دن دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے پھر تیار ہیں۔ مکہ میں جب چاروں طرف ناکامی نظر آتی ہے۔ دوست تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ لوگ پیغام حق سننے سے انکار کر دیتے ہیں تب بھی آپ کا ایمان آخری کامیابی پر اسی طرح مضبوط ہے اور ناکامی کا واہمہ بھی آپ کے دل میں نہیں آتا۔

استقلال

۳۲- مصلحین عالم میں آپ کو ممتاز کرنیوالے امور

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء - ۱۰۷)

اور ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

دنیا میں بہت مصلح آئے۔ ہر ملک اور ہر زمانہ میں آئے لیکن کئی ایک امور ہیں جو حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو ان سب پر ممتاز کرتے ہیں۔ ان امور میں سب سے پہلی بات آپ کی حیرتناک کامیابی ہے جس کا اعتراف دشمن و دوست کو یکساں ہے۔ چنانچہ انسکلو پیڈیا بریٹینیکا میں "قرآن" کے عنوان پر جو مضمون ہے اس میں ذیل کے صاف الفاظ میں یہ اعتراف آنحضرت صلعم کے متعلق موجود ہے کہ آپ دنیا کے تمام انبیاء اور مذہبی اشخاص میں سب سے زیادہ کامیاب انسان ہیں"۔ یہ اعتراف بلا وجہ نہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ دنیا میں کوئی مصلح نہیں آیا جس نے اپنی قوم کو اس گری ہوئی حالت میں پایا ہو جس میں آنحضرت صلعم نے ملک عرب کو پایا۔ یہ لوگ نہ مذہب کے صحیح اصول سے واقف تھے نہ سیاست کے نہ تمدن کے نہ معاشرت کے۔ نہ علم ان کے اندر تھا۔ ان کے تعلقات بیرونی لوگوں سے تھے۔ نہ ان میں کوئی اتفاق و اتحاد تھا۔ نہ ایک قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ غرض ہر پہلو سے یہ قوم اصلاح طلب تھی اور خطرناک جہالت میں مبتلا تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہودی اپنا پورا زور ان کی اصلاح پر صرف کر چکے۔ عیسائی پورا زور لگا چکے اور دونوں ایسے ناکام ہوئے کہ کسی ایک امر میں بھی ملک کے اندر اصلاح پیدا نہ کر سکے۔ حنیفیت کی اندرونی تحریک بھی پیدا ہو کر ختم ہو چکی تب آنحضرت صلعم کا ظہور ہوا اور چند ہی سال کے عرصہ میں ایک ایسا انقلاب پیدا کر کے دکھایا کہ ملک عرب کی زمین و آسمان بدل گئے۔ ذلیل سے ذلیل بت پرستی اور توہم پرستی سے نکال کر توحید کے اس بلند سے بلند مقام پر پہنچا دیا جس پر نہ اس سے پہلے کوئی قوم پہنچی نہ بعد میں پہنچ سکے گی۔ پھر اس توحید کے لئے ایسا جوش کہ دنیا کے ممالک میں چاروں طرف نکل گئے اور دور دور تک ندائے حق کو بلند کیا۔ خدا کی عبادت میں ان لوگوں کا مقام تمام راہبوں اور دنیا سے کنارہ کشی کرنیوالوں سے بڑھ کر تھا اس لئے کہ وہ دن کو کاروبار میں گزارتے ہوئے اللہ اکبر کی نداسن کر دیوانہ وار خدا کے حضور جا کھڑے ہوتے تو راتوں کو بیداری میں گزارتے ہوئے عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے۔ وہ دنیا میں ہونے کے باوجود دنیا سے قطع تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے جو لذت اور جو خضوع خشوع ان کو

عبادت میں حاصل ہوتا تھا۔ وہ کسی گوشہ نشین زاہد کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر اگر روحانیت کے لحاظ سے عبادت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر کھڑے تھے۔ تو دنیوی نقطہ نگاہ سے بھی اس اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر پہنچ گئے تھے جس پر انسان پہنچ سکتا ہے یعنی وہ دنیا کے عظیم الشان فاتح بنے بڑی سے بڑی سلطنتیں ان کے سامنے یوں گرتی چلی گئیں کہ گویا ان کی کچھ حقیقت ہی نہ تھی۔ پھر وہ صرف فاتح ہی نہ تھے۔ بلکہ فتح کے بعد ہر ملک میں ایسا انتظام قائم کیا کہ پچھلے لوگوں کی غفلت کے باوجود بارہ صدیوں تک اس سلطنت کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ غرض وہ زاہدوں میں سب سے بڑے زاہد اور فاتحوں میں سب سے بڑے فاتح ہوئے۔ اور ان دونوں باتوں کے باوجود تیسری بات جس میں انہوں نے کمال کر دکھایا وہ علم تھا انہوں نے زاہد اور فتوحات کے ساتھ ساتھ علم کو ایسا کمال پر پہنچایا کہ آج انہی کی بدولت دنیا علم کے نور سے منور ہے غرض حضرت نبی کریم صلعم نے ملک عرب کو ایسی حالت میں پایا جس سے بڑھ کر گری ہوئی حالت کسی ملک کی متصور نہیں ہو سکتی۔ اور دنیوی اور روحانی ترقی کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچایا جس سے آگے کوئی مقام نہیں۔ اور یہ سب کچھ بیس برس کے عرصہ میں ہو گیا۔ اس میں یہ بھی دکھانا مقصود تھا کہ آپ کی تعلیم قوائے انسانی کی کل شاخوں پر مشتمل ہے اور دنیا کی کوئی بیماری نہیں جس کا علاج آپ کی تعلیم میں نہیں جس طرح سب سے بڑا طبیب وہ نہیں جو سب سے بڑھ کر دعویٰ کرے بلکہ وہ ہے جو سب سے زیادہ بیماروں کو اچھا کرے۔ اسی طرح مصلحین عالم میں سب سے بڑا وہ نہیں جیسا بعض کا خیال ہے جو سب سے بڑھ کر دعویٰ کرے بلکہ وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اصلاح کرے اور یہ وہ بات ہے جو محمد رسول اللہ صلعم کو دنیا کے کل انبیاء اور کل مصلحین کا سرتاج بناتی ہے۔

دنیا میں ہر ایک نبی ایک قوم کی اصلاح کے لئے آیا۔ وہ نور اور ہدایت لایا مگر صرف ایک خاص قوم اور خاص ملک کے لئے۔ اس کے دنیا میں آنے کی غرض انسانوں کا تزکیہ نفس تھا مگر انہی کا جن کی طرف وہ بھیجا گیا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلعم کل دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے وہ نور اور ہدایت جو آپ کو دیا گیا ایک قوم کے لئے نہ تھا بلکہ دنیا کی کل قوموں کے لئے۔ تزکیہ نفوس کیلئے آپ کی عقد ہمت کا دائرہ اس قدر وسیع ہوا کہ تمام دنیا کو اپنے اندر شامل کر لیا یہی وہ بات ہے جس کی طرف آیت مندرجہ عنوان میں توجہ دلائی گئی ہے اسی قسم کی اور آیات سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا اور فرمایا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ پھر فرمایا اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ كَآفَّةً لِّلنَّاسِ پھر فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا مصلحت الٰہی کا یوں تقاضا

تمام قوموں کی طرف مبعوث ہونا

ہوا کہ جس وقت نسل انسانی مختلف ملکوں میں علیحدہ علیحدہ پڑی ہوئی تھی اور قوموں کے باہمی میل جول کے ذرائع بہت کم تھے۔ ان کی ضروریات اور ان کے خیالات بھی محدود تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی اصلاح کے لئے ایک نبی بھیج دیا بعض قوموں میں کئی کئی نبی بھی بھیج دیئے ان انبیاء نے اپنے اپنے زمانہ کے مطابق ان قوموں کی اصلاح کی مگر جس طرح وہ قوم محدود تھی اسی طرح ان کا عقد ہمت بھی اسی دائرہ کے اندر تھا۔ اور نہ صرف مکان کے لحاظ سے بلکہ زمانہ کے لحاظ سے بھی ان کی قوت قدسی کا دائرہ ایک جگہ آکر ختم ہو جاتا جہاں یا جب دوسرے نبی کی ضرورت پیش آتی۔ لیکن جہاں اس طریق سے اللہ تعالیٰ نے کل عالم کی ربوبیت روحانی کا سامان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انسانوں کی تنگ نظری کی وجہ سے ہر قوم میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں خاص قوم کو ہی اپنی مہربانیوں کے لئے چن لیا ہے اور دوسری کسی قوم کو اس نعمت سے حصہ نہیں ملا۔ پس ایک خطرناک قومی تفریق پیدا ہو گئی اور ملکی حد بندیوں نے تعلقات انسانی کے اندر ایسی قیود پیدا کر دیں کہ ہر ایک قوم اپنے سوائے دوسروں کو ہیچ سمجھنے لگی اس لئے اللہ تعالیٰ نے یوں مقدر فرمایا کہ تمام انبیاء کے آخر پر ایک ایسا نبی بھیجے جو کل قوموں کی طرف مبعوث ہو اور جس کی قوت قدسی جس طرح مکان کے لحاظ سے ساری زمین پر محیط ہو اسی طرح زمانہ کے لحاظ سے اس کا دائرہ قیامت تک وسیع ہو۔ اس لئے جب قومی نبیوں کا دائرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر منتہی ہو گیا اور حضرت عیسیٰ کو بھی یہی کہنا پڑا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوائے اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ تو رحمۃ للعالمین کا ظہور دنیا میں ہوا۔ انبیائے سابقین کی مثال ایسی تھی جیسے ایک اندھیری رات میں مختلف مکانات میں مختلف چراغوں کی روشنی ہو۔ ان کا وجود تاریکی کے اندر ایک شمع نور افگن تھا۔ مگر جس طرح چراغ ایک کمرہ کے اندر ہی روشنی دے سکتا ہے اسی طرح ان کے نور ان کی ہدایت ان کی قوت قدسی کا دائرہ بھی اس قوم کے اندر محدود تھا مگر محمد رسول اللہ صلعم کا ظہور آفتاب عالمتاب کا طلوع ہے جس کے ساتھ دنیا کے چاروں کناروں میں روشنی پہنچ جاتی ہے۔ جس کی شعاعیں زمین کے ہر کونہ کو منور کر دیتی ہیں انبیائے عالم سب روشن چراغ تھے مگر محمد رسول اللہ صلعم آفتاب عالمتاب تھے۔ چراغ کی روشنی ایک مکان کے اندر محدود ہوتی ہے اور ایک وقت کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہے۔ یہی حالت ان انبیاء کی تعلیم کی تھی۔ آفتاب کل عالم کو روشن کرتا ہے اور اس کی روشنی قیامت تک اس عالم کو منور کرتی رہے گی یہی کیفیت محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم کی ہے۔ پس یہ دوسری بات ہے جو آپ کو مصلحین عالم میں ممتاز کرتی ہے۔

بلکہ شہنشاہ گرین گیا اور اس عظیم الشان سلطنت کا بانی ہوُا جو آج تیرہ سو سال بعد بھی دنیا کی متفقہ کوششوں کا جو اس کے بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے جاری ہیں مقابلہ کر رہی ہے*

اگر امانت یا دیانت یا راست کرداری بڑائی کا کوئی معیار ہے جس کا مہذب دنیا کو آج کل نظری طور پر اقرار مگر عملی طور پر انکار ہے تو اس سے بڑا اور کون ہوگا جو عمر سے لے کر لحد تک اپنے ہم چشموں اور ہم اثروں میں الامین کے سعادت آفرین لقب سے ملقب ہے*

اگر کوئی شخص اس لئے بڑا کہلا سکتا ہے کہ اس کا نام ایک بڑی قوم کے لئے ایک زندہ طاقت کا کام دیتا ہے تو یاد رکھو کہ محمد صلعم کے نام میں جو طاقت ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی طاقت نہیں اس لئے کہ یہ نام شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کے چالیس کروڑ مسلمانوں کو بلا تفریق رنگ بلا امتیاز ملک وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا کی زبانی رسی میں باندھنے والا ثابت ہوتا رہا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔ ہاں اگر پیروؤں کیلئے یہ نام ایک زندہ طاقت کا کام دیتا ہے تو دشمنوں کیلئے بھی نصرت بالرعب مسیرۃ شہر (مجھے ایک مہینہ کی مسافت سے کام کرنیوالے رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے) کا کام دے رہا ہے اور اسلام کی تباہی چاہنے والے سارے سامانوں کے باوجود مسلمانوں کی اس گری ہوئی حالت میں بھی ان سے خائف ہو رہے ہیں*

چھٹی خصوصیت یہ ہے۔ کہ جہاں ہر ایک صاحب کمال نے اس پہلو میں کمال دکھایا ہے۔ جسے اس زمانہ یا اس کی قوم یا اس کے ملک کی حالت پیدا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ آنحضرت صلعم کے کمالات ایسے ہیں کہ آپ کے زمانہ اور آپ کے ملک اور آپ کی قوم کی حالت ان کے پیدا کرنے کی قابلیت اپنے اندر نہ رکھتی تھی۔ جب کسی قوم یا ملک میں توحید کا چرچا ہو تو ایک موحد کا پیدا ہو جانا جب فلسفیانہ تحقیق کا عام رواج ہو تو ایک بڑے فلسفی کا پیدا ہو جانا جب قوم یا ملک کی حالت بیرونی حملوں کے باعث قوم کے اندر جنگ کا جوش پیدا کر رہی ہو تو ایک بڑے فاتح کا پیدا ہو جانا جب قوم کی توجہ عام طور پر اخلاق کی طرف ہو تو اخلاق کے ایک بڑے معلم کا پیدا ہو جانا جب قوم میں شعر و شاعری کا شوق بڑھ رہا ہو تو ایک بڑے شاعر کا پیدا ہو جانا عین ان حالات انسانی کے مطابق ہے۔ جن کا مشاہدہ تاریخ ہمیں کراتی ہے۔ مگر ایک سخت بت پرست قوم کے اندر جو شرک کی نجاست میں لتھڑی ہوئی ہو اور توحید سے مطلقاً ناآشنا ہو ایک ایسے شخص کا پیدا ہو جانا جس کی فطرت کے اندر ہی بتوں سے تنفر ہو اور پندرہ سولہ سال کی ہی عمر میں لات اور عزیٰ کا واسطہ دیئے جانے پر نہایت جرأت سے یہ کہہ دے کہ مجھے دنیا میں کسی چیز سے اس قدر نفرت نہیں جتنی ان پتھر کے معبودوں سے ہے۔ اور جو خالص توحید کا معلم واحد ہو۔ ایک ایسی قوم کے اندر جو توہم پرستی میں حد

کمالات نبوی کا حالات زمانہ سے بالاتر ہونا

سے گزری ہوئی ہو ایک اعلیٰ درجہ کے فلسفیانہ دماغ رکھنے والے دشمن توہم پرستی کا پیدا ہو جانا۔ ایک ایسی قوم کے اندر جس پر علم کی روشنی کی ایک کرن بھی نہ پڑی ہو۔ اس روشنی کو دنیا کے تاریک سے تاریک کونوں تک پہنچانے والے انسان کا پیدا ہو جانا۔ ایک ایسی قوم کے اندر جو شیرازہ جمعیت کے بکھر جانے کے باعث اس بات کے سمجھنے سے بھی عاری ہو چکی ہو کہ قومی وحدت بھی کوئی چیز ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا کی ندا کے بلند کرنے والے کا پیدا ہو جانا۔ ایک ایسی قوم کے اندر جو اخلاق فاضلہ سے اس قدر دور جا پڑی ہو کہ اخلاق رذیلہ پر فخر کرنا اس کا شیوہ ہو چکا ہو خلق عظیم کا سبق دینے والے اور تخلقوا باخلاق اللہ کا نعرہ مارنے والے کا پیدا ہو جانا۔ ہاں اس قوم کے اندر جو شراب نوشی اور قمار بازی میں دنیا کی کل قوموں پر فوقیت لیجا چکی ہو۔ دنیا سے شراب نوشی اور قمار بازی کے استیصال کی ایک ہی کوشش کرنے والے کا پیدا ہو جانا۔ پھر اس قوم کے اندر جو عورت کو اس قدر ذلیل سمجھتی ہو کہ زندہ لڑکی کو گاڑ دینا اس کے بڑے آدمیوں کا فخر ہو۔ عورتوں کی عزت اور عورتوں کے ان حقوق کے قائم کرنے والے کا پیدا ہو جانا جو آج کل کی تہذیب بھی طبقہ نسوان کو نہیں عطا کر سکی۔ اور بالآخر اس قوم کے اندر جس میں صدیوں کی باہمی لڑائیوں سے جنگجوئی کو فخر انسانیت سمجھا جاتا تھا ایک ایسے شخص کا پیدا ہو جانا جو دنیا میں صلح اور اتحاد اور نسل انسانی کی اخوت کی بنیاد رکھنے والا ہو۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کے لئے تاریخ کسی دوسرے آدمی کا نمونہ نہیں دکھا سکتی اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ظلمتوں اور نجاستوں کے اندر اس نور اس لطافت کو تیار کرنے والا وہی خدا تھا جو زمین اور سمندر کی تاریکیوں میں ہیرے اور موتی پیدا کرتا ہے اور محمد صلعم کے وجود میں اس نے اپنی اس قدرت کاملہ کا وہ کامل نمونہ دکھایا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

انسانوں، قوموں، مذہبوں میں صلح کی بنیاد

ساتویں اور سب سے بڑی خصوصیت جو آپ کو تمام انبیاء پر ممتاز کرتی ہے۔ اور تمام عالم کے لئے رحمت ٹھہراتی ہے آپ کا ایک عظیم الشان صلح کی بنیاد رکھنا ہے نہ صرف مختلف انسانوں میں نہ صرف مختلف قوموں میں بلکہ ان سب میں مشکل کام یعنی مختلف مذاہب میں صلح کی بنیاد رکھنا۔ تمام انسانوں میں مساوات کا رنگ یوں پیدا کیا کہ بڑے سے بڑے انسان کے متعلق بھی یہ تعلیم دی قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں بھی تمہاری طرح ہی ایک انسان ہوں۔ مرد اور عورت۔ نوکر اور آقا۔ جاہل اور عالم بادشاہ اور رعیت سب ایک دوسرے پر حقوق رکھتے ہیں اور ہر ایک دوسروں کے متعلق ایک ذمہ واری کے نیچے ہے۔ انسانیت کی صف میں وہ سب ایک مقام پر کھڑے ہیں۔ حج کے اندر اس کا ایک عملی نظارہ بھی دکھا دیا کہ لاکھوں انسان ایک لباس میں ایک حیثیت میں ایک شکل میں اکٹھے کر کے دکھا دئے وہ مساوات نسل انسانی جس کا نظارہ دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا۔ خانہ کعبہ کے گرد اور منیٰ اور عرفات کے

مقاموں میں وہ نظارہ ہر ایک آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ پھر پانچ وقت کی نمازیں بھی کم و بیش یہی مساوات کا نظارہ نظر آتا ہے خدا کے حضور بادشاہ اور درویش دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں ملکی انتظام میں ایک غلام کو قریش پر حاکم مقرر کرکے دکھا دیا حصول علم میں کوئی فرق مرد اور عورت کا نہیں رکھا۔ نہ چھوٹے اور بڑے کا۔ قومی مساوات کے لئے یہ قاعدہ تجویز فرمایا کہ یہ قومیں اور قبیلے ایک دوسرے پر بڑائی کرنے کے لئے نہیں بلکہ صرف شناخت کیلئے ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے ہیں۔ اور بڑائی کا معیار اب دنیا میں قومیت نہ رہے گی بلکہ تقویٰ رہے گا[۱]۔ کالے گورے کا فرق، مشرقی اور مغربی کا فرق سب مٹا دیا۔ سب ایک باپ کے بیٹے ہیں[۲] اور پھر سب سے مشکل کام بھی کرکے دکھا دیا یعنی مذاہب میں صلح۔ جو دنیا کے کسی مصلح کے وہم میں بھی نہ آیا تھا۔ عام اصول قایم کر دیا کہ سب قوموں میں رسول ہوتے رہے۔ کوئی قوم خدا کے نعمائے روحانی سے محروم نہیں رہی۔ اور ایک مسلمان کا فرض قرار دے دیا کہ نہ صرف اپنے رسول پر ایمان لائے بلکہ جس قدر مختلف قوموں میں دنیا میں نبی اور رسول ہوئے سب پر ایمان لائے۔ آپ سے پہلے کسی شخص کے منہ سے یہ کلمہ نہ نکلا تھا کہ دنیا کی ہر قوم میں رسول آتے رہے ہیں جب ہم نے سب دنیا کے پیشواؤں کو سچا مان لیا تو نسل انسانی میں ایک ایسے اتحاد کی بنیاد رکھ دی جو کبھی برباد نہیں ہو سکتا۔ ہم سب بھائی بھائی ہو گئے پھر سب پیشواؤں کی عزت کرنا ہمارا فرض قرار دیا۔ یہاں تک کہ جن کو ہم باطل معبود بھی سمجھتے ہیں ان کو بھی گالی دینا منع کر دیا[۳]۔ پھر حقیقی پیشوایان قوم کی عزت کیوں نہ کریں پھر نہ صرف مذاہب میں صلح کی بنیاد ڈالی بلکہ مختلف اعتقادات میں بھی جو ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے ہیں صلح کی راہ بتا دی اور فرمایا کہ جو امور مشترک سب مذاہب میں پائے جاتے ہیں ان کو بطور ایک بنیاد کے صحیح قبول کر لیا جائے[۴] اور پھر تمام اعتقادات کو اس امر مشترک پر پرکھا جائے کہ وہ اس کے خلاف تو نہیں ✦

مختصر یوں کہ اگر ایک طرف آپ نے اللہ تعالیٰ کی عزت و جبروت کو دنیا میں قایم کیا اور اس کی توحید کو تمام آلائشوں سے پاک کر دیا تو دوسری طرف مساوات اور وحدت نسل انسانی کو بھی کمال پر پہنچایا اور انسان کی عزت کو دنیا میں بلند کیا۔ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم ✦

---

۱ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ۱۲ ۲ انما المؤمنون اخوۃ ۱۲ ۳ لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ ۴ تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ۱۲